سلسلہ تاریخِ نسیمی

بلوچ اور بلوچستان

بلوچستان کے قدیم آبادکار

(موضعات کی روشنی میں)

الفت نسیم

بلوچی اکیڈمی

عدالت روڈ، کوئٹہ

www.balochiacademy.org

(c) All rights are reserved.

جملہ حقوق بحق بلوچی اکیڈمی محفوظ ہیں

بلوچستان کے قدیم آبادکار

(موضعات کی روشنی میں)

(تحقیق)

الفت نسیم

2021

ISBN# 978-969-680-136-8

قیمت:250

بلوچی اکیڈمی نے یہ کتاب میراث پرنٹنگ پریس کراچی سے چھپوا کر شائع کی۔

فہرست

عرض ہے xii

آمری 1

آندر 2

آواران 3

اِسکلکُو 7

اَگور 9

باباکوٹ 12

باجوڑی 13

باجیلو 14

باران 15

بالا 16

باہُو 18

بٹُو 20

بُدھ 20

بِردی 24

بل 26

بلَور 28

بُلیدہٗ 29

بندر لنگہ 31

بُنڈی 32

بنگو، بنگا 32

بُوری 33

بولان 35

بھَرَت 37

بُھرگڑ 39

بہمن / بہمنی دمب 41

بَہمن کہَن 44

بیدی 45

بیسیمہ 46

بیلا 47

پاہی / پاہو 53

پٹن 54

پروم 55

پَروار 56

پڑنگ آباد 56

پِشین 57

پنجگُور 59

تُرک ءِ کلات / ترک ءِ 64

تلار 66

جالیبار / جھالوار 67

جتّ 69

جَیونی 71

چامپ 73

چِبّ 73

چھانگا 75

چھتر 76

چھڈّ 77

چُکّو 78

چلتن 80

حاران 82

حُر 84

حلوائی 85

داردان 88

درواز 90

دُرون 91

ڈِریج / ڈِریجہ 92

دوراہی 93

دوگن / دوگناں 94
دولئی 95
دیبہ 96
دیول 97
دیہوار 99
ڈاہر تنک 102
ڈل چنّال 103
ڈنڈار 104
ڈنڈور 105
ڈھڈے 106
ڈھنڈا 106
ڈھونڈۂ کلات 107
ڈینگر 111
رئیس 115
رئیس توک 131
زندان،زندگر 139
زئی 140
زیدی 141
سامان 144
سامی 145
سبیر 147

سُرخ / سُہر 148
سریکوراں 150
سلاچ 151
سِمان 152
سِنگھار 153
سوپک 154
سَوڑکئور 156
سُوراب 157
سوران / شوران 158
سوروان 159
سوئی 159
سَیداں دشت 161
سیوی / سبیّ 161
شاری بُھٹ 167
شاشان 169
شال 171
شونش ءِ ڈن 173
کاشاپ 175
کاشی 176
کاہان 178
کُپّ کوہ 179

کپّرَ 180

کچھّی 181

کِردِ گاپ 184

کرمان ذر 185

کسانو 185

کَسر 186

کِشان 187

کلمانی 190

کلمت 191

کلو 193

کمبل 193

کَمر 194

کُنٹ دار 195

کَنجڑ 196

کندھار 197

کوّاس 198

کَوتر 198

کوچہ، کوچٹو 199

کوَرک 200

کوری 201

کوشک 202

کول 203

کولواہ 206

کوہ سُلیمان 208

کوہ کلات 209

کوہلو 209

کھاری 210

کَٹھان 211

کُٹھانو 212

کُھڈان 214

کیچ 215

گاج 225

گجّر 226

گُرک آنی سیچی 229

گُرگٹ 230

گنجہ ڈور / گنجہ ڈوری 231

گوادر 232

گور 234

گوڑو 237

گوڈ 238

گونڈپاس 239

گوئنک 240

گھوڑواہ 243

لالئیان 251

ٹکّی 252

لُوط 253

مادِگ ءِ کلات 270

مار 271

ماڑی 272

مِرمِر 273

مَرّہ 274

مشکئے 274

مُکُّران 276

مَلک نارو 279

ملّیر 280

ممّانی 282

مَنگلی 283

مور 285

مول کوہ 286

مُولہ 289

مہر 290

مہیر 291

مئولئ / موَلائی 293

میرجتؒ گوادر 295
مین 295
ناگ 300
نَغاڑ 302
نِہنگ 303
نیچارہ 304
وَنگُو 306
ویندر 306
ہاڑا 307
ہورماڑہ 309

عرض ہے

بلوچستان کی سر زمین ایک وسیع و عریض خطہ ہے جس کا شمار دنیا کے قدیم ترین خطوں میں ہوتا ہے۔ اس خطۂ زمین پر دنیا کی قدیم ترین اقوام کی آباد کاری کے نقوش ثبت ہیں۔ یہ نقوش یا آثار وہ سینکڑوں موضعاتی نام ہیں جو اس سر زمین کے میدانوں، وادیوں، گھاٹیوں پر صدیوں سے چسپاں ہیں۔ جن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگوں نے عجیب و غریب قسم کی کہانیاں گھڑی ہوئی ہیں۔ ان مفروضہ کہانیوں نے تو بعض جگہ ان موضعی ناموں کی حقیقت کو دھندلا دیا ہے۔ بعض کو مقامی لہجوں نے مشتبہ بنا دیا ہے اور بعض کو مسخ کر دیا ہے۔ جب کہ یہی نام قدیم اور جدید باسیوں اور ان کے زمانوں کا پتہ دیتے ہیں۔

ایک عرب دانشور الحسن الزیّات کا موضعاتی ناموں سے متعلق ایک عالمگیر قول ہے کہ،

> "مواضع و مقامات و ممالک کے نام در حقیقت تہذیبی اور ثقافتی آثار قدیمہ ہیں۔ کسی بھی مقام کا کوئی نام ہو، خواہ کسی زبان میں ہو یہ اس امر کی مدلل دلیل ہے کہ اس کا نام جس زبان میں ہے اس کا نام رکھنے والے نام رکھنے سے پہلے اس زبان اور ثقافت اور تمدن کے ساتھ اسی مقام پر وجود میں آئے۔"

("تاریخ الادب العربی"، جلد اول، بحوالہ ایک منزل تین راستے، از عبدالحکیم اثر افغانی)۔

یہ موضعاتی نام نہ صرف قوموں اور قبیلوں کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان کی ترکیب اور ساخت اپنے اپنے خطوں اور اپنی تمدنی تاریخ کا بھی کسی حد تک پتہ دیتی ہیں جس سے ان کے اصلی مرزبوم اور تاریخ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔

بلوچستان کی سرزمین پر سینکڑوں ایسے موضعاتی نام ہیں جن کی جڑیں مشرق و مغرب اور شمالی خطوں سے جڑی ہوئی ہیں۔ جو اپنے اپنے زمانوں کے قبائل اور قبیلائی طائفے ہوتے تھے وہ مختلف وجوہات کی بنا پر اپنے اوطان سے ہجرت کر کے آئے تھے اور یہاں آبادکاری کر کے بس گئے۔ زمانے کے حالات و رفتار کے ساتھ ساتھ بعض مقامی قبیلوں میں مدغم ہو کر اپنی قدیم شناخت کھو بیٹھے یا ان میں سے اکثریتی قبیلہ کے ایک طائفے یا شاخ کے طور پر موجود رہے یا اپنے قبیلائی شناخت کے ساتھ موجود رہے۔

اس کتاب میں ہم نے موضعاتی ناموں کی بنیاد پر باہر سے آئے ہوئے قوموں اور قبیلوں کی جستجو کرنے کی کوشش کی ہے جو بلوچستان کے قدیمی آبادکار تھے۔ ان آبادکاروں کی تعداد موضعاتی اسماء کے پیش نظر سینکڑوں میں ہیں لیکن ان کے بارے میں تحریری مواد کی عدم دستیابی کی بنا پر فی الحال ہم چند ہی کا تذکرہ کر سکتے ہیں اور باقیوں پر کام جاری رہے گا۔ اگر زندگی نے وفا کی تو اس سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں گے۔

مزید براں یہ کہ بیسیوں موضعاتی نام ایسے ہیں جو قدیم کرد قبیلوں اور ان کے طائفوں سے منسوب ہیں جو کسی دور میں اس سرزمین پر موجود تھے جن میں کئی موجودہ دور میں ترکی، ایران اور ملحقہ کرد خطوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان قبائل کا شمار ہم نے آبادکاروں میں نہیں کیا اس لیے کہ بلوچستان کی سرزمین ان کا بھی وطن تھا اور نسلی طور پر انہیں بلوچ سے الگ نہیں سمجھا اور مانا جاتا ہے۔ ہمارے

محققین اور مؤرخین نے بھی اپنی تصنیفات میں انہیں ایک بنیاد سے لکھا ہے۔ کچھ نے انہیں نسلاً بلوچ لکھا ہے کچھ نے بلوچ کا بردار قبیلہ لکھا ہے، عربی تصنیفات کے کئی مؤلفوں نے ان کی عادات، لباس اور شکل وشباہت کے پیش نظر انہیں کوچ سے ہونے کا اشارہ دیا ہے جو بلوچ قبیلہ ہے۔ جس کا مرکزی مقام ان کے نام پر کوچ ہی رہا ہے جسے موجودہ وقت میں کیچ کہتے ہیں۔ یہ کوچ قبیلہ آج بھی بلوچستان، ایران، سندھ اور پنجاب میں نامور بلوچ قبیلہ کی حیثیت سے موجود ہے جو بعض علاقوں میں "کوش" بھی تلفظ کیا جاتا ہے۔

کُردی اور بلوچی میں سینکڑوں الفاظ کا اشتراک اور ان کا ایک ہی لہجہ اور معنویت بھی اس کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ دونوں ایک ہی بنیاد سے جنم لے چکے ہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جس کے پیش نظر ہم نے کرد قبائلی ناموں کو آباد کار کے موضوع سے باہر رکھا ہے۔ البتہ دو چار مختصر تحریریں جو پہلے ہی سے ہماری فائلوں میں موجود تھیں وہ اس میں سمودی گئی ہیں۔

الفت نسیم

حب، بلوچستان

۱۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء

آمری

بلوچستان میں آمری کے نام سے دو تین مواضع ہیں جن میں سے ایک دالبندین میں اور ایک خاران میں ہے۔ شنید میں ہے کہ علاقہ نال میں بھی ایک گمنام موضع ہے۔ جو کسی زمانے میں آباد اور نامدار تھا۔ ان کے علاوہ سندھ میں اس نام کا ایک گاؤں ہے۔ ایک اور موضع ضلع لس بیلہ کے گاؤں وانگ میں ہے۔ علاقہ قلات میں قدرے فاصلہ پر آمری نام کا پرانا موضع ہے۔

"آمری" ایک عرب قبیلہ ہے جو کئی عرب ممالک میں موجود ہے۔ عدن میں ان کے نام کا ایک ضلع ہے جہاں پر ان کی بڑی آبادی ہے۔ جو سینکڑوں گھروں یا خاندانوں پر مشتمل ہے۔ 1946ء میں مذکورہ ضلع میں ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔

دائرۃ المعارف اسلامیہ کے مطابق ان کا نسلی تعلق جعدہ عربوں سے ہے اور قبیلائی تعلق بلاد بنو عامر سے ہے جس کی نسبت سے یہ عامری کہلاتے ہیں۔

عرب قبیلائی طائفوں کی بلوچستان اور سندھ میں آباد کاری کی ابتدا تقریباً 620ء سے شروع ہو گئی تھی۔ جب سینکڑوں عرب طائفے اور تجارتی قافلے بغرض تجارت ہندوستان کو جاتے آتے تھے اور بغرض جہاد تقریباً نیم صدی سے زیادہ عرصہ تک عرب جہادیوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ظاہر ہے کہ انہی ادوار میں عرب قبیلائی گروہ مختلف جگہوں پر بس گئے ہوں گے اور انجام کار مقامی قبیلوں میں مدغم ہوتے ہوں گے اور بعض واپس یا کسی دوسری سمت کو ہجرت کر گئے ہوں گے۔

آندر

آندر نام کے کئی مواضع بلوچستان میں پھیلے ہوئے ہیں اس نام کو آندر اور اندر دونوں لہجوں میں بولا جاتا ہے۔ جن میں "اندر پور" موسی خیل، آندر اور اندراج ضلع لس بیلہ، پیر آندر آواران، پیراندر پنجگور، آندر، زہری ضلع خضدار، آندر گوٹھ، ضلع خضدار اور آندر محمد تاوہ ضلع قلات قابل ذکر ہیں۔

آندر ایک ہندی الاصل قبیلہ ہے جس کے طائفے صدیوں قبل کابل و غزنی کی سمت چلے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ اسی زمانے میں ان میں سے کئی گروہ بلوچستان چلے آئے ہوں اور یہاں اپنے مواضع بسا کر رہ گئے ہوں گے۔

معروف یوروپی محقق ڈینزل ابسٹن اپنی تصنیف "دی کاسٹس آف پنجاب" میں لکھتے ہیں کہ آندر، غزنی کے وسیع خطے "شالغر" میں سکونت رکھتے ہیں اور وہاں وہ موسی خیل کاکڑوں سے وابستہ ہیں۔ دونوں ایک ہی ماں سے ہیں۔ اس ضلع کے بلوچوں میں ان کے تین سو اکیاون آندر فرد شامل ہیں۔ جنہوں نے آبادی شماری میں اپنی ذات "آندر بلوچ" لکھوائی ہے۔

اس قوم کی ایک قدیم آبادی ایران اور ترکی کے بیچ "اندر آب" نامی موضع رہا ہے اور کشمیر میں اس قبیلہ کا ایک قدیم قلعہ "اندر کوٹ" ہوا کرتا تھا۔ جو آج کل اشم کے نام سے معروف ہے۔ ہندوؤں کی قدیم "پرانوں" میں بھی اس قبیلہ کا ذکر ہے جس سے اس قبیلہ کی قدامت کا ثبوت ملتا ہے۔

ہندوستان کے صوبہ مگدھ میں 230ءق م اور 240ءق م کے ادوار میں آندر قوم کی ایک ریاست اور اس پر داس قوم کی حکمرانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کا پہلا بادشاہ "سپرک" نامی ہوا کرتا تھا جو کافی طاقت کا مالک تھا۔

بلوچستان کے مذکورہ خطوں میں اس کے لوگوں کی آبادکاری کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ بعض علاقوں میں آندروں کا اپنے آپ کو آندر بلوچ لکھوانا ثابت کرتا ہے کہ ان کے بعض گروہ کافی زمانوں سے بلوچ قوم میں مدغم ہوچکے ہوں گے۔ موجودہ وقت میں بلوچوں کے بزدار قبیلہ میں آندر کا ٹکّر موجود ہے۔

آواران

آواران، بلوچستان کا معروف ضلع اور اس کے صدر مقام کا نام ہے جو کسی وقت قدیم ملک "مکران" کا سرحدی گاؤں ہوتا تھا۔ جسے بعد کے کسی دور میں ضلع خضدار میں شامل کیا گیا تھا۔ اب چند سالوں سے اسے ایک ضلع بنایا گیا ہے۔ آواران نام "وار" کی جمع صورت ہے۔ جس سے معنی "آوار لوگ" نکلتا ہے۔ اسے "ہواران" بھی تلفظ کیا جاتا ہے۔ اس نام کے دیگر موضع بھی ہیں۔ جن میں آواران، ضلع لس بیلہ، آواران ترکمانستان اور آوارستان، داغستان شامل ہیں۔

"آوار" ایک ترکمن قبیلہ ہے جو اب بھی ترکمانستان اور داغستان میں موجود ہے۔ داغستان میں اس قبیلہ کا صوبہ "آوارستان" کے نام سے ہے جن کی زبان کا نام بھی "آوار" ہے۔ ترکمانستان میں ان کا مرکز ایک صوبہ ہواران کے نام سے مشہور ہے۔ واضح ہو کہ یہ نام "الف" اور "ہ" دونوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ ترکمانستان میں "ہواران" مرو اور دہستان اور امول کے ساتھ واقع ہے۔ اس قبیلے

کی اکثریت منگولیا میں مال چرائی کرتی تھی اور اس کے سرداران وہاں کے حکمران ہوتے تھے جن کی عملداری میں ایک بہت بڑا خطہ ہوتا تھا۔ وہاں کے سفید ہن قبائل صدیوں تک آوار حکمرانوں کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی معیشت کا دارومدار گلہ بانی پر تھا۔ یہ گڈریے، بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑ اور دوسرے مویشی رکھتے تھے۔ آوار حکمران ان لوگوں سے چراگاہوں کے عوض ٹیکس اور مالیہ لیتے تھے۔ ان کے حکمرانوں نے مالیہ اور ٹیکسوں میں غیر معمولی اضافہ کرکے ان کو تنگ کرنا شروع کیا اور ان کی وصولی میں سختی برتنے لگے۔ آخر کار جب ٹیکسوں اور مظالم کا سلسلہ ناقابل برداشت ہو گیا تو ان لوگوں کے لیے ہجرت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔ یہ لوگ اپنے حکمرانوں کے مظالم، سخت گیری اور ٹیکسوں سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اپنے اصلی وطن منگولیا کو خیر باد کہہ کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور بلخ کے علاقے میں وارد ہوئے جو اس زمانے میں باختر کہلاتا تھا۔ ان کی تعداد دس لاکھ خاندانوں پر مشتمل تھی۔ باختر میں کداریوں کی حکومت قائم تھی۔ جسے 360ء میں انہوں نے ختم کر دیا اور اپنی حکومت قائم کرلی اور آوار حکمرانوں سے ہمیشہ کے لیے اپنی جان چھڑا لی۔(۱)

زیر دست عوام پر جبر و ظلم کا نتیجہ آوار حکمران خاندانوں میں خانہ جنگی کی صورت میں نکلا۔ جس نے ان کے خاندانوں کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور آپسی کشت وخوں ریزی نے انہیں اپنے وطن سے بے وطن کر کے چاروں سمتوں میں منتشر کر دیا اور ان کے گروہ کے گروہ اپنے ریوڑ لے کر کوہستانوں کو سدھارے۔ اس کے بعد آج تک ان کی کوئی مرکزیت قائم نہ ہو سکی۔

آواراں کی ایک بڑی اکثریت روسی آذربائیجان کے شمالی علاقوں میں آباد ہے جہاں پر وہ آواری ترکی کہلاتے ہیں۔ وہاں ان کی آبادی 1955ء کے دوران دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔(۲)

بارہویں صدی عیسوی میں آواراں کی ایک ریاست قائم تھی جس کا مرکز یا دارالحکومت "تنوش" نامی شہر ہوتا تھا۔ جسے ملک داغستان کے عرب تمدن کا نمائندہ شہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کی قدیم آبادی عیسائیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جو عثمانی ترکوں کے زمانہ اقتدار (1558-1606ء) میں مسلمان ہو گئے تھے۔(۳)

آوار حکمرانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ "خونزاق" کے عرب حکمرانوں کی نسل سے ہیں جب کہ آوار عوام اپنے ترک نسل سے ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ داغستان میں تعداد کے لحاظ سے یہ قوم سب سے بڑی قوم ہے۔(۴) اس قوم کے متعدد گھرانے پنجاب کے گجروں میں موجود ہیں جو "آوار" طائفے کی شکل میں گجروں کا حصّہ ہیں۔

بلوچستان میں آواروں کا ورود یقیناً اس دور میں ہوا ہو گا جب ان کے منتشر گروہ اپنے وطن سے حکمرانوں کے ظلم کے نتیجے میں مختلف ملکوں کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یا پھر گجروں کے ساتھ بلوچستان میں آئے ہوں گے اور ایک الگ طائفے کی حیثیت سے اپنی بستی بسائی ہو گی۔

حواشی

۱۔ "دی پٹھان" از اولف کیرو۔

۲۔ "دائرۃ المعارف اسلامیہ"، صفحات ۹-۱۱

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

اِسکلکو

یہ نام ضلع قلات کی ایک قدیم بستی کا ہے۔ جس کے معنی ہیں اسکل کوچہ یا دیہہ اِسکل۔ اِسکل ایک قدیم سیستانی قبیلہ ہے۔ جس کا مرکزی شہر اس کے نام پر "اِسکل" کہلاتا ہے۔ جس میں میرانِ عرب کے بھی کئی گھرانے سکونت رکھتے ہیں۔(۱) مذکورہ دونوں خانان نسلاً عرب ہوتے تھے۔ جو صدیوں قبل عرب ممالک سے وارد ہوئے تھے۔ اِسکل قبیلہ کا نام ہوتا تھا۔ جب کہ اس کے سرکردہ اشخاص کا خاندان "میرانِ سیستان" کہلاتے تھے۔ جو حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ خاش کا ضلع خصوصی طور پر میران سیستان کی حاکمیت تلے ہوتا تھا۔ عوام انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان سے نفرت کرتے تھے۔ اس نفرت کی وجہ ایک علاقائی روایت تھی جو صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ جس کا ذکر انگریز مصنّف جی-پی-ٹیٹ نے اپنی تصنیف "سیستان" میں یوں کیا ہے:

"یہ (خاش) حالیہ دور تک ایک ایسے خاندان کے قبضے میں تھا جو اپنے آپ کو قرون اولی سے ماخوذ بتاتا تھا۔ جس خنجر سے شمر لعین نے امام حسینؓ کو کربلا میں شہید کیا وہ اسی خاندان میں وراثتاً منتقل ہورہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قدح کے ارابیب، چکانسور کے میر عرب خاندان اور میرانِ سیستان (اِسکل خاندان) کے اسی (۸۰) آدمی جنگِ کربلا میں آلِ علی کے خلاف لڑے۔ پہلے دونوں خاندان معدوم ہو چکے ہیں اور تیسرا لعنت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ان کا کوئی مردہ، مسلمان قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ زمین بھی ان کے انجر پنجر قبول نہیں

کرتی۔ لہٰذا وہ اپنے مردے کہیں اور دفناتے ہیں ان کی مستورات جسمانی عوارض میں مبتلا رہتی ہیں۔"(۲)

سیستان کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ امرائے اِسکل جب بھی حکومتی عمل دخل سے جدا کر دیئے گئے تو یہ نئے حاکموں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے اور لوگوں کو بغاوت کرنے پر اکساتے تھے۔ جب شورش بڑھ جاتی تو یہ قلعہ تابزوں میں چلے جاتے اور قلعہ بند ہوتے تھے۔ یہ قلہ میرانِ سیستان کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔

82-1581ء میں حاکم سیستان ملک محمود کے خلاف بغاوت کرادی گئی۔ اس بغاوت میں اسکل خاندان کے امیر پوری طرح عیاں ہوگئے۔ ملک محمود نے انہیں کچلنے کے لیے شاہ حسین کی سرکردگی میں ایک فوج ان کے خلاف روانہ کی۔ 6 مارچ 1582ء کی صبح قلعہ جارونک کے سامنے زبردست لڑائی ہوئی جس میں باغی ہار گئے اور میر جنگلوں اور جزیروں کو بھاگ گئے۔(۳)

اسی شکست کے نتیجے میں میران سیستان کے کئی اِسکل گروہ مختلف سمتوں میں ہجرت کر گئے۔ خیال یہی ہے کہ انہی میں سے ایک گروہ نے بلوچستان میں آکر پناہ لی اور قلات کے قریب اپنی بستی بسائی ہوگی۔ موجودہ وقت میں بلوچستان کے قبائل میں مذکورہ قبیلہ کا کوئی گھرانہ موجود نہیں جو یقیناً مقامی قبائل میں مدغم ہوئے ہوں گے۔

اگور

بلوچستان کے ضلع لس بیلہ کی ہنگول ندی کے ایک حصے کا نام اگور ہے۔ جس مقام سے ندی پر اگور کا نام چسپاں ہونا شروع ہوتا ہے۔ وہاں کسی زمانے میں ایک خانہ بدوش قبیلہ آباد ہوتا تھا جو ایغور کہلاتا تھا۔ یہ ایک تُرک خانہ بدوش قبیلہ ایغور کا کوئی بچھڑا ہوا گروہ تھا جو چینی ترکستان کے سنکیانگ سے مال چرائی کرتا ہوا لس بیلہ کے ساحلی علاقے تک پہنچا تھا اور یہی رہ بس گیا تھا۔ جس صدی میں مصنفین نے ترک قبائل کی سندھ سرزمین پر آمد کا ذکر کیا ہے اس زمانے میں لس بیلہ سندھ کا حصہ ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ انہی ترک گروہوں میں سے ایغور نے جو بلوچستان میں اگور ہی تلفظ کیا جاتا ہے، لس بیلہ کے اس حصے میں اپنی بستی بسائی ہو۔

برصغیر میں مصنفین نے چھٹی صدی کے بعد ایغور ترکوں کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں مشہور مصنّف گینکوفسکی نے اپنی تصنیف "پاکستان کی قومیتیں" (اردو ترجمہ) میں لکھا ہے کہ چینی سیاح ہیوآن تسانگ، جس نے 45-629ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا، برصغیر کی شمال مغربی سرحد پر ترکوں کی آمد کا ذکر کیا ہے جو پانچویں صدی عیسویں کے بعد آتے گئے اور کئی ملکوں پر اپنا اقتدار قائم کرتے گئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعد میں جنوبی ترکستان اور شمالی افغانستان سے ترک مسلسل وادی سندھ میں بھی داخل ہوئے تھے ان ترکوں کا تعلق ترکمانستان کی گوئک ریاست سے تھا۔ لیکن وہ اس ریاست کے سخت ترین مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔ یہ ایک دوسرے قبیلہ کارک کے ساتھ ملک کر بغاوت کیا کرتے تھے۔ تا آنکہ 754ء میں اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی دوران کئی گروہ ترکمانستان سے نکل کر منتشر ہوئے اور مختلف ملکوں اور علاقوں میں اپنی بستیاں بسانے لگے۔

لس بیلہ میں جس ویران ڈھیری نما جگہ کو علاقائی لوگ اگور کا سائٹ بتاتے ہیں انہیں لوگوں کے مطابق اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر نو بستیاں بسائی گئی تھیں جنہیں بیسیوں مرتبہ ہنگول ندی کا سیلابی پانی بہا لے گیا ہے اور ان تاریخی بستیوں کو ہمیشہ کے لیے بے نشان کر گیا ہے اب یہاں کسی قدیم معدوم قبیلے کے خاص مقام کی نشاندہی نہیں ہو سکتی اور ان کے نام کہیں کسی ندی پر چسپاں ہیں کہیں کسی پہاڑ پر اور کہیں کسی نالے پر۔

حواشی

ا۔ سیستان کی ابتدائی تاریخ سے وہاں چند عرب قبیلائی گروہ آباد تھے جو صدیوں تک سیستان کی سیاسی تاریخ میں بھرپور عمل دخل رکھتے رہے ہیں۔ چکنسور ان کے سرداروں کا مرکز ہوتا تھا۔ سارے کے سارے امراء خاندان ہوتے تھے جو کہ میرانِ عرب کہلاتے تھے۔ امیر ابوالعباس، بدر الدولہ ، شمس الملوک، عباس، امیر شاہنشاہ وغیرہ ان کے بڑے بڑے امراءاور صاحب اقتدار ہوتے تھے۔

۲۔ کتاب "سیستان" از جی پی ٹیٹ، اردو ترجمہ از پروفیسر انور رومان، صفحات 312-313۔

۳۔ ایضاً، ص115،116

باباکوٹ

بلوچستان کے ضلع نصیر آباد میں ایک قدیم مقام "باباکوٹ" کے نام سے موجود ہے یعنی "قلعہ ٔ بابا"۔ اسی طرح "بابا" کے نام سے مستونگ میں کوئٹہ جاتے ہوئے برلبِ سڑک "دشت بابا" ہے۔

بلوچستان سے باہر سیستان میں بھی ایک گاؤں "بابان" کے نام سے وجود رکھتا ہے جو "بابا" نام کی جمع صورت ہے۔

مذکورہ نام کا ذکر کتابوں میں ایک کشمیری قبیلہ کے طور پر آتا ہے۔ کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" میں اس کے مصنف محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ "بابا" ایک گجر قبیلہ ہے اور خصوصی طور پر وہ گجر جو ضلع جہلم سے کشمیر آئے ہیں بابا کہلاتے ہیں۔(۱)

مذکورہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا گجروں نے نصیر آباد اور مستونگ میں کسی زمانے میں اپنی بستیاں بسائی تھیں اور بعض علاقوں میں وقت کے ساتھ ساتھ وہ مقامی قبیلوں میں مدغم ہو کر اپنی قبیلائی شناخت کھو بیٹھے۔ موجودہ وقت میں گجر طائفے اور ان کے کئی گھرانے نصیر آباد، کچھی ولس بیلہ اور اندرون بلوچستان میں موجود ہیں اور بلوچ اب ان کی شناخت بن چکی ہے۔ تاہم بابا گجر گھرانے ظاہری طور پر دیکھنے میں نہیں آتے۔

باجوڑی

خضدار کے قریب باجوڑی ایک قدیم کوہستانی گاؤں ہے۔ یہ دو طرف سے پہاڑیوں کی فصیل کے سامنے ایک سرسبز وآباد گاؤں ہے۔ بنیادی نام "باجوری" ہے جسے مقامی لہجے نے باجوڑی میں بدل دیا ہے۔ عربی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مصری عرب قبیلہ رہا ہے جو یقیناً اسلام کے ابتدائی زمانے میں یہاں بس گیا ہے۔ باجوڑی کے قریب آر سی ڈی سڑک کے عین کنارے پر "رباط" کے نام سے ایک ڈھیری کے آثار ہیں۔ رباط، عربی لفظ ہے جس کے معنی "چوکی" کے ہیں۔ بعض جگہ اسے "مسافروں اور کاروانوں کے لیے عارضی آرام گاہ" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بلوچستان میں قدیم عربی مواضع یا عربی قلعوں کے آس پاس "رباط" قائم کیے گئے تھے۔ جن کے نام ابھی تک ماضی کے رباطوں کے مقام پر چسپاں ہیں۔ جہاں پر ان کے خرابے نظر آتے ہیں۔

باجوڑی کے قریب مذکورہ رباط اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مصری قبیلہ کا طائفہ اس مقام پر بس گیا تھا۔ جو یا تو کچھ عرصہ بعد کسی دوسرے علاقے میں چلا گیا یا پھر وقت کے ساتھ مقامی قبائل میں ضم ہو گیا۔

اس قبیلے کی ایک معروف شخصیت 1846ء میں مصر کی الازہر یونیورسٹی کا شیخ (چانسلر) تھا جس کا نام ابراہیم بن محمد شافعی باجوری تھا۔ یہ ایک مشہور ادیب، فلاسفر، مؤرخ اور محقق تھا۔ جس کی تصنیفات آج بھی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کا انتقال 1860ء میں ہوا۔

باجیلو

یہ نام ایک قدیم موضع کے کھنڈرات کا نام ہے جو کیچی دشت میں واقع ہے۔ اسے باجیلہ بھی تلفظ کیا جاتا ہے۔ بنیادی اور صحیح نام بجَیلہ ہے۔ یہ ایک قدیم عرب قبیلہ رہا ہے۔ جو مشہور عرب قوم "سبا" کی ایک شاخ کا نام ہے۔

تاریخ کی رو سے قوم سبا کی ایک بڑی شاخ انمار کا ایک ذیلی طائفہ ہے جو جنوبی عرب میں بود و باش رکھتا تھا۔ سبا ایک بہت بڑی قوم کا نام رہا ہے جس کے بیسیوں قبیلے رہے ہیں۔ امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سبا، عرب میں ایک شخص کا نام تھا جس کی نسل سے عرب میں درج ذیل قبیلے پیدا ہوئے:

> "کندہ، حمیر، ازد، اشعریین، مذحج، انمار (جس کی دو شاخیں بجیلہ اور خثعم تھیں)، عاملہ، جذام، لخم اور غسان۔"

"سبا" قوم کے عروج کا زمانہ گیارہ سو برس قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ بلوچستان کے اس حصہ میں اس طائفے کی آباد کاری یقیناً پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے دوران ہوئی ہوگی جب بیسیوں عرب طائفے کاروانوں کی صورت میں بغرض تجارت ہندوستان تک آتے جاتے رہتے تھے اور بعد میں تبلیغی جماعتوں کی شکل میں اور جنگی لشکروں کی صورت میں سندھ و ہند کی طرف جاتے ہوئے بلوچستان کے مکران کے راستے آتے تھے۔

باران

"باران" نامی موضع بلوچستان کے ضلع کچھی میں واقع ہے۔ ضلع خضدار کے علاقے اور ناچ کے پہاڑی سلسلے میں قدیم موضع تھا جس کا نام اب تک چڑھائی پر چسپاں ہے۔ جولک باراں کہلاتا ہے۔

کتابوں میں "باران" ایک ہندوستانی جاٹ قبیلہ کا نام بتایا گیا ہے۔ جس کے طائفوں نے کسی زمانے میں مذکورہ بالا موضع بسائے تھے۔

موجود وقت میں یہ جاٹ قبیلہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں منتشر حالت میں پھیلا ہوا ہے۔ تاہم ان کی اجتماعی قلیل آبادی رنتھمبور میں بود و باش رکھتی ہے اور چند گھرانے سندھ میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ملتان اور ڈیرہ غازی خان کے سرائیکی اسپیکنگ علاقوں میں باران قبیلہ کے گھرانے ملتے ہیں لیکن نہایت قلیل تعداد میں۔ کچھی کے باران اپنے کو سندھ سے آنے والے بتاتے ہیں اور اپنی اصلیت جاٹ بتاتے ہیں۔

چند ایک بلوچی روایتوں میں قبیلہ کا جد امجد ایک بلوچ سردار میر باراں ہوت کو بتایا جاتا ہے۔ جس نے سسی پنوں رومان کے نتیجے میں ایک لشکر کے ساتھ بیلہ چلا گیا تھا۔ جہاں سے اسے بھمبھور جانا تھا۔ لیکن بیلہ کی ایک بزرگ ہستی پیر کناڑا کے منع کرنے پر اپنی روانگی منسوخ کر دی۔

قبیلہ باراں کو اسی باراں ہوت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جس کے گھرانے سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں تک پھیل گئے تھے۔ واللہ اعلم، تفصیلی تذکرہ اس قبیلے کے بارے میں کہیں بھی نظر سے نہیں گزرا۔

بلوچستان کے ضلع کچھی اور نصیر آباد میں جاٹ طائفوں کی آمد اور آبادی اٹھارویں صدی کے دوران وقوع پذیر رہی ہے۔ جنہیں بغرض کاشتکاری سندھ و پنجاب سے در آمد کیا گیا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ باراں قبیلہ کی آبادکاری بھی اسی دور میں رہی ہے یا ان جاٹوں سے پہلے وہ آباد تھے۔ وہ خود اپنے ماضی کے بارے میں لاعلم ہیں۔

بالا

بلوچستان میں کئی مواضع "بالا" نام سے موجود ہیں۔ اور اس نام کے مواضع کافی قدیم سمجھے جاتے ہیں۔ جن کی تاریخ کے بارے میں مواضع کے موجودہ باسیوں کو معلوم نہیں ہے۔ ضلع لس بیلہ کے سونمیانی میں قدیم جگہ "بالا کوٹ" نامی ہے جسے مقامی لوگ "بیلا" شہر کا ہم عصر بتاتے ہیں بیلہ کے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کوٹ (قلعہ) جس کا اب وجود نہیں "بیلا" شہر سے بھی قدیم تر ہے۔ اسی طرح خضدار ضلع کے گاؤں ساسول میں بھی ایک پہاڑی گھاٹی "بالا گھٹ" کے نام سے ہے۔ اس گھاٹی کے ایک کنارے پر ایک قدیم ڈھیری ہے جو یقیناً "بالا" والوں کی ہی رہی ہوگی جب ڈھیری کی جگہ آبادی سے خالی ہوگئی تو ساتھ والی گھاٹی اس نام سے مشہور ہوگئی۔

ضلع خضدار ہی کے علاقہ وڈھ کے دراکالہ پہاڑی سلسلے کی ایک جگہ "بالا ریز خانہ" کے نام سے ہے جو پہاڑی کے پہلو میں ہے۔ مذکورہ نام دراصل غلط العام ہوکر "بالا ریز خانہ" بن گیا ہے جو کہ دراصل "بالا زیر خانہ" ہے کسی وقت یہ ایک زیر خانہ ہوا کرتا تھا جس میں ضرورت سے زیادہ اناج محفوظ کیا جاتا ہوگا یا سردی سے بچاؤ کے لیے رہائشیوں اور ان کے مویشیوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہوگا۔ کیوں کہ

بلوچستان میں اکثر سرد علاقوں میں ایسے زیر خانے بنائے جاتے رہے ہیں بلکہ اب بھی کئی سرد مقامات پر ایسے زیر خانے بنائے جاتے ہیں۔

ایک اور مقام کوہستان مری (بلوچستان) (۲) میں "بالا ڈھاکہ" ہے جسے بہت ہی قدیم سمجھا جاتا ہے۔ ڈھاک یا ڈھاکہ ایسی سخت زمین یا میدان کو کہا جاتا ہے جس میں سبزہ اگ نہیں سکتا ہے۔ یعنی یہ میدان "بالا" قبیلہ سے منسوب رہا ہے۔

مکران کے ضلع کیچ میں ایک قدیم موضع "بالا سر" نامی ہے اور خاران میں ایک موضع "بالا سران" بھی موجود ہے۔ اسی طرح مغربی یعنی ایرانی بلوچستان میں "بالا کلات" (بالا قلعہ) اور "بالا بند" نامی جگہیں ہیں جو اسی قبیلہ کی قدیم آبادکاری کی نشانیاں اور ثبوت ہیں۔ موجودہ وقت میں ان مقامات میں قبیلہ بالا کے گھرانے موجود نہیں ہیں اور ان مقامات میں بلوچ قبائل آج بھی بودوباش رکھتے ہیں۔

پاکستان کے وزیرستان میں ایک بڑا قدیم قلعہ "بالا حصار" کے نام سے موجود ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اب وہاں بالا قبیلہ رہتا ہے یا نہیں۔

"بالا" ایک قدیم گجر قبیلہ رہا ہے اور بڑا اپھیلا ہوا قبیلہ رہا ہے جو پاکستان اور ملحقہ ممالک میں بستیاں بساتا رہا ہے اور قلعہ تعمیر کرتا رہا ہے۔ گوجر مصنفین بالا گجروں کو سکندر اعظم کی نسل کے ایک حکمران بالبئیس گرجی کی اولاد سے لکھتے ہیں اور اس قبیلہ کو جنگجو اور حکمران قبیلہ تحریر کرتے ہیں۔ وہ 319ء اور اس کے بعد کے چند سالوں تک مختلف خطوں پر بالا گجروں کی بالادستی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس قبیلہ کا مرکزی شہر یا قبیلہ کا دارالحکومت بلبی پور بتاتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ کئی گجر طائفوں نے ہندو مذہب قبول کر لیا تھا لیکن بالا گجر واحد قبیلہ تھا کہ اس کے کسی گھرانے نے ہندومت اختیار نہیں کیا اور مسلمان ہی رہے تھے۔ یہ قبیلہ پاکستان اور ہندوستان و کشمیر ہندوکش کے علاقوں میں اب بھی موجود ہے۔ بلوچستان میں اس کا کوئی وجود باقی نہیں۔

باہو

"باہو" مغربی بلوچستان میں ایک بڑا بلوچ گاؤں ہے جسے مقامی لوگ چھ سو سال قدیم گاؤں بتاتے ہیں۔ لیکن اس کی تاریخ کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے۔ نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی قبیلہ تھا جس نے کسی دور میں موجودہ مقام پر اپنے نام کا گاؤں بسایا تھا اور یہیں پر پھل پھول گیا تھا۔ پھر زمانے کے حوادث نے اسے وجود سے بے وجود کر دیا۔ پھر یہ لوگ کہاں گئے؟ کوئی نہیں جانتا۔ یا پھر قدرتی عمل کے نتیجے میں مقامی لوگوں میں بندھ کر ان میں مدغم ہو گئے اور صرف اپنا نام چھوڑ گئے۔

تاریخی کتب بتاتی ہیں کہ یہ ایک کشمیری قبیلہ تھا اور اب بھی ہے۔ اس قبیلہ کی بڑی تاریخ ہے۔ جس نے سینکڑوں سال قبل ریاست باہو کی تشکیل کی تھی۔ جس کا راجہ "باہو لوچن" نامی تھا۔ اس راجہ کے ایک بھائی جامبولوچن نامی کو ریاست جموں کا بانی کہا جاتا ہے۔ باہو لوچن نے اپنی قوم کی مرکزیت قائم کرنے کے لیے دریائے توی کے کنارے "قلعہ باہو" تعمیر کرایا تھا۔ جو جموں کے تاریخی مقامات میں اہم ترین سمجھا جاتا ہے۔

کشمیری روایتوں کی رو سے باہو قبیلہ اور باہو ریاست کی تشکیل تین ہزار برس قبل ہوئی تھی۔ باہو، ایک ہندو قبیلہ ہوتا تھا۔ جمّوں کے قلعہ باہو کے اندر کالی دیوی کا مندر بنا ہوا ہے جہاں پر منگل اور اتوار کے روز ہندو یاتریوں کی بڑی تعداد درشن کے لیے آتی ہے۔

ایک اور تصنیف "وادی کیلاش" میں اس قبیلہ کے بارے میں تحریر ہے کہ زمانۂ قدیم میں جموں کے راجہ کو کشمیر کا حکمران بننے کی دعوت دی گئی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے جموں کے راجہ نے اپنے ایک بیٹے کو فوج دے کر کشمیر بھیجا جس نے مقامی رانا اور ٹھاکروں کو شکست دے کر کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ اس کی اولاد میں ایک کا نام "باہو دیو" تھا جس کے نام کی مناسبت سے "باہو وال" خاندان کا نام شروع ہوا۔ دو نسلوں کے بعد باہو خاندان کو کشمیر سے نکال دیا گیا۔ کشمیر سے واپس بیرونی پہاڑی علاقہ میں آکر یہ لوگ جموں کی حدود میں ایک جگہ سہارنپور آکر آباد ہوگئے اور ان کے کئی گوت بچھڑ کر مشرق و مغرب میں منتشر ہوگئے۔ اس سے ان کی قدیم قوت و مرکزیت باقی نہ رہی۔

اسلامی دور میں اس قبیلہ کی کافی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی اور اس میں بڑے بڑے عالم دین اور بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں جن میں سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ اور فیض سلطان ابن حضرت سلطان نور محمد اور دیگر باہو شخصیات شامل ہیں۔

مغربی بلوچستان کے محولر بالا جگہ پر اس قبیلائی طائفے نے کس دور میں اپنی بستی بسائی تھی کوئی نہیں جانتا۔ نہ کسی تصنیف میں اس بارے میں کوئی ذکر ملتا ہے۔

بٹّو

بلوچستان میں بٹّو نام کے دو مواضع موجود ہیں۔ ایک موضع علاقہ نوشکی میں واقع ہے جب کہ دوسرا موضع آواران کے جھاؤ میں ہے۔ دونوں علاقوں کے لوگوں کو مذکورہ مواضع کی قدامت اور تاریخ کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔

کشمیر کی بعض تواریخ میں بٹّو نام کے قبیلے کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں تفصیلی تحریریں نایاب ہیں۔ یہ قبیلہ کشمیر اور انڈیا کے چند دور دراز علاقوں میں بود و باش رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی اجتماعی آبادی یا مرکزیت کہیں معلوم نہیں ہوتی۔ تواریخ کشمیر میں اس کے مؤلف محمد الدین فوق اسے انڈیا کے ملماسی پنڈتوں میں لکھتے ہیں لیکن اس کے متعلق کوئی تفصیل نہیں لکھتے۔

بلوچستان میں جس طرح دیگر ہندی اور کشمیر قبیلائی طائفوں کی آمد و آباد کاری کا زمانہ نامعلوم سے اس طرح اس طائفے کی آمد و آباد کاری کے زمانے کے بارے میں بھی کوئی نہیں جانتا۔ موجودہ وقت میں بلوچستان کے قبائل میں اس نام کا کوئی قبیلہ یا طائفہ موجود نہیں ہے۔

بُدھ

"بُدھ" ایک قدیم موضع کا نام ہے جو ضلع لس بیلہ کے گاؤں بیلہ میں واقع ہے اور "بدھ گوٹھ" کہلاتا ہے۔ سندھی زبان کی وجہ سے لاسی لوگ انہیں سندھی یعنی سندھ سے آنے والے کہتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ تاریخی کتب میں بدھ اور مید قبائل کا شمار سندھ کی قدیم ترین اقوام میں ہوتا ہے اس کا ہم عصر

قبیلہ "گور" ہے۔ چھٹی صدی عیسوی سے لے کر گیارہویں صدی عیسوی تک دونوں قبیلے بہت بڑی اکثریت رکھتے تھے اور موجودہ کچھی سے بہ طرف سندھ ایک بڑے خطّے میں بود باش رکھتے تھے کچھی کا پرانا نام بھی "بدھ" رہا ہے اور بدھوں کا تاریخی مرکزی مقام گنداوہ رہا ہے۔ پرانے وقتوں میں یہ علاقہ سندھ کا حصہ ہوتا تھا۔ تاریخی کتابوں میں ان کے ملک کو بُدھا کہتے تھے جسے بعض مصنفین نے غلطی سے یا غلط سن کر "نُدھا" تحریر کیا۔

ایک انگریز مصنف "ہیوگزبلر" نے 1901ء کی مردم شماری رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

> "کچھی کا قدیم نام بموجب ایلیٹ کی ہسٹریا آف انڈیا، ندھا یا بُدھا تھا۔ جس کا پایہ تخت قندابیل یعنی موجودہ گنداوا تھا اور وہ اس میدان پر حاوی تھی اور شاید کچھ مشرقی اور مغربی پہاڑیوں اور قدرے سندھ پر بھی۔ باشندے نُدھا اور مند کہلاتے تھے۔ نُدھیوں کو صحرانشینوں کے مشابہ بتایا گیا ہے جو سرکنڈے اور گھاس کے بنے ہوئے مکانات میں رہتے تھے بعد میں انہیں "جاٹ" بتایا گیا ہے۔(۳)

بدھوں کے بارے میں انگریز کی مرتب کردہ گزیٹئر کا خیال ہے کہ "بدھ" دراصل قدیم بدھ مت مذہب کے باقی ماندہ پیروکار ہیں جو اب ایک قبیلہ کی شکل میں باقی رہ گیا ہے۔ کیوں کہ بقول ان کے ضلع (کچھی اور ملحقہ علاقے) میں "بدھ مت" مذہب کے آثار بھی ملے ہیں۔ وہ سندھ کی عربی تاریخ "چچ نامہ" کے حوالے سے سند دیتے ہیں کہ بدھ مت، ساتویں صدی عیسوی کے سندھ میں غالب مذہب تھا۔

گزیٹئر کے مرتب کنندگان کے مذکورہ موقف سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ گنداوہ اور ملحقہ دیہاتوں میں موجود بدھ قبیلہ کے بزرگوں اور دیگر تعلیم یافتہ لوگوں کے پاس قبیلہ کا کوئی تاریخی ریکارڈ یا شجرۂ نسب وجود نہیں رکھتا اور نہ کہ وہ اپنے قبیلہ کی تاریخ سے آگاہی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض ہمسایے تو یہ کہتے ہیں کہ وہ آج کل خود کو دیگر جاٹ قبیلوں سے بتاتے ہیں اور بدھ نام کو چھپاتے ہیں اس لیے وہ نمایاں بھی نہیں ہیں اور اپنی قدیم تاریخی شناخت کھو رہے ہیں۔

بُدھ یا بُدھا کا نام ابوالقاسم محمد ابن جوقل نے اپنی تصنیف المسالک والممالک (362ء) میں "نُدھا" کے نام سے کیا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس پورے خطے کی تاریخ میں نہ کسی "ندھا" کا ذکر ہے اور نہ کوئی قبیلہ "ندھا" کے نام سے موجود رہا ہے۔ قبائل یا اقوام کبھی بھی مکمل طور بر ختم نہیں ہوتے۔ کہیں نہ کہیں اس کا کوئی طائفہ یا گھرانہ موجود رہتا ہے۔ جب کہ ندھا کا نام پورے خطے میں لوگوں کے لیے اجنبی ہے۔ عرب مصنفین کی کتابیں اکثر کسی تحقیق کا حاصل نہیں ہوتیں بلکہ وہ سنی سنائی باتیں اور کہانیاں اپنی تصانیف میں سمو دیتے ہیں۔

عرب مصنف اصطخری لکھتے ہیں کہ بدھ قوم توران، مکران، ملتان اور منصورہ کے ماتحت علاقوں کے حدود میں پھیلی ہوئی ہے۔ بدھ قوم کی بستیاں سندھ دریا (مہران) کے پچھم میں ہیں۔ یہ لوگ اونٹ پالتے ہیں، فالج نامی (دو کوہان والا تیز رو اونٹ) جو خراسان، فارس اور ان کے ملکوں کو جہاں کوہان والا اونٹ پایا جاتا ہے، انھی علاقوں سے جاتا ہے۔ بدھ قوم کا وہ شہر جہاں لوگ تجارتی سامان لے کر خرید و فروخت کرنے آتے ہیں گندھاوا (قندابیل) کہلاتا ہے۔ بدھ قوم خانہ بدوشوں سے مشابہ ہے اور زیادہ تر جھونپڑیوں اور جنگلوں میں رہتی ہے۔(۴)

عربی تاریخ "نزھتہ المشتاق فی اختراق المآفاق" میں ابو عبداللہ محمد ادریسی لکھتا ہے:

"ملتان کے شمال میں مشرقی طوران سے متصل ایک صحرا ہے اس صحرا سے منصورہ کی حد تک ایک خانہ بدوش قوم آباد ہے، جسے بدھ کہتے ہیں۔ اس قوم کے قبیلے بڑی تعداد میں طوران، مکران، ملتان اور منصورہ کے شہروں کے حدود پر بکھرے ہوئے ہیں۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ گشت کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ (شمالی افریقہ کے) بربر خانہ بدوشوں سے ملتے جلتے ہیں، جھونپڑیوں، جھاڑیوں اور زیر آب نشیبی علاقوں میں رہتے ہیں جو سندھ دریا کے مغرب میں واقع ہیں۔ یہ لوگ خوش پیکر تیز رفتار اونٹ پالتے ہیں جن کی نسل سے فالج نامی اونٹ پیدا ہوتا ہے۔ خراسان اور فارس وغیرہ کے لوگ اس اونٹ سے بلخی اور سمر قندی اونٹ کی نسل لینے کی خاطر اس کے طلبگار رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ فالج اونٹ کی شکل اور ساخت اچھی ہوتی ہے اور ہمارے ملکوں کے بر خلاف اس کے دو کوہان ہوتے ہیں۔" (۵)

معروف عرب مصنف ابن رُستہ نے اپنی تصنیف "الاعلاق النفیسہ" میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں پر اسلام سے کافی پہلے بدھوں نے حکومت کی ہے جہاں کے عوام وخواص نے بدھ مت مذہب کے عقائد، رسوم اور طور طریقے اختیار کر لیے تھے۔ ایک اور مصنف ابن ندیم لکھتے ہیں کہ بدھوں کا مذہب خدا کا قائل ہے نہ رسالت کا۔ ایک انگریز محقق کنھنگم بدھوں کو سیتھی نسل سے بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ سات سو برس پہلے جیھوں پار یعنی وسطی ایشیاء سے آکر سندھ میں بس گئے تھے۔

بِردی

"بِردی"، جسے بعض لوگ بُردی بھی کہتے ہیں ایک قدیم موضع ہے جو ضلع گوادر کے تحصیل جیونی میں واقع ہے۔ مقامی عمر رسیدہ لوگوں کے حوالے سے روایت کیا جاتا ہے کہ مذکورہ ایک عرب قبیلہ رہا ہے جو سینکڑوں برس قبل یہاں آباد تھا۔ جس کے چند گھرانے کرمان کے آس پاس اب بھی آباد ہیں۔

دسویں صدی عیسوی میں ابوالقاسم ابن حوقل نے اپنی تصنیف کتاب المسالک والممالک میں صوبہ فارس کے علاقے میں تین قبائلی گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جو زم کرمانیان، زم درمانیان اور زم برِدی تھے۔ جو کوچ بلوچوں کے پہلو بہ پہلو آباد تھے۔ امکان یہی ہے کہ انہی ادوار میں مذکورہ طائفے نے جیونی میں اپنی بستی بسائی ہوگی اور زمانے کے ساتھ مقامی بلوچوں میں گھل مل کر بلوچ قوم کا حصہ بن گئے ہوں گے۔ موجودہ وقت میں یہ قبیلہ سندھ میں میں سکونت رکھتا ہے اسے بعض مصنفین نے بلیدی کا سندھی لہجہ سمجھ لیا ہے جو غلط ہے۔ "بلیدی" الگ قبیلہ ہے جو بلیدہ سے نقل مکانی کر کے بلوچستان کے نصیر آباد، کچھی وسبی اور سندھ کے ملحقہ علاقوں میں بس گئے جب کہ بردی ایک الگ قبیلہ ہے۔ دونوں قبیلے مذکورہ بالا علاقوں میں موجود ہیں اور بلوچ قوم کے حصے ہیں۔

تاریخی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بردی قبیلہ کی عرب ہونے کی روایت صحیح نہیں ہے یہ ایک ترکمان قبیلہ ہے جو سلجوق ترکمان سے مربوط رہا ہے۔ بردیوں کی ایک تاریخی شخصیت جلال الدین منگو بردی نے 1220ء سے 1231ء تک آذربائیجان کے خطے پر اپنی بالادستی قائم کر دی تھی۔

بردی قبیلہ کا ایک نامور مصنف "تغری بری (وفات 1467ء)" گذرا ہے جس نے تاتاری اور منگولوں کے عرب ممالک و شام پر حملوں کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ تیموریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا۔ لیکن علمی شہرت کی بنا پر اس سے نہایت اچھا سلوک کیا گیا۔ ابن تغری بردی، ابن حجر عسقلانی، السیوطی، السخاوی وغیرہ کا ہم عصر تھا۔ اس نے ایک عالمی شہرت یافتہ کتاب "نجوم" سات جلدوں میں تحریر کیا گیا تھا۔ ابن بُردی کا باپ تغری بردی تھا جو دمشق پر تیموری حملے کے وقت وہاں نائب کے عہدے پر فائز تھا۔

بلوچستان میں انگریزی تسلط کے خلاف جن بلوچ قبائل نے مزاحمت کی تھی ان میں قبیلہ بردی کا بھی اچھا خاصا حصہ تھا۔ دین محمد عرف دینو بردی اور سُولا بردی کا شمار اہم بلوچ سرمچاروں اور کمانڈروں میں ہوتا تھا۔ جن کی شبخونوں نے انگریزی فوج کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ 1830ء سے 1833ء تک دونوں کمانڈر انگریزی فوجی نقل و حمل کے خلاف سخت ترین مزاحمت کرتے رہے اور بالآخر سؤلا بردی گرفتار ہوئے اور پس زندان رہے تا آنکہ 1839ء میں انہیں پھانسی دیدی گئی۔

گیارہویں ہجری میں سیستان میں اس قبیلہ کے نام کا ایک مضبوط قلعہ ہوتا تھا جسے امیر سلطان علی کے فوجدار خدا قلی نے ایک حملے میں تہہ وبالا کر دیا اور بردیوں کو منتشر کر دیا۔ قبیلہ کی ایک نامور شخصیت جاجم بردی مذکورہ قلعے کا قلعہ دار ہوتا تھا۔ جام بردی کا نام "تاریخ معصومی" میں بھی ملتا ہے۔

بِردی عرب ممالک میں بھی موجود ہیں۔ قدیم بلوچستان کی تاریخی روایتوں میں "بلوچی" کے نام سے چند منتشر طائفے اور گھرانے سندھ، پنجاب اور صوبہ سرحد کے علاقوں میں ملتے ہیں۔ یہ متحدہ مکران کے خطے میں واقع ایک قدیم

"ملک بلوچ" کے باشندے ہوتے تھے۔ جو ملک بلوچ کی نسبت سے "بلوچی" کہلاتے تھے۔ ان میں "بردی" قبیلے کا نام بھی آتا ہے۔ قبیلہ "بلوچی" نے بلوچستان میں اپنے نام کے کئی مواضع بسائے تھے جن میں کیچ ضلع کا بلوچی بازار، لس بیلہ ضلع کا "بلوچی گوٹھ" اور کوئٹہ ضلع میں بلوچی اسٹریٹ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس قبیلہ کے افراد دیگر قبائل میں ضم ہوتے گئے یہاں تک کہ اب صوبہ بلوچستان میں "بلوچی" نام کا کوئی گھرانہ نظر نہیں آتا لیکن ایرانی بلوچستان میں یہ قبیلہ اپنے اسی قدیم نام سے اب بھی موجود ہے۔

بَل

بلوچستان میں متعدد مواضع "بل" نام لیے ہوئے ہیں۔ جن میں بل نگوئر کیچ دشت، بل ہورماڑہ، بل ہوشاپ کیچ، بل بدرنگ کولوہ، آوارن، کوہ بل واشک، چاتانی بل گوادر اور بلوار ایرانی بلوچستان وغیرہ شامل ہیں۔

"بَل" کا لفظ بلوچی زبان میں بھی موجود ہے جس کے معنی "جھنڈ کھنڈ (کہیر) کا جنگل" کے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا تمام مواضع جنگلوں کی نشاندہی نہیں کرتے اور نہ کہ وہاں زمانہ قدیم میں جنگلات کے آثار ملے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ یہ ماضی کے گم گشتہ قبائل اور طوائف کی سکونت کی یادگاریں ہیں۔

ماضی بعید میں ہندوستان اور جموں کشمیر کے خطوں میں بل ذات موجود رہی ہے۔ کشمیر سری نگر میں ایک تحصیل "گاندربل" موجود ہے۔ ایک اور گاؤں "اچھ بل" کشمیر کے اسلام آباد (اننت ناگ) کے قریب بھی ہے۔ کشمیر ہی میں بل قبیلہ کے ایک بزرگ کی زیارت ہے۔ جو حضرت بلکھلاتا ہے جہاں پر پیغمبرِ اسلام

ﷺ کا موئے مبارک محفوظ ہے۔ کشمیر ہی کے دیگر مواضع میں اس ذات کے آثار مانس بل، گنگابل، اہرہ بل، ناگ بل، تراگ بل، مار بل، گگری بل اور زیارت حضرت بل قابل ذکر ہیں۔ پنجاب میں گاؤں، بل وال، اس قبیلہ کا بڑا اہم مرکز رہا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ موجودہ وقت میں یہ قبیلہ کہاں کہاں اور کس کس تعداد میں موجود ہے۔

پنجاب کی تاریخ کے مصنفین نے اس ذات کا شمار جاٹ قبائل میں کیا ہے جس کی وسیع پھیلی ہوئی آبادیاں کرنال، انبالہ، لدھیانہ، امرتسر، جالندھر، گورداسپور، سیالکوٹ، لاہور، فیروز پور، پٹیالہ اور دریائے ستلج اور بیاس کے خطوں میں دیکھی گئی ہیں۔ معروف محقق ڈینزل ابسٹن اس ذات کو قبیلہ شیخو کا ایک طائفہ بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس ذات کا جد امجد انڈیا کے مالوہ ریاست سے نکلا ہوا ایک راجپوت شہزادہ تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ قدیم ہندوستان میں بل ذات ایک نہایت نامور اور ہر خطے میں موجود قبیلہ ہوتا تھا۔(٦)

مذکورہ مصنف کے مطابق کسی دور میں راجپوتانہ کے جنوب مشرق میں ایک گجر ریاست ہوا کرتی تھی۔ اس ریاست کو بل قوم نے زیر کیا اور گجروں کو پوری قوت سے پسپا کر کے گجرات کے بمبئ اور آس پاس کے علاقوں میں دھکیل دیا تھا اور راست کے طاقتور حکمران بن گئے تھے۔

بلوچستان میں بل کے مواضع بہت قدیم روایت کئے جاتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں سال قبل اس قبیلہ کے گروہوں نے اپنے مساکن بسائے تھے اور شاید پھر مقامی آبادی میں مدغم ہو گئے۔ بلوچستان سے آگے ان کی آبادکاری کے آثار نہیں ملتے۔

بلَور

"بلور" نامی گاؤں ضلع آواران میں واقع ہے جسے کافی قدیم موضع بتایا جاتا ہے۔ یہ ایک کشمیری قبیلہ کہلایا جاتا ہے جو موجودہ وقت میں کسی طائفے یا گروہ کی صورت میں کہیں بھی موجود نہیں۔ ایک کشمیری مؤرخ لکھتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں گلگت وبلتستان میں ایک نئی سلطنت قائم ہوئی تھی جس کا نام "بلور" تھا۔ اس کے مشرقی حصّے یعنی بلتستان کو "بلور کلاں" اور مغربی حصہ کو "بلور خورد" کہتے تھے۔(۱) وہ لکھتے ہیں کہ چودھویں صدی عیسوی میں مؤرخ مرزا حیدر نے اپنی کتاب "تاریخ رشیدی" میں اس علاقے کا ذکر بلورستان کے نام سے کیا ہے۔ اس کے بعد نہ اس قبیلہ کا ذکر ملتا ہے اور نہ اس کے کسی گھرانے کا۔

انگریز محقق جون بدلف "ہندوکش کے قبائل" میں لکھتا ہے کہ ہمیں بلور کی قدیم سلطنت کا مرکز تلاش کرنے کے لیے سکردو کی طرف دیکھنا پڑے گا۔ گلگت، ہنزہ، ناگر اور مغربی طرف کی تمام وادیوں میں اسکردو کا نام تقریباً کوئی نہیں جانتا اور یہ جگہ پالور کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسکردو کے لوگوں نے یہ نام نظر انداز کیا ہوا ہے۔

مصنف کا خیال ہے کہ نام "پالور" دراصل "بلور" کا غلط العام تلفظ ہے۔ چوں کہ مذکورہ "بلور" مقامات پر آج کل غیر بلور اقوام قابض ہوچکے ہیں اس لیے ان کی زبان پر بلور کی بجائے لفظ پالور بیٹھ گیا ہے۔ یہ سارے مقام پہلے "بلور" قوم کے رہے ہیں۔

مذکورہ بلور قوم کے چند ایک گھرانے گلگت، بلتستان اور صوبہ سرحد میں دیگر قبیلوں کی شاخوں کے طور پر نظر آتے ہیں۔ ان کی کوئی اجتماعی مرکز یا موضع موجود نہیں ہے۔

طبقات ناصری، جلد اول کے صفحہ 686 پر مذکور ہے کہ 1216-1210ء کے دوران ملک فخر الدین مسعود کے زمانہ اقتدار میں بامیان اور طخارستان کے کوہستان میں بلور اور درواز نامی علاقے موجود تھے جہاں پر بلور قوم آباد تھا جنہیں ملک فخر الدین اپنے زیر اقتدار لے آیا یہ مذکورہ علاقے ترکستان میں شمار ہوتے تھے۔

بلوچستان کے قبائل میں موجودہ وقت میں "بلور" نام کا کوئی طائفہ وجود نہیں رکھتا۔ یقیناً تاریخی عمل کے دوران یہ طائفہ مقامی قبائل میں مدغم ہو کر غائب ہو گیا ہو گا۔

بلیدہ

بلیدہ، مکران خطے میں ضلع کیچ کا ایک بڑا اہم گاؤں ہے۔ جس علاقے میں بلیدہ کی وادی آباد ہے وہ علاقہ تاریخ میں زامُران مشہور تھا۔ بلیدہ اب بھی اسی زامُران میں واقع ہے لیکن بلیدہ نام کے سرکاری اور علاقائی اکابرین کے زیادہ تر استعمال نے زامُران نام کو پس منظر میں دھکیل دیا ہے۔

بلیدہ ایک عرب قبیلہ ہوتا تھا جو سعودی عرب کے شہر ریاض کے شمال میں مدینہ منورہ کے علاقہ "القصیم" میں گاؤں قصیبا اور زلفی کے درمیان آباد تھا۔ آج وہ مقام اس قبیلہ کے نام پر بلیدہ ہے۔ جسے عرب "بلیدا" لکھتے ہیں۔ انڈیا کے

ریاست گجرات میں بھی اس قبیلہ کے نام پر گاؤں "بلیدہ" موجود ہے جو اس قبیلے کی وہاں آبادی کا ثبوت ہے۔

تاریخی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی سے عرب ممالک اور ہندوستان کے درمیان خشکی اور سمندری راستوں سے تجارتی آمدورفت ہوتی رہی ہے۔ 648ء کے لگ بھگ عربی قافلے بلوچستان پہنچ چکے تھے اور سندھ پر اپنی عملداری قائم کر چکے تھے۔ اس کے بعد عربوں کی تبلیغی اور جہادی مقاصد کے لیے بھی آمدورفت جاری و ساری رہی تھی۔ بلوچستان تو باب اسلام اور باب ہندوستان تھا اور کفر و اسلام کے درمیان اس کی حیثیت ایک بفر اسٹیٹ کی ہوتی تھی۔ اس لیے مذکورہ آمد و رفت کے دوران کئی عرب قبیلوں کے طائفے اور گھرانے یہیں رہ بس گئے تھے۔ ان کے قبائلی طوائف کے ناموں کے مواضع ان کی آبادکاری کے زندہ ثبوت ہیں۔ ان عرب طوائف میں غزہ، مرّہ، بولان، کندہ، لیث، یزیدی، بریدہ، بکر، ماہری، قارہ، ماری، لوط وغیرہ شامل ہیں۔

ڈبلیو۔کاسکل اپنی کتاب "بدویین" میں اس قبیلہ اور اس کے ہمسایہ قبائل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ بیوپاری اور کاروباری قبیلے ہوتے تھے اور ان کے طائفے تجارتی قافلوں کی شکل میں قاہرہ سے بمبئی آتے جاتے تھے۔ کتاب میں اس نام کی ابتدائی صورت کو "ابن بلیہدہ" لکھا گیا ہے اور ان کے کاروباری طور پر منظر عام پر آنے کا زمانہ 44-1543ء عیسوی (950 ہجری) بتایا گیا ہے۔ ایک مصنف کورینسز نے اس قبیلہ کے جد امجد کو رشید الدریبی بتایا ہے اور اسے ایک تیز طرار کاروباری قبیلہ بتایا ہے جو جنس کے کاروبار میں بے مثال لیاقت رکھتے ہیں۔

بلئیدہ قبیلہ موجودہ وقت میں مغربی بلوچستان میں بلوچ قوم کے ایک معزز قبیلے کی حیثیت میں موجود ہے اور اس گھرانے کافی شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں

اور ان کا شمار بلوچ معززین میں ہوتا ہے۔ ان کے سینئر معتبرین کے مطابق وادی بلئیدہ میں ان کی آمد کو ساڑھے چھ سو سال کے قریب ہوتے ہیں۔ بلیدہ کا ایک ذیلی طائفہ جو موجودہ وقت میں ایک الگ قبیلہ بن چکا ہے، برّا ہے جو پنجگور اور مغربی بلوچستان کے پیشن اور راسک میں موجود ہے۔ ماضی میں یہ کئی خطوں کے حاکم رہے ہیں۔ ان کے معتبرین کے مطابق موجودہ نسل (2006-07ء) بروں کی بائیسویں پیڑی ہے یعنی 550 سے 650 سال کے درمیان۔ اس حساب سے بلوچستان میں برّ طائفہ کی موجودگی پندرہویں صدی کی شروعات کا زمانہ ہے۔

بندر لنگہ

یہ نام ایک چھوٹے ساحلی موضع کا ہے۔ جو مغربی بلوچستان کے ساحل پر واقع ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کی عربی تواریخ اور نقشوں میں یہ نام نظر آتا ہے جو اس ساحلی مقام کی قدامت کا ثبوت ہے۔

لنگہ ایک بہت ہی قدیم ہندو دھرم رکھنے والی ذات گذری ہے جو ہندوستان کے کرناٹک اور اس سے ملحقہ خطوں میں آباد رہی ہے۔ اس ذات کے ایک گھرانے نے ایک عرصے تک کرناٹک اور قرب وجوار پر حکومت کی ہے۔ ہند کی تواریخ میں اس ذات کا مختصر تذکرہ ملتا ہے۔ موجودہ زمانے میں اس قبیلہ کی کوئی مجتمع آبادی یا بستی کا وجود نہیں ہے۔ بلوچستان کے اس ساحل پر اس خاندان کی آبادکاری کے سن وسال جانے نہیں جاتے۔

بُنڈی

بلوچستان کے ضلع کیچ کی تحصیل دشت میں بمقام سنٹ سز نمرود کلات (قلعۂ نمرود) کے ساتھ ایک قدیم موضع رہا ہے۔ جس کا نام اب وہاں ایک نالے پر چسپاں ہو کر رہ گیا ہے۔

"بُنڈی" ایک بہت قدیم ہندی ذات کا نام ہے جس کا قبیلائی مقام راجپوتانہ میں ایک سلسلہ کوہ میں واقع ہے جو بنڈی گاؤں کہلاتا ہے۔ گاؤں کے علاوہ ان کی آبادی اسی سلسلہ کوہ میں پھیلی ہوئی ہے یہ سلسلہ کوہ بھی بنڈی پہاڑ کہلاتا ہے۔ یہ ایک عام سا نیم مہذب، قبیلہ ہے جس کی کوئی قابل ذکر تاریخ نہیں۔ شاید تلاش معاش میں اس قبیلہ کا کوئی گروہ راجپوتانہ چھوڑ کر بلوچستان کے اس دشت میں آکر آباد ہو گیا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں میں مدغم ہو کر بے نشان ہو گیا۔

بِنگو، بِنگا

بنگو، ضلع قلات میں سوراب کے قرب وجوار میں ایک قدیم موضع ہے۔ جبکہ بنگا کلات ضلع پنجگور میں ایک غیر آباد آثار قدیمہ ہے۔ کلات (قلعہ) کا وجود آج تک کسی کو نہیں ملا لیکن موضع کلات یعنی، قلعہ کا نام لیے ہوئے ہے۔ جھلاوان علاقے کا موضع "بنگئو" کا اصل نام "بنگو" کا جٹکی (۷) لہجہ ہے۔

پنجاب کے راجپوت قبائل میں "بنگو" قبیلہ کا نام ملتا ہے۔ کتاب "پنجاب کی ذاتیں" کے مصنف معروف محقق ڈینزل ابسٹن لکھتے ہیں کہ اُس کے خیال میں یہ

قبیلہ جھنگ کا قدیم ترین بلکہ بنیادی قبیلہ ہے جو وہیں سے نکل کر دیگر علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ سیالکوٹ کے بنگوؤں کا کہنا ہے کہ وہ نیپال سے آئے ہیں اور وہ راجپوت ہونے کی بات نہیں کرتے۔

بلوچستان میں یہ قبیلائی گروہ کس زمانے میں آیا تھا اس کا تو پتہ نہیں چلتا لیکن کسی مقام پر باقاعدہ قلعہ تعمیر کر کے رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ طائفہ مستقل طور پر آباد ہوا تھا اور پھر سالوں کے میل جول میں مقامی قبائل میں جذب ہو گیا۔

بُوری

بُوری نامی گاؤں شمالی بلوچستان میں پشتون بیلٹ کے ضلع لورالائی میں واقع ہے۔ یہ ایک بڑی وادی پر مشتمل ہے جو تقریباً اسی میل لمبی اور آٹھ یا نو میل چوڑی ہے۔

مذکورہ ایک ترکمن ترک قبیلہ ہوتا تھا۔ جس نے تقریباً بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں مذکورہ علاقے میں آباد کاری کی اور اسے اپنا مسکن بنایا۔ قبیلہ کے بارے میں ترکمانستان کے صدر سپر مراد ترکمباشی اپنی تصنیف "روح نامہ" میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ کا جد امجد بوری ترکمن تھا جو اتابیگ توغ ٹکمدار کا بیٹا تھا۔ اتابیگ توغ ایک حریت پسند تھا اور سلطان طوطش کے زمانہ اقتدار میں دمشق کا فاتح تھا۔ اس کا بیٹا تاجی ملک بُوری 1128ء میں حلب میں بر سر اقتدار آیا۔ بُوری خانوادے کا اقتدار 1154ء تک رہا جس کے بعد زنگی ترکمن بر سر اقتدار آئے۔ یہ قبیلہ زیادہ تر ہاران، اربل، موصل اور سیستان میں پھیلا ہوا تھا۔ جس زمانے میں یہ ترکمن قبیلہ کا گروہ یا طائفہ نے مذکورہ موضع بسایا اس زمانے میں یہ خطہ ایک بلوچ ملک ہوتا تھا جسے بیلوص کہتے تھے۔ (۱) اسکا پہلا دارالحکومت کندھار (۲) ہوتا تھا

جب کہ دوسرا ادارا الحکومت بُست ہوا کرتا تھا۔ اس زمانے میں مذکورہ قبیلہ یا طائفہ بلوچ قوم کا حصہ بنا اور بلوچ کہلایا۔ موجودہ وقت میں ایرانی بلوچستان میں اور خصوصاً وہاں دشتیاری میں موجود ہے۔ دشتیاری کے علاوہ سیستان کے میان کنگی کے گاؤں "گجر" میں ان کے چند گھرانے موجود ہیں جنہیں ہم قبیلہ کی باقیات کہہ سکتے ہیں۔

مؤرخین نے مذکورہ بلوچ ملک (بیلوص) کے حدود اس طرح بیان کئے ہیں:

"یہ شمال میں کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی اور اس میں پنجاب کا ایک بڑا حصہ شامل تھا۔ مشرق میں اس کی سرحدیں ریاست قنوج سے ملتی تھیں۔ مغرب میں مکران یا کیچ مکران، کردان (کزدار)، کیکان یا کیکانان کا وسیع خطہ اس میں شامل تھا۔ شمال مغرب میں اس وسیع مملکت کی سرحدیں سجستان کی حد تک اس وسیع علاقے کی حدود کو چھوتی ہوئی کوہ سیاہ مہتر سلیمان کے دامن کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں۔ جو بیلوص کے نام سے موسوم تھا۔"(۸)

یاد رہے مذکورہ بلوچ ملک میں بیسیوں بلوچ قبائل رہتے تھے جن کے نام کے مواضع آج بھی ان کی یاد دلاتے ہیں۔ ان ایام میں پشتون یا پختون بلوچستان کے اس حصے میں نایاب تھے بلکہ کندھار(۹) تک بھی نہیں پہنچے تھے۔ معروف محقق گینکو فسکی لکھتے ہیں:

"شروع (تیرہویں اور چودھویں صدی) میں پشتون، غزنی اور پشاور میدانوں کے ایک حصے میں کوہاٹ، بنوں اور کابل کے قریبی علاقوں میں رہتے تھے۔ پھر چودھویں صدی کے آخر میں اور پندرہویں صدی میں پشتون کندھار پہنچے، وہاں سے پندرہویں صدی کے آخر اور سولہویں صدی میں سوات کے میدانوں، قرم اور پنجگوڑہ میں در آئے تھے۔ پندرہویں صدی میں پشتون ژوب، لورالائی اور شول (شال) کے علاقوں میں داخل ہوئے۔"(۱۰)

بولان

بولان، بلوچستان کا ایک مشرقی ضلع ہے جو بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ سے سندھ کو جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ یہ نام زمانہ قدیم میں صرف ایک موضع کا نام ہوتا تھا۔ جس کی پہچان موجودہ وقت میں بمشکل ہوسکتی ہے۔ اس نام کے مواضع بعض دیگر ممالک میں بھی ہیں۔ ایک موضع بصرہ اور مکہ کی شاہراہ پر نباج کے پاس ہے جب کہ دوسرا موضع یمامہ میں ہوتا تھا۔ جس کی پہچان موجودہ زمانے میں نہیں ہوسکتی لیکن یہ نام اب اسی یمامہ کی ندی پر چسپاں ہے ایک اور موضع قدیم خراسان میں "رے" کے جوار میں "ہفتاد بولان" کے نام سے ہے۔(۱۱) دیگر عربی علاقوں میں بھی بولان نام کے آباد اور غیر آباد مواضع موجود ہیں۔ آباد "بولان" مواضع میں بولان نامی طائفے یا گھرانے موجودہ وقت میں نظر نہیں آتے۔ ایک چیز جو سب میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ بولان نام کے اکثر مواضع عرب خطے میں موجود رہے ہیں اور ہیں یا عرب علاقوں سے باہر ان علاقوں میں موجود ہیں جو عرب مقبوضات رہے ہیں یا وقتی طور پر ایسے جگھوں پر ان کی آباد کاری رہی ہے۔

بلوچستان کے مشرقی ضلع کے کوہستان سے ہندو سندھ اور مغربی دنیا کو ملانے والا تاریخی درہ گذرتا ہے، جو "درہ بولان" کہلاتا رہا ہے۔ یہ سینکڑوں سالون سے جنگجو لشکروں اور فاتحین کی گذرگاہ رہی ہے اور کئی تاریخی جنگیں اس کوہستان میں لڑی گئی ہیں۔ ضلع میں کسی خاص مقام کا نام "بولان" نہیں ہے لیکن علاقے کے لوگ اپنے بزرگوں سے "خیبر" نامی مقام کو "اصل بولان موضع" روایت کرتے

ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ "بولان" ایک تاریخی جنگجو شخص بولان خان رند کے نام پر ہے جو سردار میر چاکر خان کا ایک کمانڈر تھا جس نے رندوں کے آگے جانے کے لیے پہلے نکل کر راستے کا تعین کر لیا تھا اور پھر اس راستے کی حفاظت پر مامور تھا۔ یہی کچھ انگریز حکومت کی مرتب کردہ بولان گزیٹئر نے بھی لکھا ہے جو تاریخی طور پر غلط ہے۔

ایک مصنف نے ایک جعلی کتاب (۱۲) کے حوالے سے ایک مفروضہ قبیلہ بولانی سے اس نام کو نسبت دے کر لکھا ہے کہ قبیلہ "بولانی" سے مقام کا نام بولان پڑ گیا ہے۔ جب کہ اصولاً ایسا ہوتا نہیں ہے۔ "بولان" کی نسبت سے "بولانی" تشکیل پا سکتا ہے مگر "بولانی" سے "بولان" نہیں بن سکتا لہٰذا یہ دلیل غلط ہے۔ ایک اور تحریر میں کہا گیا ہے کہ قدیم آریائی قبیلہ "بہلانا" کے بود و باش رکھنے کی وجہ سے اس کا نام بولان پڑ گیا تھا۔ جب کہ ایسا بھی ممکن نہیں ہے اور نہ کبھی کسی "بہلانا" قبیلہ کی آبادکاری کے کہیں آثار پائے گئے ہیں۔

"بولان" ایک تاریخی عرب قبیلہ تھا جو اس پہاڑی خطے میں بس گیا تھا۔ اسلامی دور سے بھی پہلے کئی عرب گروہ تجارتی قافلوں کی صورت میں عرب ممالک سے بطرف ہندوستان، سندھ اور چین جاتے تھے جن میں کئی گروہ جو کسی نہ کسی قبیلہ سے منسلک ہوتے تھے اس درمیانی علاقوں میں رہ بس گئے تھے۔ اس کے بعد اسلامی دور میں تو تجارت کے علاوہ کئی تبلیغی اور جہادی گروہ آتے رہے ہیں۔ بلوچستان میں کئی مقامات عرب قبائل کے طائفوں کے نام پر موجود ہیں۔ جو ان کی کسی زمانے میں آکر بس جانے کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ ان قبیلائی طائفوں میں غزہ، یزیدی، قحطانی، مرّہ، بُلئیدہ، ماکولا، بکر، کندہ، بولان، شاہری، ماہری، مری وغیرہ شامل ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مکہ کے اطراف میں بولان قبیلہ موجود تھا۔ جو مشہور قبیلہ "طے" کا ایک بڑا طائفہ شمار ہوتا تھا۔ اس ضمن میں یہاں ابن الندیم کی ایک مختصر تحریر کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے عربی زبان لکھنے کے بارے میں سپرد قلم کیا ہے:

> "حضرت عباسؓ نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جن اشخاص نے عربی زبان تحریر کیا وہ تین شخص تھے جو قبیلہ "بولان" سے تھے جو قوم "طے" کی ایک شاخ ہے۔ وہ انبار کے رہنے والے تھے اور ان کے نام مرامر بن مرّہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ تھے۔"(۱۳)

آثار بتاتے ہیں کہ قبیلہ بولان چند لوگوں پر مشتمل نہیں تھا اور یہ ایک جنگجو قبیلہ تھا۔ جس نے بستے ہی اپنی تحفظ کے لیے قلعہ بنایا اور چھوٹے پیمانے پر چھاؤنی بھی تعمیر کی۔ کیوں کہ قدیم آبادی کے کھنڈرات کے قریب "خیبر" نامی جگہ ہے جو قلعہ اور چھوٹی چھاؤنی کے لیے عربی نام ہے۔(۱۴)

نام "بولان" اور "خیبر" کا ایک ہی مقام پر ہونا ثابت کرتا ہے کہ بولان عرب قبیلہ تھا جو مستقل یہاں بس گیا تھا اور جس نے قلعہ اور چھاؤنی بھی تعمیر کی تھی۔ جو اس عرب قبیلے کی آبادکاری کی یادگاریں ہیں۔

بھرَت

بھرَت، مکران کے تحصیل تمپ کا ایک قدیم موضع ہے۔ علاوہ موضع مذکورہ بلوچستان میں کسی اور علاقے میں اس نام کا دوسرا موضع پایا نہ گیا۔ یہ ایک انتہائی قدیم ہندی قبیلہ گزرا ہے جسے بعض مصنّفین نے روایتاً دراوڑ قبیلہ لکھا ہے جس کی اپنے وقت میں سینکڑوں پھلیاں ایک بڑے خطے میں پھیلی ہوئی تھیں اور

علاقے پر ان کی اپنی بادشاہت قائم تھی اور ان کی بادشاہت انتہائی طاقتور ہوتی تھی۔ جس کی ہمسایہ حکومتوں سے دشمنیاں قائم تھیں لیکن دشمن حکومتیں بھرت بادشاہت کی طاقت سے مرعوب تھیں اور اس سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ بھرت بادشاہ راجہ سوداس ترستو کی دہشت ہمسایہ اقوام اور حکومتوں پر مسلط تھی۔ یہ ہمسایہ اقوام اور حکومتیں نوراجاؤں کی تھی جو متیا، پکھت، پرکھتو، بھولان، پلان، ناس، اشنیا، وشنی اور سیوا کے نام سے مشہور تھے۔ رگ وید کے حوالے سے مصنفین نے لکھا ہے کہ بَھرت بادشاہ راجہ سوداس کا مقابلہ کرنے کے لیے مذکورہ بالا بادشاہوں نے متحد قوت تیار کر کے مقابلے پر نکلے اور چناب اور راوی کے درمیان جنگ شروع ہوئی جو کافی دن تک چلی۔ متحدہ لشکر پھر بھی شکست کھا گیا اور سوداس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ متحدہ حکومتوں کے اکیس شہزادے اس جنگ میں مارے گئے۔

متحدہ فوج کا سپہ سالار بھید انامی تھا وہ بھی اس جنگ کی بھینٹ چڑھا۔ دیگر مقتولین کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ مقتول شہزادوں اور سپہ سالار اور دیگر اہم جنگجوؤں کے نام رگ وید میں محفوظ ہیں۔(۱۵)

اس جنگ میں سوداس نے کافی مالِ غنیمت سمیٹا اور دشمن حکومتوں کے زندہ راجگان سے درگذر کرتے ہوئے سوداس بھرت نے انہیں اپنے اپنے علاقوں پر بدستور راجہ رہنے دیا۔

اس طاقتور قوم کی حکومت کیسے ختم ہوئی اور بھرت قوم کیسے منتشر ہوئی؟ یہ ہمارے موضوع سے ہٹ کر ہے۔ بلوچستان میں مذکورہ بھرت کن حالات میں اور کب بلوچستان کے مکران کے اس خطے میں آباد ہوئی اس کا پتہ نہیں چلتا۔

قیاس یہی ہے کہ جب سیوی دراوڑ قبیلہ نے بھرت حکومتی خطے پر اپنی بالادستی قائم کی تھی تو مذکورہ قبیلہ سراسیمگی کی حالت میں مختلف سمتوں میں منتشر ہوا ہوگا۔ کیوں کہ اسی خطے میں سیوی قبیلہ کی ریاست قائم ہونے کے بعد مذکورہ قبیلہ کا نام سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ البتہ اس کا ایک طائفہ چولستان میں بھیل اقوام میں موجود ہے اور صحرا میں رہ کر بھیڑ بکریاں پالتا ہے۔(۱۶)

مذکورہ بالا رائل کہانی کے برعکس "کاسٹس آف پنجاب" کے مصنف ڈینزل ابسٹن لکھتے ہیں کہ اس ذات کی بعض روایتوں میں مشہور کیا گیا ہے کہ یہ ایک ترک قبیلہ رہا ہے لیکن یہ ایک جھوٹ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ راجپوتانہ اور آس پاس کے علاقوں میں یہ اپنے کو بھرت یعنی "بھاٹ" لکھتے ہیں اور یہ لوگ فیروزپور کے ڈوگروں، ہشیارپور اور جالندھر کے راجپوتوں اور آنندپور کے سوڑھی ذاتوں کے نسب گوؤں کے طور پر مشہور ہیں۔ ان میں بہت کم مسلمان اور کچھ سکھ ہیں جب کہ ان کی اکثریت ہندو دھرم کے پیروکار ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ان کا جدامجد بَھرت پور کا "سانس مل" نامی شخص تھا جو گوروں کا ایک بزرگ مانا جاتا ہے۔ ابسٹن کے مطابق یہ سارے کے سارے اچھوت ہیں اور یہ حرام و حلال میں فرق نہیں کرتے ہر چیز پاک ناپاک کھاتے ہیں، ناچتے گاتے اور ایسی مجالس منعقد کرکے کمائی کرتے ہیں اور ہر قسم کی بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔

بُھرگڑ

مذکورہ نام مغربی بلوچستان میں ایک قدیم گاؤں کا نام ہے۔ جہاں سے کئی بلوچ گھرانے صدیوں قبل رند گروہوں کے ساتھ ہجرت کرکے مشرقی بلوچستان

میں آئے اور پھر مزید آگے جاکر سندھ میں رہائش پذیر ہوئے اور وہاں "بھر گڑ" گاؤں کی نسبت سے "بُھر گڑی" کہلائے اور پھر ایک قبیلہ کی شکل میں جم گئے جو سندھ میں ایک نامور اور معزز بلوچ قبیلہ کے طور پر موجود ہے۔

"بھر گڑ" کا نام ہمیں گوجروں کی تواریخ میں گوجر قبیلہ کے طور پر ملتا ہے۔ اس ذیل میں "شاہانِ گوجر" کے مؤلف ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب لکھتے ہیں کہ:

> "بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شہر بھارا گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے زمانہ میں گجرات، دکن میں یہ کوئی گاؤں ہو مگر موجودہ تحقیقات میں اس کا پتہ نہیں ملتا۔ شاید یہ بہادر گڑھ ہو۔
> پہلے پہل ان کا مورث شیخ جھنڈا ضلع گجرات میں قاضی مقرر ہوا۔ جھنڈانوالہ اسی کا آباد کردہ ہے پھر یہ مختلف مقامات میں پھیل گئے۔ لوگ ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ وجع المفاصل کے سینکڑوں مریض ان کے پاس آتے ہیں اور اکثر شفایاب ہوتے ہیں۔ یہ متعدد دیہاتوں میں سکونت رکھتے ہیں مگر زیادہ تر محل، میانہ چک اور چکوڑی میں آباد ہیں۔(۱۷)

مولوی صاحب کی مذکورہ تحریر سے اس بیان کو سمجھنا کچھ مشکل ہے۔ در اصل وہ کہنا چاہتا ہے کہ بھر گڑھ، قبیلہ کا نام "ایک گاؤں یا علاقہ بھارا گڑ" کی نسبت سے ہے یعنی ان کا اصل نام "بھارا گڑھ" تھا جو پھر مخفّف یا مختصر ہو کر "بھر گڑ" رہ گیا اور مذکورہ لوگوں کے قبیلہ کا نام بن گیا۔ اسی کتاب میں گوجر گوتوں کی فہرست میں بھی بھر گڑ کا نام ایک گوت کے طور پر درج ہے۔(۱۸)

بھر گڑوں کے کسی گروہ نے کسی دور میں مہاجرت کر کے ایرانی بلوچستان میں گاؤں بسایا اور بودوباش اختیار کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ گوجر قبیلائی گروہ ہستی سے غائب ہو گیا اور صرف بطور یادگار اپنا نام چھوڑ گیا۔

بہمن / بہمنی دمب

" بہمن " مکران کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر تربت کے قریب ایک قدیم گاؤں ہے۔ گاؤں میں ایک قدیم ڈھیری واقع ہے جسے بعض لوگ بہمن کلات (قلعہ بہمن) اور بعض لوگ بہمنی دمب (بہمنی ڈھیری) کہتے ہیں۔ انگریزی گزیٹئر کے مرتب کنندگان نے مقامی روایتوں کے حوالہ سے اسے شاہنامہ فردوسی میں بیان کیا ہوا تورانی بادشاہ بہمن بن اسفندیار کے قلعہ سے منسوب کیا ہے اور علاقائی لوگوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس تورانی بادشاہ کو تربت کے آبسر جنگل میں ایک دیو نے رستم کے پوتے برزین کی موجودگی میں سالم نگل لیا تھا۔ جب کہ حقیقتاً مقامی لوگوں کے پاس ایسی کوئی روایت کبھی بھی موجود نہیں رہی ہے اور نہ کہ انہیں بہمن و اسفندیار و برزین وغیرہ کے بارے میں تاریخی معلومات حاصل رہی ہیں بلکہ انہیں ان تورانی بادشاہوں کے نام کا پتہ انگریزوں کی تحریروں سے ہی چلا ہے۔

شاہنامہ فردوسی میں کہیں بھی یہ تذکرہ نہیں ہے کہ بہمن یا اسفندیار وغیرہ کیچ میں کبھی موجود رہے ہیں یا تربت میں ان کا کوئی قلعہ موجود رہا ہے۔ البتہ کیخسرو کے دور شاہی میں کچھ ترکتازیاں سرزمین مکران مین ہوئی ہیں اس سلسلے کی ایک مہم میں شاہ مکران مارا گیا تھا۔ لیکن وہ سارا کچھ مکران کے اس حصے میں ہوا تھا جسے ایرانی مکران کہتے ہیں۔ سارے آثار بھی اسی حصے میں موجود رہے ہیں۔ کوچ

بلوچوں سے بھی ان شاہی فوجیوں کی مڈھ بھیڑ اسی خطے میں اور کرمان کی سرحد کے ساتھ ساتھ وقوع پذیر رہی ہے۔

بہمن کو دیو نگلنے یا کسی خونخوار درندے کا کھانے یا حملہ کرنے کی انگریزی کہانی بھی خوساختہ ہے۔ شاہنامے میں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بہمن ایک بادشاہ تھا کوئی شکاری فرد نہیں تھا کہ جنگل میں نکل گیا اور اپنی زندگی کھو بیٹھا۔ اس کی پوری زندگی جنگی مہمات میں سیستان، زابلستان، بست، نیشاپور وغیرہ میں گزری تھی۔ آخری معرکہ اس نے فرامرز کے خلاف بست میں لڑا اور زخموں سے چکنا چور ہو کر مستقبل سے مایوس ہونے لگا اور کافی سوچ و بچار کے بعد اقتدار ہُمئی کو سونپ دیا جو اس کی بیٹی بھی تھی اور اس کے بیٹے ساسان کی بیوی تھی۔ پہلوی مذہب کے مطابق ایسی شادی کی اجازت ہوتی تھی۔

مندرجہ بالا ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہا جب کہ ہُمئی نے سلطنت پر بتیس برس تک حکومت کی۔(۱۹)

بہمن نام سے منسوب یہ ڈھیری اتنی چھوٹی ہے کہ اسے کسی طرح بھی قلعہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ انگریزی دور میں 1903ء میں اس کی کھدائی کی گئی لیکن دلچسپی لینے کی کوئی چیز بر آمد نہیں ہوئی اور مزید کوششیں ترک کر دی گئیں۔(۲۰)

2004–2006ء کے دوران غیر ملکی ماہرین آثار قدیمہ نے دلچسپی لیتے ہوئے اس کی کھدائی کی اور تفتیشی کام کیا۔ لیکن انہیں بھی یہ کوئی شاہی سائٹ نہیں ملا۔ بلکہ چند گھروندے بر آمد ہوئے جو ایک دوسرے کے مقابل دو ڈھائی فٹ کی اونچائی میں تعمیر شدہ تھے۔ ان گھروندوں میں بمشکل دو آدمی بیٹھ سکتے ہوں گے۔ گھروندوں میں آگ جلانے کے آثار تھے اور ان میں راکھ بھی موجود تھا اور ان کی سامنے والی دیواریں کالی ہو چکی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سوناروں یا لوہاروں کے کام

کرنے کی جگہ ہوتی تھی جہاں پر وہ دن بھر کام کرتے تھے اور شام کو اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ کیوں کہ وہاں کوئی رہائشی کمرے وغیرہ بنے ہوئے نہیں ملے۔ آثار قدیمہ کے متلاشی اپنے مہینوں کی محنت پر پشیماں تھے اور وہ بھمن بادشاہ سے منسوب کہانی کو ایک فرضی کہانی قرار دے رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ مقام بھمن نامی ہندی قبیلہ کی کسی زمانے میں آبادکاری کی یادگار ہے جس کا کوئی گروہ اس مقام پر بسیرا کر چکا تھا۔ بھمن قبیلہ کا نام گوجر تاریخ "شاہان گوجر" میں دیئے گئے چند قبائلی گوتوں کی فہرست میں آتا ہے لیکن فہرست میں دیئے گئے گوتوں کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے مادر قبیلے کون کون سے ہیں۔ فہرست کشمیری، ہندی اور گوجر قبیلوں سے متعلق ہے لیکن ان کے بارے میں تفصیلی تذکرے نہیں کیے گئے ہیں۔

بھمنی دمب کا قدیم آبادکار قبیلہ "بھمن" موجودہ وقت میں سندھ سے متصل کچھ اور چولستان میں سینکڑوں کی تعداد میں آباد ہے۔ جن کی اکثریت شترپال ہے اور اونٹوں کے ذریعے باربرداری و بارکشی کے پیشے سے منسلک ہے۔ چولستان میں انہیں راجپوت قبیلہ کی شاخ بیان کیا گیا ہے۔(۲۱)

ہند کی بعض تاریخوں میں اس قبیلہ کا نام ملتا ہے جو اتر پردیش، دکن اور آسام کی سرحد پر خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بلوچستان میں اس قبیلائی گروہ کی آبادکاری یقیناً اسی دور میں ہوگی جس میں دیگر کئی ہندی اور کشمیری قبیلائی طائفے عراق کی جانب جاتے ہوئے یہاں سے گزرے ہوں گے یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ بستیاں وہ گروہ یا طائفے بسا گئے جو آگے نہیں گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ایسے گروہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یا تو مقامی قبائل میں مکمل طور پر مدغم ہوگئے یا پھر کسی بڑے قبیلے میں ایک طائفہ بن کے رہے۔

بہمنی کہن

بَہمنی کہن یعنی بہمنی کاریز، تربت کا ایک بڑا اور قدیم کاریز ہے جو علاقے میں روایتاً آٹھ سو سال سے رواں دواں ہے یہ زمینداری، آبپاشی اور آب نوشی کا ایک بڑا اور وسیع ذریعہ ہے۔ یہ کاریز، اس کی سر رشتہ داری اور اس سے سیر اب ہونے والی اراضیات صدیوں سے قبیلہ رئیس کی املاک رہی ہیں اور موجودہ وقت تک انہی کی میراث ہیں۔

کاریز کا احداث کسی بھی بہمن بادشاہ یا ہندی بہمن قوم کا کارنامہ نہیں رہا ہے جیسے کہ بعض روایت میں کہا جاتا ہے۔ بلکہ ان رئیس گھرانوں نے آٹھ سو سال پہلے اس کاریز کا احداث کیا تھا جو بہمن گاؤں کے باسی ہوتے تھے اور جو گاؤں کے نام کی نسبت سے "بہمنی رئیس" کہلاتے تھے۔ اسی واسطے کاریز کو "بہمنی کہن" کا نام دیا گیا تھا۔ کاریز کی مذکورہ وجہ تسمیہ علاقے کی ایک متفقہ روایت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہندی آباد کار قبیلائی طائفہ بہمن ایک مہاجر اور مسافر طائفہ ہوتا تھا جس کا تعلق محض محنت کشوں سے تھا اور وہ علاقے میں کسی ملکیت کا مالک نہیں تھا جو کاریز احداث کرتا اور کاشتکاری کرتا۔ ملکیتیں رکھنے والے قبیلے اقوام کے درمیان سے غائب نہیں ہوتے بلکہ ہمسری کرتے ہوئے اپنا وجود برقرار رکھتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ کاریز کے نام کو لفظی مماثلت کی بنا پر بہمن بادشاہ سے منسوب کرنا محض ایک انگریزی مفروضہ اور تاریخی غلطی ہے۔

بیدی

"بیدی" نام کے تین مواضع بلوچستان کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔ جن میں ایک موضع آواران میں ہے، ایک دوسرا اواشک ضلع میں ہے۔ جب کہ ایک موضع ضلع چاغی میں ہے۔ ممکن ہے کہ اس نام کے اور بھی مواضع بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں موجود ہوں جن کا ہمیں علم نہیں۔

"بیدی" ہندوستان میں ایک بڑا قبیلہ ہے اور وہاں اس ذات کی کئی اہم کاروباری، سیاسی، ادبی و علمی اور فلمی شخصیات شہرت کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ مشہور دانشور اور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی اسی قبیلہ سے ہیں اسی طرح سکھوں کی مذہبی شخصیت بابا گرونانک بھی بیدی قبیلہ سے تھے۔ ابسٹس نے "دی کاسٹس آف پنجاب" میں اس ذات کی بے شمار گوتیں گنوائی ہیں۔ جو ہندوستان، پاکستان، پنجاب صوبہ سرحد کے پشاور اور ہزارہ جات میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی بڑی آبادی جالندھر میں ہے اور دیگر علاقوں گورداسپور، سیالکوٹ، لاہور، گوجرانوالہ وغیرہ میں ان کے مساکن ہیں۔

اس ذات کو ایک بیوپاری ذات کہا گیا ہے اور اسے بڑے قبیلہ کھتری کی گوت بتایا گیا ہے۔ ابسٹس لکھتا ہے کہ بیدی قوم اپنے کو قصور کے تاریخی بادشاہ کالرائے کے بھائی کالیت رائے کی نسل بتاتا ہے۔ موجودہ وقت میں ان کا مرکزی مقام گورداسپور کے ڈیرہ نانک میں ہے۔ ابسٹس کے مطابق ان روایتوں میں یہ بھی ہے کہ یہ ذات ہندوؤں کی کتاب "وید" کے ابتدائی پڑھنے اور شرح کرنے والوں

میں سے ہے اور اسی مناسبت سے انہیں "ویدی" کہا گیا ہے جو اب "بیدی" لہجے میں بولا جاتا ہے۔(۲۲)

بلوچستان میں بیدی ذات کی آباد کاری کے ماہ و سال اندازاً وہی ہیں جب متعدد ہندی اور کشمیری ذاتیں چراگاہوں کی تلاش میں مغرب کی سمت گروہوں کی صورت میں وارد ہو رہے تھے۔ مصنفین نے اس بارے میں کوئی متفقہ رائے کا اظہار نہیں کیا ہے۔

بیسیمہ

بیسیمہ، بلوچستان کے ضلع واشک کا ضلعی دارالخلافہ ہے جو کوئٹہ پنجگور روڈ پر آتا ہے۔ بعض لوگ اسے "ی" کے بغیر "بسیمہ" تلفظ کرتے ہیں۔ بلوچستان میں اس نام کا کوئی دوسرا موضع پایا نہیں گیا ہے۔

پنجاب کی بعض تاریخی کتب میں یہ نام "بسیم اور بسیمہ" دونوں صورتوں میں ملتا ہے لیکن اس ذات کی تفصیلی تاریخ کے بارے میں کوئی مواد دستیاب نہیں۔ موجودہ وقت میں پنجاب میں چولستان کے صحرائی علاقے میں اس ذات کے چند گھرانے آباد ہیں۔ جس کا نام جاٹ قبائل کی فہرست میں شامل ہے۔

بیسیمہ والوں کو اپنے اس قدیم گاؤں کے نام کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

بیلا

بلوچستان میں بیلا یا بیلہ کے نام سے ایک سے زیادہ مواضع ملتے ہیں جن میں مشہور لس بیلہ کا گاؤں "بیلہ" ہے جو ایک نہایت قدیم جگہ ہے۔ عربی نگارشات میں مذکورہ تاریخی مقام کو "راس بیلہ" لکھا گیا ہے(۲۳) راس عربی میں چوٹی یا سر کو کہتے ہیں۔ کسی سطح مرتفع یا میدان میں کسی بھی اونچی جگہ کو راس کہا جاتا ہے۔ اس کا مقامی اور بلوچی مترادف "بینٹ" ہے۔

سندھی تواریخ اور چند ایک عربی کتب میں اسے کاہیرہ بیلہ کہا گیا ہے۔ جس کی آبادی گجروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ ایک اور موضع "بیلو" (جٹکی لہجہ) ضلع واشک کے خطہ رخشان کے گاؤں "ناگ" میں ہے۔ اسی طرح مکران کے گاؤں "گُلانچ" میں بھی "ہاری بیلہ" کے نام سے موضع آباد ہے۔ نوشکی میں "نیام بیلہ" موضع ہے۔

مقامی لوگ اکثر اپنے مواضع کی وجہ تسمیہ اور ان کی تاریخ سے واقفیت نہیں رکھتے اور اپنے ذہنوں سے ایک مفروضہ گڑھ کر اسے مشہور کرتے ہیں۔ جو پھر موضع کے نام کی تاریخ اور حقیقی مطلب کو پردوں میں چھپا دیتا ہے۔ ضلع لسبیلہ والوں کی روایتوں کے حوالے سے گزیٹئر کے مرتب کنندگان نے "بیلا" کے معنی جنگل لکھا ہے اور وہ اسے مقامی زبان (مسخ شدہ سندھی) کا لفظ بتاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔

بیلا یا بیلہ کے نام کے دو قبیلوں کے تذکرے تاریخ کے صفحات میں ملتے ہیں۔ ایک بیلہ قبیلہ یا ذات ہندی ہے جسے گجر قوم کا ایک گوت بتایا جاتا ہے اور اسے

پنوار گجروں میں شامل کیا جاتا ہے۔ جب کہ "تاریخِ راجپوت" پنوار کو راجپوت لکھ کر "بیلہ" ذات کو راجپوتوں میں شمار کرتا ہے۔ بہر حال سندھ اور صوبہ سرحد اور پنجاب کے گجرات و گوجرانوالہ کے بیلہ اپنی ذات کو راجپوت سے زیادہ "گجر" بتاتے ہیں اور "تاریخ گوجران" میں اس کے مصنف حافظ عبدالحق سیالکوٹی قدیم گرجستان میں واقع "کوہ قاف" کو گجروں کا اصلی وطن لکھتے ہیں جہاں سے یہ قوم سینکڑوں ٹولیوں میں تقسیم ہو کر مختلف سمتوں میں خانہ بدوشانہ زندگی گزارتا رہا ہے اور صدیوں بعد مختلف خطوں میں جم کر اس نے اپنی بستیاں قائم کیں۔ اس کی سینکڑوں گوتوں میں ایک بڑا منتشر گوت "بیلا" رہا ہے جس نے ہندوپاک اور سنٹرل ایشیا کے کئی ممالک میں بستیاں بسائی اور کئی چھوٹی بڑی سرداریاں قائم کیں۔ لس بیلہ کی ابتدائی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ یہ گجروں کا شہر تھا جسے شروع میں "ارمن بیلا" ذات نے پروان چڑھایا اور ارمن گجروں کے نام پر مشہور ہوا۔ دوسری مرتبہ اس کی شہرت اسلام کی ابتدائی دور میں "کاہیرہ بیلہ" گجروں کی نسبت سے ہوئی۔

سندھی تاریخ "تحفۃ الکرام" میں درج ہے کہ جب 52ھ میں محمد بن قاسم کی سرکردگی میں اسلامی فوج نے ملک سندھ پر چڑھائی کی تھی تو ارمن بیلہ پر گوجر قابض تھے:

"فی الجملہ محمد بن قاسم این بیلہ راز قوم گوجر بدست آوردہ سوئے دیبل بشتافت، این دارالخلافہ ریاست لس بیلہ بود۔"(۲۴)

کتاب "شاہانِ گوجر" کے مصنف ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب خیال ظاہر کرتے ہیں کہ شاید لس بیلہ کے گوجر پانچویں صدی عیسوی میں راجپوتانہ سے ہجرت کر کے آئے ہوں گے۔(۲۵)

بارہویں اور تیرہویں صدی کے دوران ہندوستان میں میسور اور آس پاس بیلا قبیلہ عروج پر تھا۔ جہاں اس قبیلہ کے "دیر بیلا" نامی تین حکمران گزرے ہیں۔ آخری حکمران کی حکومت 1310ء میں علاؤالدین خلجی کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

پندرہویں صدی میں بیلا قبیلہ اندلس جیسے بعید خطے میں بھی نمایاں طور پر موجود تھا اور ایک طاقتور قبیلہ کی حیثیت سے قسطلہ کے شاہی خاندان سے رشتے ناطوں میں منسلک تھا اور قبیلے کی ایک بڑی تعداد عیسائی مذہب اختیار کرچکی تھی۔

مذکورہ بالا مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بلوچستان میں "بیلہ" نام کے مواضع "بیلا گجروں" نے بسائی تھیں۔ ان مواضع کی قدامت بیلہ قبیلہ یا ذات کی قدامت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے کئی گروہ اور خانوادے صدیوں سے بلوچ قوم میں موجود ہیں اور بلوچ ہی کہلاتے ہیں۔

حواشی

ا۔ صفحہ نمبر 328۔

۲۔ واضح ہو کہ پنجاب میں واقع کوہ مری، بلوچ قوم مری کے نام پر ہے۔ سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات اور اس کی موت کے بعد سندھ اور دیگر مشرقی علاقوں کے لیے جُنید بن عبدالرحمن مری کو گورنر مقرر کیا گیا جس نے ہند کے کئی علاقے کیراج، ممد، منڈل، دھنج وماروواڑ، ملہار، گجرات اور اُجین کے علاقے فتح کئے۔ اس کے ساتھ عرب افواج کے علاوہ اپنے "مری" کا ایک جنگجو دستہ بھی شامل تھا۔ اس دستے کا کیمپ اور متعلقہ تعمیرات اسی پہاڑی سلسلہ میں بنائی گئیں تھیں جو پھر مری لشکر یا دستہ کی نسبت سے "مری" مشہور ہو گیا۔

۳۔ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر، ضلع کچھی، 1906ء

۴۔ برصغیر اور عرب مؤرخین، از خورشید احمد فاروق، باب "سندھ کی بُدھ اور مید قومیں،" ص 177۔

۵۔ ایضاً، ص 177 – 178

۶۔ "پنجاب کی ذاتیں" از ڈینزل ابسٹن، اردو ترجمہ از یاسر جواد، ص 260

۷۔ بلوچستان میں جٹکی، سندھی زبان کے لیے بولا جاتا ہے۔ بلوچ سندھیوں کو "جٹ" کہتے ہیں اسی نسبت سے سندھی زبان جٹکی کہلاتی ہے۔ سندھی میں کسی نام کو واحد صورت میں استعمال کرنے سے نام کے آخر میں "و" کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسے سومرہ سے سومرو، سمہ سے سمو، صابرہ سے صابرو، گُنگہ سے گنگو، رونجھا سے رونجھو وغیرہ۔

۸۔ بلوچستان، تاریخ کی روشنی میں، از ملک سعید دھوار ص 229

۹۔ واضح رہے کہ کندھار ایک بلوچ قبیلہ ہوتا تھا جو مکران کے ضلع پنجگور کے گاؤں گچک میں بود وباش رکھتا تھا۔ جہاں پر اس کے نام کا قدیم مقام آج بھی ان کا نام لیے ہوئے ہے مگر انسانی آبادی سے خالی ہے۔

۱۰۔ "پاکستان کی قومیتیں" از گینکوفسکی، اردو ترجمہ از مرزا اشفاق بیگ۔

۱۱۔ "معجم البلدان"، از یاقوت بن عبداللہ رومی، بغدادی (1179ء-1229ء)، اردو ترجمہ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق صفحات 78،359۔

۱۲۔ کردگال نامہ (فارسی) جسے لکھنے والے نے بجائے اپنے نام کرنے کے کسی دوسرے کو مصنف بنا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اسے ایک حقیقی پرانی کتاب ثابت کر کے پھر اسی کے حوالے دے کر اپنی پانچ جلدوں والی تاریخ بلوچستان مکمل کرے اور اسے ایک تحقیقی تصنیف ثابت کرے۔ جس مرے ہوئے شخص کو مصنف بنایا گیا ہے اس نے اپنی پوری زندگی میں سوائے تعویزات لکھنے کے ایک سطر بھی تحریر نہیں کیا ہے۔

۱۳۔ سیرت النبی، جلد اول، از مولانا شبلی نعمانی و مولانا سلیمان ندوی، ص26۔

۱۴۔ مولانا شبلی اور مولانا سلیمان ندوی سیرت النبی جلد اول ص 217 پر لکھتے ہیں "خیبر" عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی" قلعہ "کے ہیں۔

۱۵۔ سرزمین جھنگ، آثار و ثقافت، از پروفیسر سمیع اللہ قریشی، ناشر فکشن ہاؤس، لاہور، پاکستان

۱۶۔ چولستان، از احمد غزالہ، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، پاکستان۔

۱۷۔ فصل دوئم صفحہ نمبر 139۔

۱۸۔ ص،146۔

۱۹۔ دی شاہنامہ آف فردوسی (انگریزی ترجمہ) از الیگزینڈر روجرز، ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، مطبوعہ 1907ء ری پرنٹ سنگِ میل پبلیکشنز، لاہور، ص 350-351۔

۲۰۔ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر، والیوم VII اینڈ VIII (مکران اینڈ خاران) مطبوعہ ٹائم پریس بمبئی 1907ء، ص 34،58۔
۲۱۔ ملاحظہ کیجئے کتاب "چولستان" از احمد غزالی، مطبوعہ لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، ص 305۔
۲۲۔ دی کاسٹس آف پنجاب، ص 560۔
۲۳۔ واضح ہو کہ موجودہ نام "لس بیلہ" دراصل تاریخی عربی نام "راس بیلہ" کی تبدیل شدہ صورت ہے۔
۲۴۔ شاہانِ گوجر، ص 435۔
۲۵۔ ایضاً

پاہی / پاہو

پاہو نام کے کئی موضع بلوچستان میں موجود ہیں۔ ایک موضع آواران میں رہا ہے۔ جس کا نام اب ڈِرون کی اک ندی پر چسپاں ہے۔ دوسرا موضع سراوان کے کوہستان میں واقع رہا ہے جو موجودہ وقت میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔ ایک تیسرا مقام سروان ہی کے کوہستان میں ڈومبک ندی کے قریب ایک معاون ندّی ہے جو پاہی کہلاتا ہے۔ صوبہ سرحد ڈیرہ اسماعیل میں بھی اس نام کا ایک موضع ہے۔ مذکورہ نام "پاہی" اور "پاہو" دونوں لہجوں میں موجود ہے۔ بلوچی زبان میں بھی کئی ایسے نام اور الفاظ ہیں جو "و" اور "ی" دونوں طرح ادا کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوچ اور کیچ، شادو اور شادی، مُود اور مید، دور اور دیر، سُور اور سیر، ہُوک اور حیک وغیرہ وغیرہ۔

یہ قبیلائی طائفہ بلوچستان میں صدیوں پہلے آباد ہوا تھا اور اب بھی کئی علاقوں میں موجود ہے۔ علاقہ ڈیرہ بگٹی میں یہ طائفہ بگٹی قبیلہ کا حصہ ہے اس کے علاوہ لورالائی اور دکی علاقے میں بھی اس کے گھرانے موجود ہیں۔ بگٹیوں میں یہ زیادہ مسوریوں میں نظر آتے ہیں اور دیگر شاخوں میں بھی کچھ نہ کچھ گھرانے شامل ہیں ان کی رنگت واضح طور پر ہندوستانی ہے۔ کہتے ہیں کہ بگٹی سردار نواب محراب خان کے زمانے تک ان کا شمار پست طائفے میں کیا جاتا تھا اور ان کے ساتھ سلوک بھی اسی سطح پر کیا جاتا تھا۔ نواب اکبر بگٹی کی سرداری کے اوائل میں پاہیوں کا ایک وفد نواب صاحب سے ملا اور شکایت کی کہ وہ صدیوں سے بگٹی قبیلہ کے حصہ ہیں اور ان میں کبھی بھی ایسی پنچ حرکت دیکھی نہیں گئی ہے ان کے تمام تر معاشرتی

عادات و آداب بگٹیوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان کی غیرت اور حیاداری پر کبھی بھی کسی نے انگلی نہیں اٹھائی ہے۔ لیکن پھر بھی انہیں دیگر بگٹیوں سے کمتر اور پست سمجھا جاتا ہے۔

جواباً نواب صاحب نے کہا تھا کہ وہ اس بارے میں تحقیق کر کے پھر فیصلہ کریں گے۔ کوئی چھ سات ماہ بعد نواب صاحب نے ان کے سر کردہ لوگوں کو بلایا اور فیصلہ سنا دیا کہ آج کے بعد ان کی حیثیت بگٹی قبیلے کی دیگر شاخوں کے برابر ہو گی اور تمام بگٹی انہیں اپنے برابر احترام و عزت دیں گے۔ انہوں نے بگٹیوں کو یاد دلایا کہ چمبڑی کی لڑائی میں پاہیوں نے دشمن کے خلاف بھرپور دلیری کا مظاہرہ کیا تھا جس کا اعتراف بگٹی عوام اور اس کے سرداروں نے بھی کیا ہے اور ان کی بہادری کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

پاہیوں کا ایک خاص تکیہ کلام "جو" ہے جو اکثر پاہی بول چال میں کہتے ہیں۔ یہ تکیہ کلام اس "جڑو" کا نعم البدل ہے جسے کراچی کے بلوچ استعمال کرتے ہیں۔

پٹن

پٹن مکران میں کیچی دشت کے علاقے میں ایک غیر آباد جگہ کا نام بتایا جاتا ہے۔ دشت کے باسی اور اور قریب کے رہائشی مذکورہ بستی کی تاریخ و وجہِ تسمیہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

پٹن، ایک قدیم ہندی قبیلہ رہا ہے۔ جو ہندستان کے بندھیاچل میں صدیوں قبل سے آباد رہا ہے۔ ہندی تواریخ میں ہے کہ پٹن قبیلہ چند دیگر قبائل جیسے گندھر، بھوج اور پلند پہلے پہل کابُل کے مغربی علاقوں میں سکونت رکھتے تھے

اور بدھ مذہب کے پیروکار ہوتے تھے۔ ہندوستان میں ان کی آمد کو بھی صدیاں گزر چکی ہیں۔

یہ قبیلہ ہندوستان کے ان چند قبائل میں سے ایک ہے جن کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمسایہ ممالک وغیرہ میں ان کے نام مواضع نایاب ہیں۔ بلوچستان میں ان کی آمد و سکونت کی تاریخ مکمل اندھیرے میں ہے۔

پروم

پروم نامی گاؤں مکران کے ضلع پنجگور میں ایک وسیع علاقہ ہے۔ جس کا شمار قدیم ترین مواضع میں ہوتا ہے۔ تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندوستان سے آنے والی ایک قوم تھی اور ہندوستان میں ایک ریاستی راجہ چول پانڈیہ کی حکمرانی کے زمانے میں وہاں یہ قوم ایک بڑی قوم کے طور پر موجود تھی۔ راجہ چول پانڈیہ کی حکمرانی کا زمانہ 1018ء سے 1027ء تک رہی ہے۔ نیز خلیج بنگال سے پرے کدارم اور کوہلہ نامی علاقوں میں بھی یہ قوم موجود رہی ہے اور اب بھی ان علاقوں میں سکونت رکھتی ہے۔ جب کہ بلوچستان سے یہ قوم یا قبیلہ معدوم ہوچکا ہے۔ صرف نام کی صورت میں اس کی یادگار قائم ہے۔ یہاں اس قوم کی آمد اور آبادکاری کا زمانہ بھی نامعلوم ہے۔

پڑوار

پروار نامی گاؤں ضلع آواران کے مشکئے میں ہے۔ اس نام کا کوئی دوسرا موضع بلوچستان میں بظاہر نظر نہیں آتا۔ بلوچی جنگی قصے اور روایتوں میں اس قبیلہ یا قوم کا نام آتا ہے جسے پروار گجر کہا گیا ہے۔

بلوچی تاریخی جنگی کہانیوں میں تاریخی جنگجو ہیرو میر حسن رئیس میر وزئی کی علاقے مشکئے میں پروار گجروں سے لڑائی کے تذکرے ملتے ہیں۔ مذکورہ میر حسن میر وزئی، میروانی سردار گھرانہ "براہو" کے اجداد سے تھے۔ قبیلہ "پروار" کا نام کشمیری قبائل کی فہرستوں میں بھی مذکور ہے۔ واضح ہو کہ کشمیری قبائل میں بھی گجر طوائف کی ایک اچھی خاصی تعداد شامل ہے۔ کشمیری تواریخ میں "بان ماسی" کے نام سے ایک قبیلہ کا ذکر کیا گیا ہے جسے "پنڈتوں کی قوم" کہا جاتا ہے۔ اس قوم کی کئی شاخیں (بلوچی شلوار) بیان کی گئی ہیں۔ جن میں سے ایک شاخ "پروار" بتائی گئی ہے۔

پڑنگ آباد

مذکورہ نام مستونگ میں ایک موضع ہے جس کی موجودہ آبادی مجموعی طور پر دہوار کہلاتی ہے۔ بنیادی طور بر یہ نام "پڑانگ" ہے جو صوبہ سرحد کا ایک قبیلہ ہے۔ نام خود بتاتا ہے کہ یہ گاؤں پڑانگ قبیلہ کے چند گھرانوں نے صوبہ سرحد سے آکر آباد کیا ہے۔ جو اب ان کے نام پر مشہور ہے۔ پشاور شہر کے شمال میں پڑانگ نام کی بستی ہے جو تمام تر قبیلہ پڑانگ کے گھروں پر مشتمل ہے۔ پہلے اس علاقے میں دہوار پھیلے ہوئے تھے اور کاریزات احداث کر کے کاشتکاری کرتے

تھے۔ ان میں بڑے زمیندار بھی ہوتے تھے لیکن وہ دہوار کے نام سے کوئی مواضع قائم نہ کر سکے لیکن پڑانگ لوگوں نے دہواروں کے بیچ میں بستی بسا کر اسے اپنا قبیلائی نام دیا اور وقت گزرنے کے ساتھ دہواروں کے رسوم اور ان کی فارسی زبان اپنا کر اپنا قبائلی نام کھو دیا اور فطری اصولوں کے تحت دہوار میں شمار ہونے لگے۔(۱) انگریزی حکومت کے مرتب کردہ "بلوچستان گزیٹئرز" نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

> "پڑنگ آبادی دہواروں کے چار طائفے ہیں یوسف زئی، بدازئی، طرہ زئی یا طہران زئی (اصل میں توران زئی — نسیم) اور محمد زئی اور سب طائفے افغان ماخذ کے ہیں۔ یوسف زئی اور بدازئی ضلع پشاور سے آمدہ بتاتے ہوئے جاتے ہیں۔ طرہ زئی (توران زئی) ایران سے اور محمد زئی کابل سے۔ یوسف زئی ملک، پڑنگ آبادیوں میں افضل ترین ہے۔"(۲)

موجودہ وقت میں پڑنگ آباد کی آبادی میں "پڑانگ" کے نام سے کوئی گھر نظر نہیں آتا۔ جیسے کہ درج بالا فہرست سے ظاہر ہے۔ خیال یہی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ دہواروں میں مدغم ہو کر پڑانگ شناخت سے دستبردار ہوئے اور دہوار ہی ان کی شناخت رہ گئی۔

پشِین

بلوچستان میں دو مقامات پشین کے نام سے صدیوں سے آباد ہیں۔ ایک شمالی بلوچستان کا ضلع ہے جسے "پشِین" کے تلفظ میں بولا جاتا ہے اور دوسرا مقام ایرانی بلوچستان کا مشہور شہر ہے جسے "پیشین" کے تلفظ میں ادا کیا جاتا ہے۔ مذکورہ

دونوں مقامات صدیوں قدیم مواضع ہیں۔ شمالی بلوچستان کا پشین ایک ایسے خطے میں واقع ہے جس کے چاروں طرف کے علاقے کسی زمانے میں "پیشنہا" کہلاتے تھے۔ "پشین" ایک قدیم کشمیری قبیلہ ہوتا تھا اور عددی لحاظ سے پھیلا ہوا قبیلہ ہوتا تھا۔ اس کا اصل نام "پیشین" ہوتا تھا۔ کشمیری مصنفین اس قبیلہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قبیلہ کے لوگ چوں کہ ہر کام کی ابتدا "پیشین" (وقت ظہر) سے کرتے تھے۔ اس لیے پیشین اس قبیلہ کی قبیلائی شناخت بن گیا تھا۔(۳)

"تواریخ کشمیر" میں اس کے مصنف محمد الدین فوق لکھتے ہیں:

"دوپہر کے بعد کے وقت کو پیشین کہتے ہیں۔ پیشین (پیشی) مسلمانوں کی نماز ظہر کو بھی کہتے ہیں اور وہ بھی دوپہر کے وقت کے بعد ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں کسی پنڈت کے ذمے جو سرکاری کام تھا وہ پیشین یعنی ظہر کے وقت کے بعد ادا کیا جاتا تھا۔ اسی نام سے پیشین اس کا اسم معرفہ ہو گیا اور اب پیشین جو در حقیقت ال (ا) ہے ایک ذات سمجھی جاتی ہے۔ پشین خاندان کی اصل گوت "بوت داس ادیمنی لوکا کیہ ہے۔"

پیشین ذات نے کن حالات اور کس زمانے میں کشمیر سے نقل مکانی کی اور بلوچستان کے مذکورہ علاقوں میں اپنی بستیاں بسائیں۔ یہ ایک سربستہ راز ہے۔ پیشین ذات اس وقت کشمیر اور ہندوستان میں کشمیری سرحد کے متصل علاقوں میں خال خال موجود ہیں۔

پنجگُور

محرّرہ بالا نام مکران ڈویژن کا ایک بڑا ضلع اور تاریخی شہر ہے۔ قدیم ملکِ مکران کا صدیوں تک دار الحکومت رہا ہے۔ یہ اسی نام کے ساتھ کئی تاریخی شہروں جیسے دیبل، منصورہ، کندابیل، بیلہ، کیچ، کرمان، بغداد، کشمیر، زرنج سیستان وغیرہ کا ہم عصر ہے۔ تاریخی کتابوں میں اس کا معرّب فنزبور تحریر ہے۔

اس نام کی وجہ تسمیہ تقریباً نا معلوم ہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک ترکستانی قبیلہ پنجگر یہاں آباد تھا۔ لیکن اس نام کا کوئی قبیلہ ترک قبائل میں ہمیں نہیں ملا ہے۔

اپنی "تاریخ بلوچستان" میں رائے ہیتورام نے لکھا ہے کہ ایک شاہی لشکر نے تحت لالئی(۴) پر حملہ کر دیا تھا جس میں پنجگور کے کئی لوگ تہہ تیغ ہوئے تھے اور حملہ آور فوج کے بھی پانچ نفر مارے گئے تھے جن کو یہیں پر دفن کیا گیا تھا۔ جس کے سبب پنجگور (بمعنی پانچ قبر) اس جگہ کا نام پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ غلط عام میں پنجگور ہو گیا(۵) ہیتورام کا مذکورہ بیان ایک مفروضہ کہانی ہے۔ یہ نام پنج گور نہیں ہے کہ اس کے معنی مزار یا قبر لیے جائیں اہم بات یہ ہے کہ شہر چاروں طرف سے صرف اور صرف بلوچی بولنے والا شہر ہے اس لیے اسے فارسی نام سمجھنا نادانی ہے۔ فارسی زبان اس علاقے میں صدیوں بعد ورود کر گیا تھا اور وہ بھی صرف حکمرانوں کی دفتری زبان کی حد تک اور کوئی بھی سطحی دفتری زبان کسی قوم اور اس کے مواضع کو نام نہیں دے سکتی ہے۔ رائے ہیتورام کی مفروضہ روایت نے مذہبی طبقے کو بہت اپیل کیا اور انہوں نے دو صورتوں میں اس کا پروپیگنڈا کیا۔ بعض نے مشہور کر دیا

کہ یہاں پر پانچ صاحبہ کرام کی قبریں ہیں۔ نتیجتاً کئی تبلیغی جماعتیں ان مفروضہ قبور کو آس پاس کے میدانوں میں بے سود تلاش کرتے رہے۔ بعض نے کہا کہ یہ پانچ قبریں صحابہؓ کی نہیں بلکہ بزرگ ہستیوں کی ہیں جن میں سے ایک پنجگوریوں کے روحانی مرشد حضرت پیر عمر کی زیارت کو شمار کیا گیا ہے۔ باقی چاروں کی انہیں ابھی تک جستجو ہے۔(۶)

پنجگور سے ملتا جلتا ایک نام راولپنڈی کا موضع "پنجگراں" ہے۔ ممکن ہے کہ پنجگر قبیلہ کے کسی گروہ نے پنجگور میں موضع بسایا ہو یا پنجگور سے اس قبیلہ کے کچھ گھرانے ہجرت کر کے راولپنڈی میں بستی بسائی ہو۔ لیکن نام کی ادائیگی میں کافی فرق ہے۔ راولپنڈی کا موضع "پنج گراں" کہلاتا ہے جس کی واحد شکل "پنج گر" بنتی ہے۔ جبکہ پنجگور کی ادائیگی "پنجگر" سے کافی مختلف ہے۔ بہر حال دونوں کا ایک ہونے کا احتمال بھی ہے۔ یاد رہے کہ کسی دور میں کئی ہندی اور کشمیری طائفوں نے بلوچستان کے کئی مقامات میں اپنی بستیاں بسائی ہیں۔ ان میں پنجگر نام سے ملتے جلتے کئی گھرانے ہوتے تھے جن کے نام کے مواضع موجود ہیں۔ جیسے رباب گر، کاشگر، سُور گر، کمانگر، تیز گر، جارا گر وغیرہ۔ ان میں سُور گر، تیز گر اور جارا گر گھرانوں کی آبادکاری کے آثار پسنی، ہور ماڑا، زامران کیچ اور خضدار کے کوہستان میں موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ پنجگر بھی کوئی ہندی یا کشمیری قبیلہ رہا ہو اور غلط العوام میں اس کا نام بگڑ کر پنجگور ہو گیا ہو۔ بہر حال اس سے قریب تر نام کا کوئی موضع اس پورے خطے میں اور کہیں نہیں ہے۔

حواشی

ا۔ دھوار قبیلہ کے بارے میں محمد سعید دھوار اپنی کتاب "بلوچستان تاریخ کی روشنی میں" انگریز مؤرخ جی۔پی۔ٹیٹ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"دھوار قلات اور اس کے مضافات میں بود و باش رکھتے ہیں اور وادی مستونگ میں بھی پائے جاتے ہیں جو وسیع اراضیات کے مالک ہیں۔ وہ غالباً اس قدیم قوم کے پسماندگان میں سے ہیں جن کی قدیم زمانہ میں ایک کثیر آبادی سطح مرتفع قلات پر قابض تھی۔" ♦

ایک اور انگریز مصنف لکھتے ہیں:

"دھوار محنت کش اور پرامن لوگ ہیں۔ ان کا نام اس حقیقت سے ماخوذ ہے کہ وہ دیہات یا کچی دیواروں کے مکانات کے مجموعہ میں رہتے سہتے ہیں۔ وہ ہر سال براہوئیوں کی طرح میدانی علاقوں کی طرف نقل مکانی کر کے نہیں جاتے اگرچہ وہ خان قلات کو فوجی خدمت کے لیے کوئی مقررہ لشکر مہیا نہیں کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ خان کی بالادستی کو بلاحیل و حجت تسلیم کرتے ہیں ان کی زبان فارسی ہے، بنیادی طور پر ان کی اصلیت تاجک ہے۔" *

ملک محمد سعید نے "تاریخ افغانستان" کے حوالے سے جی پی ٹیٹ کا درج ذیل تذکرہ بھی درج کیا ہے:

"چاہے ان کو آپ دھوار کے نام سے پکاریں یا دھگان کا لقب دے دیں، ان کی اصلیت تاجک ہے اور قوی امکان ہے کہ ان کا تعلق اس اصل

♦ بلوچستان، تاریخ کی روشنی میں، ص 89۔

* مجلہ ہندوستان کی مردم شماری رپورٹ 1901ء آزار۔ہیوز بکر۔

> قدیم مشرقی ایرانی یا آریا نسل سے ہے جن کے درمیان زرتشت نے اوّل اوّل مذہب اوستا کی اشاعت کی تھی اور جن کے درمیان سکندر کے یونانی آباد ہو گئے تھے۔ جن کو عرب فرزندانِ توحید نے قرآن یا خراج اور دونوں سے انکار کی صورت میں تلوار میں سے فیصلہ کی دعوت دی تھی۔"*

ایک اور انگریز مصنف ہنری پا ٹنجر اپنے سفر نامے میں تحریر کرتا ہے کہ اگرچہ دہوار خان قلات کو، جبکہ وہ لڑائی کے لیے جاتا ہے، کوئی لشکر مہیا کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ لیکن شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ خان کی بیرونی مہمات شاذ و نادر دہواروں سے خالی رہی ہوں۔ ان لوگوں کی وفاداری خان کے نزدیک اس حد تک مسلم ہے کہ ان کا ایک دستہ دائمی طور پر خان کے محل میں متعین رہتا ہے اور قلات شہر کے دروازوں پر بھی انہی کا پہرہ رہتا ہے۔"•

ایرانی بلوچستان میں رہنے والے دہواروں کی اپنی روایتوں کے مطابق وہ اس تاجک آبادی کی نسل سے ہیں جو کسی زمانہ میں خاران کے اندر ماشکیل کے جنوبی سمت دیغوار کے علاقے میں بود و باش رکھتی تھی۔ لیکن ایک طویل قحط کی وجہ سے نقل مکانی کر کے مستونگ اور دیزک میں آباد ہو گئے۔"°

۲۔ بلوچستان کے قبائل (ضلعی گزیٹئر سے انتخاب)، باب سوئم سراوان، ص 203، اردو ترجمہ پروفیسر انور رومان۔

---

*"بلوچستان تاریخ کی روشنی میں"، ص 91

•ایضاً، ص 92-91

°ایضاً، ص 93-92

۳۔ "پیشین" کا لفظ بلوچی میں بھی اسی معنوں میں مستعمل ہے۔ یاد رہے کہ کشمیری اور بلوچی زبانوں میں لاتعداد الفاظ کے معنی مشترک ہیں۔ اسی طرح ایک درجن سے زائد قبائلی طائفے دونوں قوموں میں مشترک ہیں۔

۴۔ تخت لالئی چند صدی قبل پنجگور کا دارالحکومت یا مرکز ہوتا تھا۔ موجودہ وقت میں وہ تباہ شدہ خرابہ ہے۔ جسے "لالئیان" کہا جاتا ہے۔ جو "لالئی" کی جمع صورت ہے۔ اس قبیلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شدید قحط سالی کے دوران ایک ٹڈی دل نے شہر پر ہلہ بول دیا تھا جو نہ صرف ہر سبزے کو چٹ کر گئے تھے بلکہ بچوں، بوڑھوں اور بیماروں پر بھی حملہ آور ہوئے تھے جس سے سینکڑوں لوگ ہلاک ہوئے تھے اور بچی کچی آبادی ہجرت کر گئی تھی۔

۵۔ تاریخ بلوچستان، مطبوعہ گوشۂ ادب، کوئٹہ، 2009ء، ص318۔

۶۔ واضح ہو کہ پیر عمر کے مقام پر زیارت میں حضرت پیر عمر کا ایک بچہ اور اس زیارت سے ہٹ کر قدرے فاصلے بر اس کی بہن کی قبر موجود ہے۔ بہن کی قبر ایک گنبد میں ہوتی تھی لیکن اب وہ گر کر ہموار زمین ہوگئی ہے۔ پیر عمر کی دوسری زیارت خضدار میں ہے۔ ساسول کے شیخ جو جو شئے مرید اور پیر عمر سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں بتاتے ہیں کہ پیر عمر خضدار کے زیارت میں مدفون ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مزار ڈھاڈر کے ہفت ولی قبرستان میں ہے اور پیر عمران سات ولیوں میں سے ایک ہیں۔

تُرک ءِ کلات
تُرک ءِ فصیل

ترک کا قلعہ ایک قدیم ڈھیری کا مقام ہے جو ضلع کیچ زامران (علاقہ بلیدہ) میں بطرف شمال ایرانی سرحد کے قریب واقع ہے۔ نام خود اپنے سابقہ باسیوں کا تذکرہ کر رہا ہے کہ اس مقام پر ترک بستے تھے اور ان کا قلعہ بھی ہوتا تھا۔ دوسرا مقام "ترک ءِ فصیل" یعنی "ترک کی حویلی" کیچ ضلع کے تحصیل تمپ میں کوہاڑ میں واقع ہے اگرچہ موجودہ وقت میں وہاں کوئی حویلی یا فصیل نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ فصیل کی بنیادیں نظر آتی ہیں جو ایک بڑا قطعہ زمین ہے جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اپنے زمانے میں اس مقام پر ان کی بڑی آبادی رہائش پذیر ہوتی تھی۔ اسی طرح ضلع گوادر میں پلیّری گاؤں میں ایک ڈھیری "تُرک جُمپ" کے نام سے ہے۔ حدود سبی میں ایک مقام "ترک کنڈ" کے نام سے جہاں پر رند سردار میر چاکر رند کا ارغونی لشکر سے مڈبھیڑ ہوا تھا۔ مذکورہ مقامات کے علاوہ اندرون بلوچستان سے شمالاً غرباً ایرانی بلوچستان میں پاکستانی سرحد کے ساتھ ترکوں کے بے شمار رہائشی آثار ہیں۔ "مکران" نام بھی ترک قبیلہ "مکر" کے نام پر ہے جو صیغہ جمع میں استعمال ہوا ہے۔ جنہوں نے کیچ علاقہ کے دشت میں اور مغربی بلوچستان کے تیس بستیاں بسائی تھیں۔ دونوں مقامات پر ان کی بستیاں "مکران" کہلاتی تھیں۔ مکّر ترک اب بھی پنجاب کے گوجر ترکوں میں موجود ہیں۔ جسے قدیم ترین ترک قبیلوں میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ایک اور ترک موضع کیچی دشت میں "گُرکانی سیچی" کے نام سے موجود ہے جسے گرک ترکوں نے بسایا تھا۔ "گرک" قبیلہ کے

خاندان آج بھی کیچ کے بلوچوں میں موجود ہیں۔ ان کا تعلق قدیم سیستان کے گورگان سے تھا۔

علاوہ ازاں بلوچستان وسطی کا ایک بڑا خطہ توران کہلاتا تھا۔ جو "تور" ترکوں کا بسایا ہوا خطہ تھا۔ جس کا مرکز خضدار ہوتا تھا۔ ایغور ترکمن ترکوں نے لسبیلہ کے علاقے میں "اگور" بستی بسائی تھی۔ اسی طرح "بیلا" گوجر ترکوں کے بیلا قبیلہ کا مسکن رہا ہے۔ الغرض بلوچستان میں ترک قبائل کے طائفوں کی بے شمار بستیاں موجود ہیں اور بیسیوں ترک گھرانے قبیلوں کے حصے بن چکے ہیں اور تو اور بلوچوں کے اندر قبائل جنہیں سب سے بڑھیا بلوچ کہا اور سمجھا جاتا ہے اپنی اصل میں ترکستان کے ترک نژاد ہیں اور بمطابق ان کے شجرہ نسب کے اعلمش رومی کی نسل سے ہیں۔ اعلمش، اناطولیہ کے موضع روم سے ترکستان کا بادشاہ گزرا ہے۔ اسی طرح سیستان و بلوچستان کا شاہی قبیلہ رئیس کو بھی ترک نسل سے کہا جاتا ہے۔ اس کے سینکڑوں گھرانے آج بھی ترکمانستان، ترکی اور عراق و ایران میں بستے ہیں۔ موجودہ بلوچستان (شرقی و غربی) کی آدھی بلوچ آبادی ترک نژاد ہے۔ جنہوں نے بلوچستان کے ایک بڑے حصے کی سامی لہجے میں بلوچی کو ترکی لہجے میں بدل دیا ہے۔ چوں کہ دوسرے حصے کی آبادی نواردوں کی گرفت سے نکل کر مشرق کو منتقل ہورہی تھی اس لیے ان کی اصل سامی لہجے کی بلوچی نئی تبدیلی سے بچ گئی۔ لیکن انجام کار بلوچی کے دو لہجے بن گئے جو آج مشرقی بلوچی کہے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا قلعہ اور فصیل کن ترکوں نے، کب تعمیر کئے یا بسائے ان کے بارے میں معلومات کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے۔ اپنی اصل میں ترک کون تھے؟ اس بارے میں "دی کاسٹس آف پنجاب" میں ابسٹن لکھتے ہیں کہ پنجاب میں ترک کے معنی "ترکستان" کا باشندہ اور منگولیائی نسل کے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں:

> "ترک ایک تاتاری لفظ ہے جس کا مطلب "آوارہ گرد" ہے۔ لہٰذا شاعری میں سورج کو "چین کا ترک" کہا گیا ہے۔ یعنی مشرق کا یا آسمان کا آوارہ گرد۔" (۱)

مصنفین نے سندھ بلوچستان میں ترکوں کی آمد کا ذکر بھی کیا ہے۔ بقول ان کے ترکوں کے گروہ پانچویں صدی عیسوی کے دوران اس کے بعد مسلسل آتے گئے اور بستے گئے۔ گینگوسکی نے اپنی تصنیف "پاکستان کی قومیتیں" میں لکھا ہے کہ چینی سیاح سیوان تسانگ، جس نے 645-627ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ اس نے برصغیر کی شمالی مغربی سرحد پر ترکوں کی آمد کا ذکر کیا ہے جو پانچویں صدی عیسوی کے بعد مسلسل آتے گئے اور کئی ملکوں پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعد میں جنوبی ترکستان اور شمالی افغانستان سے ترک مسلسل وادی سندھ میں بھی داخل ہوئے تھے۔ ان کا تعلق اوغز اور فلاج قبائل سے تھا۔

تلار

تلار ایک قدیم موضع رہا ہے۔ جو کسی زمانے میں ضلع گوادر کے پہاڑی دامان میں واقع رہا ہے۔ موجودہ وقت میں اسی تاریخی نام کے موضع کا اصل سائٹ معلوم نہیں ہوتا۔ صرف پہاڑی سلسلے کے ایک حصے کا نام "تلارِ کوہ" کہلاتا ہے۔ یعنی تلار کا پہاڑ۔ مند ضلع کیچ میں موضع "تلار سر" ہوتا تھا جس کا موجودہ نام "تلمبان" ہے۔ اسی طرح چاغی ضلع میں بھی ایک قدیم موضع "تلاراں" ہے جو تلار کی جمع ہے۔ یعنی تلار لوگ یا قوم۔ واضع ہو کہ ایک نام کی کئی جگھوں پر موجودگی یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک قبیلہ یا قوم تھی جو مختلف مقامات پر رہائش پذیر رہی تھی۔

ایک محقق وی-اے-سمتھ نے اپنی کتاب "قدیم تاریخ ہند" میں تلار قبیلہ کا تذکرہ کیا ہے اور مختصر معلومات دی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

تلار ایک قدیم قبیلہ گزرا ہے جو نیپال کی سرحد پر ایک بڑے خطے میں بودوباش رکھتا تھا اور اس شہر کے کھنڈرات، نیپال کی موجودہ سرحد سے چار میل پرے واقع ہیں۔ جہاں کی ایک ندی پر اس شہر کا نام چسپاں ہو کر تلار ندی کہلاتا ہے۔ مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ مذکورہ قبیلہ کس نسل سے رہا ہے اور اس کی آبادکاری یا موجودگی کس سن و سال میں رہی ہے۔ بلوچستان کے مذکورہ بالا علاقے اس قبیلائی طائفے کی آبادکاری کے سن و سال تقریباً وہی ہیں جو دیگر مہاجر طائفوں کی ہیں۔ جو مال چرائی کرتے ہوئے ترکی اور عراق کی طرف رواں دواں تھے۔ جن میں سے کئی گروہ اپنی منزل تک نہیں پہنچے اور درمیانی علاقوں میں اپنی بستیاں بسا کر مقامی آبادیوں کے حصے بنے اور اکثریت میں گم ہو کر بے نشان بنے یا پھر وقتی قیام کے بعد کسی اور سمت نکل گئے۔ واللہ اعلم بالصواب[1]

جالیبار / جھلوار

جالیبار، ضلع کیچ میں تربت کے قریب میرانی ڈیم گاؤں کی ایک پہاڑی بند کے ایک حصے کا نام ہے۔ جہاں پر کسی زمانے میں ایک آباد موضع ہوتا تھا۔ اس نام کی دوسری صورت جھلوار ہے۔ جو یہاں مستعمل نہیں ہے۔ لیکن ضلع خاران کے ایک قدیم گاؤں کے لیے مستعمل ہے۔ کیچ میں لوگ "ھ" کا تلفظ "و" سے کرتے ہیں۔ نیز بلوچی زبان میں "و" کی "ب" سے، اور "ب" کی "و" میں تبدیلی عام ہے۔

---

[1] دی کاسٹس آف پنجاب، صفحہ نمبر 478

لہٰذا جالیبار اور جھالوار کو ایک ہی نام سمجھا جائے۔ نیز بعض لوگ جھالیوار کو "جھالاوار" بھی تلفظ کرتے ہیں اور مذکورہ تینوں صورتیں تحریروں میں موجود ہیں۔

خاران ضلع کا جھالاوار گاؤں ایک قدیم اور آباد گاؤں میں پہلی مرتبہ نوشیروانی قبیلے کے امیر عباس اول ایرانی بلوچستان سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ یہ زمانہ تقریباً 1425ء اور 1430ء کا درمیانی عرصہ بتایا جاتا ہے۔ یہاں پر ایک قدیم کھنڈر قلعہ "جھالاوار" کے نام سے موجود تھا نوشیروانی سردار نے قدرے مرمت، تعمیر کے بعد رہائش کے قابل بنایا اور اس میں اپنے لوگوں کے ساتھ رہنے لگے قلعہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ساسانیوں کا تعمیر کردہ تھا۔(۱)

"جھالاوار" ایک قدیم ہندوستانی قبیلہ رہا ہے جسے گوجر تاریخ نویس گوجر قبیلہ لکھتے ہیں۔ ان کی ایک قدیم ریاست "جھالوار" کے نام سے موجود رہی ہے جو شملہ اور کانگڑھ کے علاقے سے متصل رہی ہے۔ اس ریاست کے حکمران "مہارانا" کہلاتے تھے۔ تصنیف "شاہانِ گوجر" کے مصنف لکھتے ہیں کہ ریاست جھالیوار میں سب کے سب کاشتکار رہے ہیں۔ امپیریل گزیٹئر آف انڈیا میں ان کی کل آبادی ان کی اپنی ریاست میں پانچ فیصدی لکھتا ہے(۲) جو آٹے میں نمک کے برابر نہیں ہے۔ آبادی کا مذکورہ تناسب ظاہر کرتا ہے کہ اب یہ قبیلہ تقریباً معدوم ہو گیا ہو گا۔

بلوچستان کے مذکورہ دو ضلعوں میں اس قبیلہ کے طائفہ کی آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ جس زمانے میں دیگر سینکڑوں ہندی و کشمیری قبیلائی طائفے عراق کی جانب گروہوں کی شکل میں جاتے رہے ہیں۔ یہ طائفہ بھی اسی زمانے میں بلوچستان پہنچ چکا ہو گا اور اپنی بستیاں بسا چکا ہو گا۔ جو یا تو وقت کے ساتھ ساتھ مقامی قبائل میں مدغم ہو گیا ہو گا یا پھر ایک مختصر عرصے کے بعد مزید آگے چلا گیا ہو گا۔

جتّ

"جت" نام کے کئی مواضع بلوچستان میں واقع ہیں۔ جن میں جت کولواہ، جت جو، مند ضلع کیچ، جت، علاقہ ناگ ضلع پنجگور، جت، نگوئر ضلع کیچ اور میر جت ضلع گوادر شامل ہیں، ممکن ہے اس نام کے اور بھی موضع ہوں جن تک ہم نہ پہنچ سکے۔

جت ایک قدیم پھیلا ہوا قبیلہ ہے اور صدیوں سے خانہ بدوش ہے۔ ان کا پیشہ جنگلوں میں بس کر اونٹ پالنا ہے۔ سندھ کے صحرائی علاقے، چولستان اور بلوچستان کا علاقہ کچھی قدیم زمانوں سے جتوں کے چراگاہ اور آبادی کے مراکز رہے ہیں۔ ان کے مشہور طائفے میر جت (سردار گھر)، لشاری (لاشاری نہیں)، بھارانی، بلادی، مجیدانی، بھنڈ، لنجوانی، ببر، دسوانی وغیرہ ہیں۔

جتوں کو بنیادی طور پر سندھی ہونے کی وجہ ہے جاٹ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جنہیں عربی کتابوں میں زط اور الزت لکھا گیا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ جاٹ نہیں ہیں اگرچہ سندھ کے خطے سے ان کا قدیم ترین تعلق رہا ہے۔ یہ ایک پیشہ ورانہ نام ہے یعنی شتربان۔ کسی بھی قبیلہ کا کوئی شخص یا گروہ شتربانی کا پیشہ اختیار کرے تو اسے جت کا نام دیا جاتا ہے۔ سندھی جاٹ اگر شتربان نہ ہو تو وہ جاٹ اور جٹ (۱) ہی رہتا ہے۔ اگر شتربانی کرے تو وہ جت کہلائے گا اور پھر جٹ کو دی جانے والی عزت اسے نہیں ملتی۔

انگریز محقق ہیوگز بلر نے 1901ء کی مردم شماری رپورٹ میں جت کی یوں تشریح کی ہے۔

"جاٹوں میں بھی اندرونی تمیز ہے۔ بلوچ شتربانوں اور چرواہوں کو جاٹ قبیلہ کے اندر جت طائفہ پکارتے ہیں۔ یہ شتربان دیگر جاٹوں سے مختلف زبان بولتے ہیں اور ان کی کئی رسمیں بھی الگ ہیں۔ ماخذ کے لحاظ سے بھی وہ جاٹوں سے علیحدہ ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ وہ بلوچوں کے ساتھ ان کے چرواہوں کی حیثیت سے آئے۔ وہ چٹائی کی جونپڑیوں میں خانہ بدوشانہ زندگی گزارتے ہیں اور اپنے وسائل کو چٹائیاں اور رسّے بن کر بڑھاتے ہیں۔ ان کی مستورات اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہیں۔"

جت قوم کا سردار گھرانہ "میر جت" خود کو جت زادہ نہیں مانتا اور دعوی کرتا ہے کہ وہ نسلاً بلوچ ہے اور ہوت بلوچوں سے ہیں۔ بلوچ سرداروں نے انہیں اعزازاً جت قوم کی سرداری سپرد کی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میر جت طائفہ کے لوگ عام جتوں سے کبھی رشتے ناطے نہیں کرتے۔ سندھی روایات جتوں کو سندھ کے قدیم مخلوط خانہ بدوش کہتے ہیں اور بلوچستان کے گنداوہ کو جو کبھی سندھ کا حصہ ہوتا تھا۔ جتوں کا اصلی اور بنیادی وطن بتاتے ہیں جہاں سے وہ شتربانی کے لیے مشرق اور مغرب کو پھیلتے گئے حتٰی کہ شام اور عراق تک پہنچ گئے۔

چوں کہ بلوچستان میں یہ تقریباً جگہ جگہ قدیم سے موجود رہے ہیں اور بلوچوں سے ہی منسلک رہے ہیں لہٰذا یہ سوال غیر اہم ہو جاتا ہے کہ وہ اس سرزمین پر کب آکر آباد ہوئے۔ ان کے کئی طائفوں کے گھرانے بلوچ قبائل میں موجود ہیں۔ "بھنڈ، قبیلہ جسے گوجر مصنفین گوجر قبیلے بتاتے ہیں اور جت قبیلہ میں بھی ایک طائفے کی حیثیت سے ہیں اور مکران کے دشت میں بھی بود و باش رکھتے ہیں۔ وہاں وہ اپنے کو جمالی قبیلہ کا طائفہ بتاتے ہیں۔ اسی طرح بزّ قبیلہ کے گھرانے نصیر آباد بلوچستان کے بلوچ قبائل میں بھی وجود رکھتے ہیں۔ بہر حال جیسا بھی رہا ہے بلوچستان میں ان کی حیثیت سندھی آباد کار کی رہی ہے۔

جیونی

مکران ڈویژن کے ضلع گوادر میں واقع جیونی ایک بڑا گاؤں ہے۔ ایک دوسرا موضع مری کوہستان میں بھی ہے۔ علاقائی روایات بتاتے ہیں کہ یہ نام در اصل "جیوانی" ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک قدیم سیستانی بلوچ قبیلہ "پیشک" مکران میں رند قبائل کی آمد سے قبل سیستان کے شہر "جیوان" سے ہجرت کر کے اس مقام پر آباد ہوا اور اپنے اصل علاقہ "جیوان" کی نسبت سے یہاں "جیوانی" کہلایا۔ سیستان میں "جیوان" کا شہر، لاش، گاؤں کے قریب ہے۔

پندرہویں صدی میں جب پرتگیزوں نے جیوانی کو بار بار لوٹا تو مذکورہ پیشک قبیلہ کی اکثریت یہاں سے نقل مکانی کر کے گوادر کے اطراف میں آباد ہوا۔ وہاں وہ جس مقام پر آباد ہوئے وہ جگہ ان کی نسبت سے "پیشکان" مشہور ہوا جو اب تک اسی نام سے موسوم ہے۔ واضح ہو کہ "پیشکان" پیشک کی جمع ہے یعنی "پیشک لوگ" جیوانی کے باقی ماندہ پیشکوں کا قبیلائی نام "جیوانی" نام میں دب کر رہ گیا۔

"جیوانی" نام سے ایک چھوٹا طائفہ کراچی کے کاروباری میمن قبیلہ میں بھی موجود ہے۔ لیکن وہ اپنے کو قدیمی کچھی میمن کہتے ہیں طائفہ کی قدامت اور تاریخ وغیرہ کے بارے میں انہیں معلومات نہیں ہیں۔

حواشی

ا۔ "مجموعہ بلوچ تاریخ خاران از میر عبدالقادر بلوچ خارانی، صفحہ نمبر 11۔ مصنف مذکورہ کے کہنے کے برعکس بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر کے مرتبینّ لکھتے ہیں کہ نوشیروانی اس پر آشوب دور میں منظر عام پر آئے۔ جب سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں صدی کے اوائل میں افغانستان افراتفری کے لپیٹ میں تھا۔ اسی دوران ان سرداروں نے اپنی نیم آزاد سرداری قائم کی۔ صحراؤں اور علاقہ کی گم نامی نے انہیں حالیہ دور تک بچائے رکھا۔ نوشیروانیوں کے ماخذ کے اساطیری بیان کے مطابق ان کے مورث اعلی نوشیروان نے علاقے کی تنہا حالت کے پیش نظر اور وادی رخشان سے مکران کو جانے والے قافلوں کو لوٹنے کے نقطہ نظر سے اپنے آپ کو دریائے سراپ کے ایک معاون یا دریائے گُرک پر واقع ایک قلعہ میں مستحکم کر لیا۔ یہ دریا اب بھی نوشیروان پیشی کہلاتا ہے۔ اس کی طاقت دیکھ کر خاران کے صف اول کے گروہ کے پیرک زئی سردار نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی اور اسی کی اولاد ہوتے ہوتے سرداری تک پہنچ گئی (بلوچستان کے قبائل، ضلعی گزیٹئر سے انتخاب، حصہ دویم، ص 7-266)

۲۔ امپریل گزیٹئر آف انڈیا، جلد چہارم، صفحہ نمبر 118۔

۳۔ بلوچ، سندھیوں کو جٹ کہتے ہیں، انہیں جت نہیں جانتے اور جتوں کو جٹ کبھی نہیں مانتے۔ کیوں کہ جٹ کو وہ اصل سمجھتا ہے اور جت کو کمین اور جہاں تک جت قبیلہ کے سردار گھرانہ "میر جت" کا سوال ہے وہ جت نسل نہیں ہے بلکہ کسی بلوچ طائفے کی شخصیت کو سرداری کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ تب وہ میر جت کہلاتا ہے۔

چامپ

یہ موضع مغربی بلوچستان میں واقع ہے اور موجودہ وقت میں ایک بڑا گاؤں ہے۔ اس کی بلوچ آبادی کو اس نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہے۔ گوجروں کے گوتوں میں یہ نام موجود ہے۔ جسے گوجر مصنفین گوجر طائفہ لکھتے ہیں۔ شاہان گوجر کا مؤلف لکھتا ہے کہ یہ گوجر کی ایک شاخ کا نام ہے جسے چودا خاندان بھی کہا جاتا ہے۔(۱) اس گوجر طائفے کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔

چِبّ

بلوچستان میں مختلف مواضع "چب" نام سے منسوب ہیں جن میں چب اور ناچ، چب گچک ضلع پنجگور، سرچب ضلع گوادر، چب کلمتی گوادر، چب بُلئیدہ ضلع کیچ، چب گدر ضلع قلات شامل ہیں۔

چبّ ایک ہندی قبیلہ کہا جاتا ہے جس کے گروہ راجپوتوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور گوجروں میں بھی۔ کتاب "شاہانِ گوجر" میں اس کے مصنف ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب لکھتے ہیں کہ یہ راجپوتوں کا مشہور خاندان ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "دراب بن بہمن کی اولاد سے نعمان خراسان کا بادشاہ تھا۔ اس کی اولاد میں سے شاہزادہ گوہر شاہ قسمت آزمائی کے لیے ملک دکن کو گیا۔ کوکبِ اقبال نے یاوری کی۔ ماہر چند کا سپہ سالار ہوا۔ بوجہ فرطِ اعتماد راجہ نے اپنی لڑکی اس کے عقد میں دے کر بہت کچھ اس کے مناسب و مراتب میں اضافہ کیا۔ مگر شرط یہ تھی کہ زوجین اپنے اپنے مذہب کے

پابند رہیں گے جیسا کہ بادشاہان مغلیہ کے ہاں شرط تھی۔ شہزادہ گوہر شاہ کا اس رانی کے بطن سے ابدار ایک لڑکا پیدا ہوا جو والدہ کے مذہب کے موافق ابدار چند موسوم ہوا۔

راجہ ابدار چند علاؤالدین بادشاہ دہلی کا سپہ سالار تھا۔ جس کی اولاد سے راجہ چب چند کانگڑہ کے کسی علاقہ کا حکمران ہوا۔ اس کی اولاد بھمبھر وغیرہ میں کچھ مدتّ تک آباد رہی۔ ضلع گجرات میں اس خاندان کا مرکزی مقام پوٹھی بیسہ ہے، یہ دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر دو مشہور گاؤں ہیں۔"

چِبؔ قبیلہ جموں و کشمیر میں بھی کافی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کا اپنا ایک مخصوص علاقہ بھی ہے جو چبال کہلاتا ہے۔ یہ چبال یعنی چبوں والا ملک، منادر توی سے لے کر جہلم تک کے علاقے کا نام ہے۔ کشمیری مؤرخ جی-ایم میر اپنی تصنیف "جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں" میں لکھتے ہیں۔

"چب قبیلہ کے لوگ چندر بنسی راجپوت کہلاتے ہیں۔ ان کا مورث اعلی چب چند تھا جو کانگڑھ کے نرائن چند کٹوچ کا بیٹا تھا۔ نرائن چند تیرہویں صدی کے وسط میں کانگڑہ سے ترک سکونت کر کے موجودہ بھمبھر کے علاقے میں چلا آیا تھا۔ یہاں اس شادی تھکیال کے راجہ سری پت کی بیٹی سے ہوئی سری پت کا اپنا کوئی بیٹا نہ تھا چناں چہ اس کی موت کے بعد چب چند اس کی ریاست کا حکمران بنا۔ راجہ چب چند کی اولاد اپنے باپ کے حوالہ سے چب راجپوت کہلائی۔ عقیدہ کے لحاظ سے چب راجپوتوں کی اکثریت مسلمان ہے تاہم کچھ راجپوت ہندو مذہب سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔"(۲)

کتابوں میں لکھا ہے کہ اس ذات کا پہلا شخص جو مسلمان ہو گیا تھا۔ "سور سادی" نامی تھا جسے شہید کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس ذات کی سماجی حیثیت کئی دیگر

ذاتوں کی نسبت برتر اور اعلیٰ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے سردار اپنے نام کے ساتھ "راجہ" کا لقب استعمال کرتے رہے ہیں۔ "سوسادی" کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اورنگ زیب بادشاہ کا ہمعصر تھا اور شاہی دربار میں رسائی رکھتا تھا۔ پنجاب میں اس قبیلہ کا ایک نامور بزرگ حضرت دوم چب گزرے ہیں۔

"تواریخ کشمیر" میں محمد الدین فوق چبوں کو دوسرے درجے کا راجپوت لکھتا ہے اور ان کی سماجی برتری کو تسلیم نہیں کرتا۔

چوں کہ تواریخ ہند کے مطابق اس قبیلہ کی تشکیل علاؤالدین بادشاہ کے دور میں ہوئی اس لیے یقینی بات ہے کہ بلوچستان میں اس قبیلہ کے گروہ چودھویں صدی عیسویں کے وسط میں آتے ہوں گے اور اپنے مواضع بسائے ہوں گے۔ لیکن موجودہ زمانے میں مذکورہ قبیلہ کے افراد بلوچستان کے قبائل میں ناپید ہیں۔

چھانگا

"چھانگا" ضلع خضدار کے گاؤں "باغبانہ" میں ایک موضع ہے یہ ایک ہندی قدیم جاٹ قبیلہ کہا جاتا ہے۔ جو انڈیا سے نقل مکانی کر کے لاہور کے نواح میں ایک اور قبیلہ "مانگا" کا ہمسایہ بنا۔ اس ہمسائیگی میں وہ ہر وقت آپس میں لڑتے رہے اور پھر خوش ہوتے تھے۔ دیگر ہمسائے ان کی آپس کی لڑائی میں پریشان رہتے تھے۔ معتبرین ان کو ہر لڑائی کے بعد آپس میں بٹھاتے اور صلح کراتے تھے۔ ہر قبیلہ دوسرے کو پہچاننے والے نقصانات کی تلافی کرنے میں حیل و حجت سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ بخوشی معتبرین کے فیصلوں کے مطابق نقصانات کا ازالہ کرتے تھے۔ دونوں قبیلے قبیلائی طاقت بھی رکھتے تھے اور مال و دولت کے مالک بھی تھے۔

لاہور کے جس جنگل میں دونوں رہتے تھے وہ جنگل پہلے مانگا جنگل کہلاتا تھا۔ چھانگا قبیلہ جب پوری طرح جم گیا تو اس چھانگا سے کہا کہ باہر کی دنیا میں ہماری بستی تمہارے نام پر ہے۔ ہمارا کسی کو پتہ بھی نہیں کہ ہم بھی اسی جنگل کے باسی ہیں لہٰذا اب اس نام کو صرف مانگا جنگل نہیں بلکہ چھانگا مانگا جنگل کہہ کر پکارا جائے تاکہ یہ بستی ہماری بھی شناخت رہے۔ چھانگا اور مانگا کے بڑے مل بیٹھ گئے اور فیصلہ کیا کہ نئے نام کے عوض چھانگا بکریوں کا ایک ریوڑ اور دو بھینسیں مانگا کو دے دے۔ تب دونوں کا اس نام پر اتفاق ہو گیا اور اس وقت سے مذکورہ جنگل "چھانگا مانگا" جنگل کہلانے لگا۔ موجودہ وقت میں علاقہ سرکاری ہو گیا ہے۔ قریبی آبادی میں مختلف قبیلے کے لوگ رہتے ہیں لیکن نہ وہاں کوئی چھانگا ہے اور نہ مانگا۔ کہتے ہیں کہ گجرانوالے کے اطراف میں چھانگے گھر ہیں۔ مانگوں کا کوئی درک نہیں ہے۔

مذکورہ قبیلہ نے بلوچستان کے ضلع خضدار کا مذکورہ موضع کب بسایا۔ صحیح جواب کسی کے پاس نہیں۔ باغبانہ والے کہتے ہیں کہ موضع تین سو سال پرانا ہے۔ قبیلہ کے گھرانے باغبانہ اور زہری میں آباد ہیں۔ ان کا اپنا ایک چھوٹا موٹا سردار بھی ہے۔ اب وہ جاٹ نہیں رہے بلکہ بلوچ قوم کے حصّے بن چکے ہیں۔

چھتر

بلوچستان میں چھتر نام کے تین معلوم مواضع ہیں۔ جن میں بڑی آبادی والا موضع کچھی ضلع کا چھتر ہے جو کھیری قبیلہ کا گاؤں ہے۔ دوسرا چھتر ضلع چاغی میں ہے جبکہ تیسرا چھتر، مری بگٹی کوہستان میں ایک قدیم موضع ہے۔

ڈسٹرکٹ گزیٹیر سبی میں مذکور ہے کہ کہیریوں کے بزرگ قائد نعمت شاہ نے چھتر کا موضع کرچانیوں (پچانیوں) سے خریدا تھا۔ اس بیع کے وقت چھتر قبیلہ کے باقیات مقامی لوگوں میں موجود تھے جو گنے جاسکتے تھے۔ لیکن چند سالوں ہی کے اندر اندر ایسے ناپید ہوگئے تھے جیسے کبھی وہاں بستے نہیں تھے۔

دریائے جمنا کے آس پاس ان کا ایک قدیم علاقہ چھترپور کے نام سے رہا ہے۔ گوجر مصنفین لکھتے ہیں۔ اس قبیلہ کا جد امجد چھتر نامی شخص تھا جو راجپوتوں کی سڑویہ گوت سے تھا۔ گوجروں میں اس کا طائفہ موجود ہے۔

چھتر ایک قدیم کشمیری قبیلہ رہا ہے۔ وہاں ایک مشہور گاؤں ان کے نام سے موجود ہے۔ اس قبیلہ کا بنیادی مرکز یا مرکزی شہر چترال بیان کیا جاتا ہے۔ جو کسی دور میں چھتروں کا ایک آزاد وطن ہوتا تھا۔ چترال کا لفظ اصل میں "چھتروال" رہا ہے یعنی چھتر قوم کا ملک۔

چھڈ

"چھڈ" نام کے بلوچستان میں دو معلوم موضع ہیں۔ ایک چھڈ گدر، تحصیل سوراب میں واقع ہے جب کہ دوسرا چھڈ زباد، گریشہ ضلع خضدار میں ہے۔ دونوں نام قدیم ہیں اور مقامی لوگ اس کی وجہ تسمیہ نہیں جانتے۔

کشمیری اور ہندوکش قبائل میں چھڈ قبیلہ کا نام آیا ہے۔ جسے ایک کشمیری قبیلہ کہا گیا ہے جس نے گاؤں چھڈ گرام (یعنی چھڈ گاؤں) بسایا تھا۔ یہ چھڈ گاؤں کی بلندی سات ہزار فٹ ہے۔ گاؤں کے لوگوں کا ذریعہ معاش مویشیوں کی پرورش ہے۔ موجودہ وقت میں چھڈ میں کوئی چھڈ نہیں بستا اور نہ ہندوکش کے دیہاتوں کے

قبائل میں ان کی کوئی قابل ذکر تعداد ہے۔ البتہ منتشر حالت میں ان کے گھرانے موجود ہیں۔ اکثر قبیلوں کی مانند بلوچستان میں ان کی آمد اور آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔

چُکو

"چُکو" خضدار کے قریب باغبانہ سے متصل ایک پہاڑی سلسلہ کا نام ہے۔ دراصل یہ الفاظ "چُک کوہ" ہے۔ یعنی چک پہاڑ یا چُک کا پہاڑ۔ اسی پہاڑی کے دامن کے متعدد چھوٹی چھوٹی بستیوں کے بکھرے ہوئے آثار ہیں۔ یقیناً یہیں پر کسی زمانے میں قبیلہ "چُک" کا کوئی طائفہ رہ بس گیا ہوگا اور اس کے موضع کا نام پہاڑی بند پر چسپاں ہو کر دوام پا گیا۔

"چُک" قبیلہ ہندوکش کے سلسلے کے خطوں کا ایک قدیم قبیلہ رہا ہے جو کشمیر تک بڑی قوت اور اکثریت کے ساتھ موجود رہا ہے۔ ایک انگریز مسٹر لارنس، اپنی تصنیف "ویلی آف کشمیر" میں لکھتا ہے کہ اس قبیلہ کے بارے میں کافی شکوک وشبہات موجود ہیں۔ ان کی اصل کا صحیح پتہ نہیں چلتا لیکن اندازہ یہی ہے کہ ان کی اصل چیلاس کے درد قوم ہے۔(۳)

تاریخ حسن میں ہے کہ چک قبیلہ کے بزرگ کشمیری بادشاہوں کے ادوار میں دردستان سے کشمیر میں چلے آتے رہے ہیں اور اپنی بستیاں بساتے رہے ہیں۔ 960 ہجری تک کشمیر میں یہ خوب زور پکڑ گئے اور خود مختار ہو گئے۔ ان کی طاقت اتنی مضبوط ہوگئی کی کشمیر کی حکومت پر قابض ہو گئے اور پورے دبدبے سے پینتیس (۳۵) سال تک حکمران رہے۔

"تاریخ گلشن کشمیر" میں ہے کہ چک ایک قبیلہ کا نام ہے کہ قدیم زمانے میں گلگت اور بلتستان میں بودوباش رکھتا تھااور آس پاس کے علاقوں میں اس کی کافی شہرت ہوتی تھی۔ یہ ایک بہادر اور لڑاکو قوم ہوتی تھی جو اکثر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ کشمیر میں اس قوم کی تاریخی شخصیتوں میں لنگر چک، پانڈہ چُک، کاجی چُک مشہور شخصیتیں گزری ہیں۔ اس قوم کے مشہور بادشاہوں میں یوسف شاہ گزرے ہیں جو 1586ء تک برسر اقتدار رہے اور بڑے شان و شوکت سے حکمرانی کی۔ یوسف شاہ کی بادشاہی کا خاتمہ 1586ء میں اکبر بادشاہ کے ہاتھوں ہوا۔

چُک قوم کے مذہب کے بارے میں کئی روایات کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن میں انہیں ہندومت اور بدھ مت کے پیروکار کہا گیا ہے۔ لیکن "ویلی آف کشمیر" میں لارنس لکھتا ہے کہ کئی شکوک وشبہات کے باوجود چک، ہندومت وغیرہ سے مسلمان نہیں ہوئے ہیں۔ جون بدلف اپنی کتاب "ہندوکش کے قبائل" میں فرشتہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 1496ء میں میر شمس الدین نامی ایک شخص جو شاہ قاسم کا مرید اور سید محمد نوربخش کا بیٹا تھا، عراق سے کشمیر آیا۔ فتح خان (بادشاہ کشمیر) نے تمام نئی مفتوحہ زمین اس بزرگ کے حوالے کی۔ پھر اس نے اپنے مریدوں کے ساتھ مل کر ہندوؤں کے مندر تباہ کرنے شروع کر دیئے۔ اسے حکومت کی تائید بھی حاصل تھی۔ تھوڑے عرصے میں بہت لوگ نوربخشی فرقے میں شامل ہوگئے، ان میں چک قبیلہ کے لوگ بھی شامل تھے۔

بلوچستان میں خضدار کے مذکورہ بالا مقام پر کب انہوں نے بستی بسائی تھی، اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ موجودہ وقت میں بلوچستان کے قبائل میں ان کا نام نہیں ملتا۔

چلتن

کوئٹہ کا مغربی سلسلہ کوہ چلتن کے نام سے مشہور ہے۔ اسے اسی تلفظ کے ساتھ لکھا اور بولا جاتا ہے لیکن معنی اسے "چہل تن" کے دیئے گئے ہیں اور "چہل تن" یعنی چالیس جسم بمراد چالیس اشخاص کی ایک اساطیری کہانی اس سے منسوب ہے جسے میں نے اپنی کتاب "تاریخی اغلاط نامے" میں درج کیا ہے۔

" چلتن " نام کا قدیم موضع اسی پہاڑی سلسلہ کے اندرون میں کہیں واقع ہوتا تھا جس کی نشاندہی موجودہ وقت میں نہیں ہو سکتی۔ ویسے بھی اس سلسلہ کوہ کے دامان میں کم و بیش اکیس مقامات بڑی اور پھیلی ہوئی رہائشی آثار ہیں۔ جن کی مٹی کی ڈھیریاں پہاڑی پر بہتی ہوئی سیلابی ریلوں نے ملیامیٹ کر دیئے ہیں۔

" چلتن " ایک قدیم کُرد بلوچ قبیلہ ہوتا تھا جو سن عیسوی سے پہلے اس مقام پر آباد رہا ہے۔ یہ بات ہم ایک قدیم کہانی کی روشنی میں لکھ رہے ہیں۔ 1970ء کی ابتدائی سالوں میں ایران کے خانہ فرہنگ میں ایک کہانیوں کی کتاب "سیستان کی کہانیاں (قصہ ہائے سیستان قدیم)" ایک شیلف سے ملی جو فارسی میں تحریر تھی۔ اس میں ایک تورانی پہلوان کک اور کرد پہلوان چلتن کے مابین لڑائی کی کہانی لکھی تھی۔ جو ہم نے سرسری طور پر نامکمل پڑھی تھی۔ اس پر جو عنوان لکھا تھا وہ تھا" کوہِ چلتنان "۔ ان دنوں میں شاعری کرتا تھا اور تاریخ و تحقیق کی طرف مائل نہیں تھا۔ اس لیے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی وقت مجھے اس کہانی کی تلاش ہو گی۔ جب پندرہ سولہ سال بعد مجھے اس کتاب کی ضرورت پڑی اور میں پھر خانہ فرہنگ گیا تو تلاش بسیار کے بعد بھی وہ کتاب دستیاب نہ ہوئی۔

بلوچستان کے کوہِ تفتان کے نواح میں بھی چلتن کردوں کی آباد کاری کے قصے ملتے ہیں۔ یہ قدیم بلوچ قبیلہ خاران میں بھی بودوباش رکھتا تھا۔ ضلع کے بُناپ کے اطراف میں موضع کلنگ میں اس قبیلہ کے نام سے "چلتنانی کئور" یعنی "چلتنوں کی ندی" موجود ہے۔ اسی طرح ایک چلتن بزرگ کی زیارت کوئٹہ چھاؤنی کے رابرٹ مارکیٹ کے مقام پر ہوتی تھی جو کوئٹہ اور مستونگ و کرد گاپ کے بلوچوں کی صدیوں سے مرکز نگاہ رہی ہے اور وہ ہر سال کم از کم ایک بار یہاں حاضری دیتے تھے۔ اب چھاؤنی کی وجہ سے یہ جگہ تقریباً نو گو ایریا بن چکا ہے۔

"چلتن" کے قبیلہ ثابت ہونے سے اس نام سے منسوب ساری من گھڑت کہانیاں بے وقعت ثابت ہو گئی ہیں۔(۴)

حواشی

ا۔ کتاب "شاہانِ گوجر" از مولوی عبد المالک خانصاحب ابو البرکات، ص 509۔

۲۔ صفحہ نمبر 52۔

۳۔ دارد اور درد ایک ہی قوم کے دو تلفظ ہیں۔ دردستان کو داردستان بھی لکھا اور کہا جاتا ہے۔ کتابوں میں دونوں تلفظ ملتے ہیں جو کہ ایک ہی قوم کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔

۴۔ چلتن موضع ہماری قدیم آباد کاروں کی فہرست میں شامل نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک مقامی کرد قبیلہ کہا گیا ہے جو بلوچستان کی سرزمین کے قدیم اور ایجنل باسیوں میں شامل ہے۔ چوں کہ ہمارا موضوع بلوچستان کے قدیم آباد کار ہے اور بلوچ اور کرد جو نسلاً ایک ہیں اور کوچ نسل سے ہیں جو اس سرزمین کے قدیم ترین مالک اور وارث ہیں اور ان کا شمار آباد کاروں میں نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم نے انہیں اپنے موضوع میں شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن چوں کہ چلتن نام کی ایک من گھڑت اور جھوٹی کہانی پھیلائی گئی ہے اس لیے ہم نے اس کہانی کو غلط ثابت کرنے کے لیے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور بتادیا کہ چلتن نام کی کوئی کہانی نہیں بلکہ ایک کرد قبیلہ کے نام کی یادگار ہے۔

حاران

بلوچی اور ترکی زبان میں ادا کرنے والا نام فارسی زبان میں خاران مشہور ہو گیا ہے۔ یہ بلوچستان کا مشہور تاریخی ضلع ہے جو سابق ریاست حاران کے حکمران نوشیروانی خاندان کا مرکزی شہر ہے۔ اس خطہ کے قدیم گنابُد، مقابر، تباہ شدہ قلعے اور سینکڑوں آبادیوں کی ڈھیریاں اور ٹیلے وغیرہ اس کی پرانی شان و شوکت اور عظمت کے زندہ ثبوت ہیں۔ یہاں پر عربوں، ایرانیوں، تورانیوں تیموریوں، نکودریوں اور سیستانی بلوچ قبائیلوں کا تاریخی شخصیتوں کے گنابد، مقبرے، قلعے اور تباہ شدہ مواضع کے ملبوں کی ڈھیریاں یہ ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ یہ مقام ضرور کسی قدیم ملک کا مرکزی مقام یا دارالخلافہ رہا ہے۔ بلوچستان میں شاید ہی کوئی اور ایسا مقام ہو جو آثار قدیمہ کے حوالے اس قدر امیر ہو۔

یہاں کئی قدیم ترین مذہبی آثار کو سینکڑوں سالوں سے ریت کے طوفانوں نے اپنے نیچے دبا دیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ خطہ قدیم بلوچی سیستان کا اہم ترین جنوبی حصہ رہا ہے۔ جہاں پر ایک قدیم ترین بلوچ قبیلہ بلخ بھی آباد رہا ہے۔ موجودہ خاران شہر اسی بلخ قبیلہ کے قدیم موضع پر آباد ہے۔

حاران کا اصل نام عربی تصانیف "روضۃ الجنت، روضۃ الصفا، کتاب المسالک والممالک وغیرہ میں " قارہ" اور قاران لکھا ہے۔" قاران، قارہ کی جمع ہے۔ تیموری لشکر کے نکودریوں پر حملوں کے واقعات کی ذیل میں بھی علاقے کو کاران (ترکی تلفظ) کہا گیا ہے۔ ابوالفضل کے آئین اکبری، میں بھی اس خطے کے لیے کاران نام استعمال کیا گیا ہے۔ سیستان سے متعلق تاریخی تصانیف میں حاران کے

سلسلہ کوہ راسکوہ اور قرب وجوار کے لیے بھی "قارہ" نام استعمال کیا گیا ہے۔ جب کہ راسکوہ کی چوٹی کے لیے بلوچی لفظ "برفین" بمعنی برف آلود استعمال ہوا ہے۔ یاد رہے کہ قارہ ایک نامی گرامی عرب جنگجو قبیلہ رہا ہے جو مشہور عدنانی قبیلہ خندف کے طائفہ "ہون" کی ذیلی شاخ رہا ہے۔ جو کسی زمانے میں راسکوہ کے دامان میں کہیں بود و باش رکھتا تھا اور متعلقہ مقام کو اپنا نام دے چکا تھا۔ بلوچستان کے علاوہ یہ قبیلہ بغداد کے نواح میں بھی بود و باش رکھتا تھا جہاں پر اس کے نام کا موضع ہے حمص اور دمشق کے درمیان کا ایک موضع، بحرین کا ایک پہاڑی ویران مقام بھی اسی قبیلہ کے نام پر ہے (ا) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرب قبیلہ نے مختلف خطوں میں اپنی بستیاں بسائی ہیں۔ تواریخ میں اس قبیلہ کے جد امجد "قارہ" کا نسب نامہ درج ذیل طرح سے دکھایا گیا ہے:

"قارہ ولد عمرو ولد جاسم ولد عملیق ولد لاؤذ ولد سام ولد نوحؑ"

اندازہ یہی ہے کہ بیشتر عرب طائفوں کی طرح قبلہ قارہ بھی بلوچستان کے اس حصے میں چھٹی صدی عیسویں سے آٹھویں صدی عیسویں کے درمیان آباد ہوا ہو گا۔

نبیؐ کے زمانے میں مدینہ میں دو اہم قبیلے موجود تھے عضل اور دوسرہ قارہ۔ مذکورہ دونوں قبیلے جنگجو ہوا کرتے تھے وہ جس لڑائی میں کود پڑتے بڑی دلیری سے لڑتے تھے اور دشمن کو حواس باختہ کرتے تھے۔

حَر

"حر" نام کے کئی مواضع بلوچستان میں موجود ہیں جن میں پسنی، کیچی دشت میں حرانی بینٹ، حاران میں حرانی ناوڑ، کلانچ میں موضع حر شامل ہیں۔ بلوچستان کے علاوہ افغانستان اور عرب ممالک میں بھی اس نام کے مواضع ہیں۔ عربستان میں حران، افغانستان میں حرات (حر کی جمع صورت)، ترکی میں نصیبین اور عرفہ کے درمیان موضع حران، بحرین میں بنوع عامر بن حارث بن اتمار میں "حر" نام کے دو مواضع، نواحِ دمشق میں ایک بستی شامل ہیں۔

بیسیوں مقامات پر مذکورہ نام کی بستیاں بتاتی ہیں کہ یہ ایک بڑا اور پھیلا ہوا قبیلہ تھا۔ اس کی مرکزیت یا بنیادی شہر کون سا تھا، پتہ نہیں چلتا۔ جن عربی کتابوں تک ہماری ممکنہ رسائی رہی ہے، ان میں حر قبیلہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا صرف نام ملتا ہے جو مواضع پر چسپاں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی جائے پیدائش بھی "حران" (حر کی جمع صورت) ہے۔ اگر مذکورہ "حران" کی نسبت زیر بحث حر سے ہے تو یہ قبیلہ تقریباً ساڑھے چار ہزار سال قبل بھی موجود تھا۔ اور اگر وہ "حر" کوئی عرب قبیلہ رہا ہے تو اس کا تذکرہ کسی عربی تصنیف میں نہیں ملتا۔ اگر یہ ہندی قبیلہ ہے تو گوجر مصنفین نے اسے گوجر قبیلہ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ گوجر گوتین سکندر اعظم کے زمانے سے صدیوں قبل وجود رکھتے تھے اور سمندر کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ ۲۰ ہجری میں جاٹ اور گوجر حضرت ابو موسی اشعریؓ کی فوج میں شامل تھے جو یزدگرد کی فوج سے برسرپیکار تھے۔ یہ دستے تاریخی کتابوں میں، عربی میں "زط" کہلاتے تھے۔(۲)

تصنیف "تاریخ گوجران" میں قبیلہ "حر" کو چوہان گوجروں کی ان چوبیس گوتوں میں سے ایک گوت لکھا ہے جنہوں نے وقتاً فوقتاً ہندوستان میں حکومت کی ہے۔(۳)

اسی مصنف نے اس طائفہ کو چوہان گوجروں کی شاخ لکھا ہے اور چوہان گوجر قبیلہ کو بنیادی اور خالص گوجر ذات لکھتے ہوئے نسبی لحاظ سے اسے سکندر اعظم کے بیٹے شہزادہ سکندروس گُرجی کی نسل میں شمار کیا ہے۔(۲)

بلوچستان میں کئی مقامات میں آبادکاری کرنے کے باوجود مذکورہ قبیلہ کا ایک گھر بھی موجود نہیں ہے۔ شاید مقامی قبیلوں میں مدغم ہو کر بے نشان ہو گئے۔

حلوائی

حلوائی، خضدار شہر کے مشرق کی بلند و بالا پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، ایک قدیم موضع کا نام رہا ہے۔ موضع کے آثار معدوم ہو چکے ہیں اور اب یہ نام اسی پہاڑ کا نام رہ گیا ہے۔ جس سے ایک من گھڑت اساطیری کہانی منسوب کر دی گئی ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب "تاریخی اغلاط نامے" میں درج کیا ہے۔

حلوائی ایک کشمیری قبیلہ رہا ہے جس نے کسی دور میں خضدار وادی کے مشرقی پہاڑ کے دامن میں اپنی بستی بسائی ہو گی۔ یہ قبیلہ اب بھی کشمیر میں اور پنجاب کے شہروں میں منتشر گھرانوں کی صورت میں موجود ہے۔ واضح ہو کہ عرب مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے پہلی صدی ہجری میں جاٹوں کی وسیع پیمانے پر نو آبادیوں کا تذکرہ کیا ہے جو منصورہ سندھ سے کرمان تک کے درمیانی علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ مصنفین نے ان جاٹوں کو ہندی الاصل لکھا ہے۔ جن کی

آبادکاری کے آثار ان قبائل کے اسماء کی شکل میں پورے بلوچستان میں قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔

حلوائی قبیلہ کی ایک مشہور شخصیت محدث امام شمس الائمہ حلوائی الحنفیؒ نامی گزرے ہیں جو ۴۵۴ ہجری کے بزرگ شخصیت تھے۔

حواشی

ا۔ دیکھئے معجم البلدان از یعقوب عبداللہ رومی حموی بغدادی، اردو تلخیص از غلام جیلانی برق، صفحات 266اور 278، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

۲۔ "شاہان گوجر" از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب، ص 201۔

۳۔ تصنیف حافظ عبدالحق سیالکوٹی، ص 322۔

داردان

بلوچ سرزمین پر "داردان" کے نام سے بھی کئی مقامات یا مواضع قدیم زمانوں سے موجود ہیں۔ جن کی وجوہات تسمیہ سے مقامی لوگ ناواقف ہیں۔ مغربی بلوچستان کے ایرانی حصے میں ایک موضع "داردان" کے نام سے ہے۔ اسی طرح وسطی بلوچستان کے ضلع خضدار کے علاقے گریشہ میں قدیم موضع "داردان" نام لیے ہوئے ہے۔ جہاں پر ساجدیوں کی سترہویں صدی عیسویں کے ایک مشہور سردار "ساکاخان" کا قلعہ کھنڈرات کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ مندرجہ بالا کے علاوہ مکران کے ضلع کیچ کے وسیع و عریض "دشت" میں بھی "داردان" کے نام کی جگہ ہے۔ جہاں کے چند بزرگ اس نام سے مراد ایسی جگہ کے لیتے ہیں جہاں پر گندم کی پیداوار وافر ہو۔ جب کہ "داردان" کا نام مذکورہ معنویت کا مظہر نہیں ہے۔ محض نام کے آخری حصہ "دان" (دانۂ گندم) کی بنیاد پر مذکورہ تشریح فرض کر لی گئی ہے۔

دراصل مذورہ نام جمع کے صیغے میں مستعمل رہا ہے یعنی "دارد" کا جمع ہے۔ "دارد" ایک قدیم کشمیری قبیلہ رہا ہے جسے بعض کتابوں میں "درد" بھی لکھا گیا ہے۔ علاقہ گلگت و بلتستان کا قبل از تاریخ نام، اس قبیلے کی نسبت سے "داردستان" رہا ہے۔ مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے اس خطے کے باسیوں کے لیے "دردی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک قدیم تاریخی کتاب "راج ترنگنی" کے مصنف پنڈت کلھن نے گلگت و بلتسان کے خطے کو "درددیش" کے نام سے تحریر کیا ہے۔(۱)

جی۔ایم۔میر لکھتے ہیں کہ وادی کشمیر کے شمالی بلتستان اور گلگت میں رہنے والے لوگ "دارد" کہلاتے ہیں۔ ان علاقوں کا نام قدیم تاریخ میں "دردستان یا بلورستان" درج ہے۔ ماہرین کے مطابق یہ لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور بہ قول ان کے قدیم آریاؤں کی ایک شاخ وسط ایشیا سے جنوب کی طرف ہجرت کرنے والے قافلوں سے جدا ہو کر گلگت اور بلتستان کے علاقوں میں پھیل گئی تھی۔(۲) وہ مزید لکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے قبل یہ لوگ زیادہ تر بدھ مت یا ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ ان کے علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں کو بشمول کشمیری اور پہاڑی ایک ہی گروپ یعنی "دارد گروپ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کتاب "پاکستان کی قومیتیں" میں اس کے مصنف گنکوفلسکی نے اسٹرابون کی پانچویں جلد کے صفحہ ۴۰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ ایک بڑا ہندوستانی قبیلہ ہے جو کوہستانوں میں بودوباش رکھتے ہیں۔(۳)

اسی طرح ڈی۔سی۔سیر یئر اپنی کتاب "سٹڈیز ان دی جیوگرافی آف اینشینٹ اینڈ میڈیول انڈیا" کے صفحہ 25 پر لکھتے ہیں کہ دارد قبائل کشمیر اور اس کے جنوبی کوہستانوں کے دامان میں رہتے تھے۔

بلوچ علاقوں میں اس قبیلہ کی آبادکاری کس زمانے میں ہوئی تھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا لیکن گمان غالب یہی ہے کہ جس زمانے میں وسطی ایشیا سے اریائی گروہ جنوبی علاقوں سے گزرے ہوں گے، اسی زمانے میں داردوں نے بلوچستان میں اپنے گاؤں بسائے ہوں گے۔ صدیوں تک ان کے مواضع کے ناموں کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ دارد لوگوں کی آبادی عارضی نہیں تھی اور وہ اپنے طویل قیام کے دوران مقامی قبائل میں ضم ہو کر اپنی انفرادیت کھو بیٹھے۔

درواز

"درواز" جسے دروازا بھی کہا جاتا ہے۔ کوئٹہ کے دشت بیدولت کا ایک قدیم موضع رہا ہے۔ خضدار ضلع کے گاؤں ٹُوتک علاقے میں بھی اس نام کا ایک موضع موجود ہے۔ یہ نام درواز اور دروازا دونوں طرح سے تلفظ کیا جاتا ہے اور تحریروں میں بھی دونوں طرح سے ملتا ہے۔

یہ ایک قدیم کشمیری قبیلہ گزرا ہے جو ہندوکش سلسلے کی کوہستانوں میں آباد رہا ہے۔ اس قبیلہ کا مرکزی شہر ہندوکش علاقے میں ہنزہ، کولاب وغیرہ کے قرب وجوار میں اسی نام سے موجود ہے۔ طبقات ناصری میں اس قبیلہ کا ذکر ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ملک مسعود کے بیٹے ملک فخرالدین کے زمانہ اقتدار میں بامیان اور طخارستان کے کوہستانوں میں درواز اور بلور نامی علاقے موجود تھے۔ ملک فخرالدین کا زمانۂ اقتدار 1210-1216ء ہے۔ مذکورہ بلور اور درواز علاقے ترکستان میں شامل ہوتے تھے۔(۴)

موجودہ وقت میں ان کے ہنزہ اور کولاب کے علاقوں میں یہ قبیلہ نظر نہیں آتا اور ان میں زیادہ تر مولئی قبیلہ آباد ہے۔ جن کا تعلق اسماعیلی فرقے سے ہے۔

درواز قبیلہ کے بارے میں تفصیلی معلومات فی الحال ہمیں دستیاب نہیں ہوئیں۔ کوئٹہ کے قریب ان کے نام کا موضع ظاہر کرتا ہے کہ اس قبیلہ کا کوئی گروہ یہاں تک پہنچ چکا تھا اور اپنی بستی بسا چکا تھا۔

درُون

درُون، ضلع آواران میں ایک پہاڑی سلسلہ کا نام ہے۔ یہ نام اسی سلسلے کے کسی خاص مقام کی نسبت سے سلسلہ کوہ پر پڑ گیا ہے۔ لیکن موجودہ وقت میں وہ خاص مقام یا اپنے وقت کا رہائشی مقام زمانے کے حادثات نے بے نشان کر دیا ہے۔ درون کے نام کا ایک اور موضع بلوچی سیستان میں واقع ہے جو گاؤں کوچان کے قریب ہے۔ یہ ترکمانوں کا گاؤں ہے اور اس کی آبادی درون ترکمانوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ درون ایک ترکمان قبیلائی گروہ تھا جس نے ضلع آواران میں کسی وقت بود وباش اختیار کی تھی۔

سیستان میں یہ قبیلہ انتہائی طاقتور اور سرکش قبیلہ ہوتا تھا اور اکثر و بیشتر حکمرانوں کے لیے دردسر بنا رہتا تھا۔ نادر شاہ افشار نے اپنے وقت میں درون ترکمانوں کو زیر کرنے کے لیے کئی دفعہ اس گاؤں پر حملے کئے اور اسے تاراج کرتے رہے۔ جس کے نتیجے درون ترکمن نے اپنی قوت اپنے نام کے گاؤں میں کھو دی اور ان کی مرکزیت ٹوٹ گئی اور ان کے گروہ آس پاس کے علاقوں میں منتشر ہو گئے۔

بلوچستان کے اس ضلع میں درون ترکمن گروہ یا طائفے کی آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ جس زمانے میں دیگر ترکمن طائفے جیسے اگور، آوار وغیرہ آئے تھے درون بھی انہی ایام میں آئے ہوں گے اور اپنی بستی بسا چکے ہوں گے۔

ڈریج/ڈریجہ

ڈریج، بلوچستان کے علاقہ کولواہ (آواران) کا ایک چھوٹا سا موضع ہے۔ اسے دریجہ بھی تلفظ کیا جاتا ہے۔ دریجہ نام سے بھی لس بیلہ کے اوتھل میں ایک موضع ہے۔ آواران کے ڈریج گاؤں سے کچھ لوگ نکل کر لس بیلہ میں آباد ہو گئے اور دریج کی نسبت سے ڈریجی کہلائے اور پھر ان کے قیام کی جگہ بھی ان کے نئے نام سے ڈریجی کہلایا جو اب چھٹہ قبیلہ پر مشتمل گاؤں ہے۔

"دریج" پنجاب کا ایک قدیم منتشر قبیلہ ہے جو متعدد دیگر بڑے قبائل میں ایک ذیلی شاخ کی حیثیت سے شامل ہے۔ بہاولپور میں قریشی قوم کی وہ شاخیں جو چولستان کی ملحقہ زرعی آبادیوں میں سکونت پذیر ہیں ان میں قبیلہ ڈریجہ بھی ہے۔ جبکہ پنجاب کے "مہر" جٹ قبیلہ میں بھی یہ قبیلہ ایک شاخ کی حیثیت سے موجود ہے یعنی ایک مقام پر اس کا شمار قریشیوں میں ہوتا ہے جب کہ دوسری جگہ اِسے جٹ قوم میں شمار کیا گیا ہے۔ بلوچستان میں اس قبیلہ کے گروہ کی آبادکاری یقیناً اسی دوران میں ہوئی ہے جس میں دیگر بیسیوں جاٹ اور گوجر طائفے مال چرائی کرتے ہوئے عراق تک جا پہنچے تھے۔ "ڈریج" اپنے نام کے موضع میں کب تک موجود رہ کر اپنی شناخت برقرار رکھتے رہے، کوئی نہیں جانتا۔ اندازہ یہی ہے کہ ان کے بچے کھچے لوگ ہندی دراوڑ قبیلہ کورواہ (کولواہ) کی اکثریت میں مدغم ہو کر بے نام ہو گئے۔

دوراہی

"دوراہی" مغربی بلوچستان کا ایک قدیم موضع ہے جو ضلع کیچ کے مند سے پیشن جاتے ہوئے راستے پر آتا ہے۔ قدامت کے لحاظ سے مقامی لوگ اسے بھی قدیم کہتے ہیں لیکن پندرہویں صدی سے پیچھے نہیں جاتے۔ روایت یہی ہے کہ جب رند قبائل مغربی بلوچستان میں پھیل رہے تھے تو دوراہی کے باشندے جو چند گھروں پر مشتمل ہوتے تھے گاؤں خالی کر کے سرباز کی طرف چلے گئے اور اُسی اطراف میں آباد ہوگئے تھے۔ یہ تمام گھرانے دوراہی کے نام سے مشہور تھے۔ موجودہ وقت میں نہ ان کے گھرانوں کی پہچان ہوتی ہے اور نہ ہی دوراہی کے نام سے کوئی طائفہ یا گھرانہ منسوب ہے۔

"دوراہی" دراصل کشمیری گھرانے یا کشمیریوں کا طائفہ ہوتا تھا جس نے مذکورہ جگہ پر اپنی بستی بسائی تھی۔ یہ علاقہ چترال کے گاؤں دوراہ کے رہنے والے ہوتے تھے جو نامعلوم حالات اور وجوہات کی بنا پر اپنا علاقہ چھوڑ کر مذکورہ مقام پر آباد ہوئے تھے اور اپنے مسکن "دوراہ" کی نسبت سے "دوراہی" کہلاتے تھے۔

دوراہ کی وادی "دوراہ کوتل" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بدخشان اور چترال کے درمیان کی وادی ہے جو سطح سمندر سے 14800 فٹ بلند جگہ ہے۔ چونکہ چترال کا علاقہ انتہائی سرد ہے اس لیے سردیوں میں اس کے اکثر گاؤں کئی کئی مہینوں بند رہتے ہیں۔ دوراہ بھی تقریباً سات ماہ بند رہتا ہے اور صرف پانچ مہینے کھلا رہتا ہے۔(۵)

دوگن / دوگناں

"دوگن" کے مواضع بلوچستان میں کئی جگہوں پر موجود ہیں۔ رخشان کے ناگ کے ایک موضع کا نام "دوگن" ہے۔ دوسرا موضع زہری گھٹ میں ہے۔ جب کہ بصورت جمع "دوگناں" چاغی کے دالبندین میں ایک ندی یہ نام لیے ہوئے ہے۔ لیکن اس نام کا کوئی طائفہ یا گھرانہ بلوچستان کے مذکورہ علاقوں میں نہ دیکھنے کو ملا ہے نہ سننے کو۔

تاریخی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک قبیلہ ہے جس کے طائفے موجود وقت میں ایران اور عراق میں پھیلے ہوئے ہیں ترک اور کرد دونوں قبائل میں موجود ہیں۔ نسلاً اس قبیلہ کا تعلق کس بڑے قبیلے سے ہے ترکوں سے یا کردوں سے؟ اس کا ذکر کسی کتاب یا تحریر میں نہیں ہے۔ جن علاقوں میں دوگن موضع ہیں وہ علاقے زمانہ قدیم میں مجموعی طور پر ترکوں اور کردوں سے منسوب رہے ہیں۔ رخشان کے نام میں جو موضع ہے وہ خطہ زمانہ قدیم میں کرد چراگاہوں کے قریب رہا ہے۔ خود رخشان کا علاقہ جو اپنے وقت میں "رہشان" کہلاتا تھا، کرد چراگاہ رہا ہے اور غالباً "رہش" نام ایک کرد قبیلہ کا رہا ہے۔

دالبندین کے خطے میں بھی ماضی میں کئی کرد طائفے آباد رہے ہیں۔ وہاں دوگناں نام کی موجودگی بھی اس نام کو کرد قبیلہ ثابت کرتا ہے۔ تیسرا موضع علاقہ زہری کے گھٹ میں ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ علاقہ توران میں رہا ہے۔ جہاں اکثر ترک قبیلے بود و باش رکھتے ہیں تھے۔ تاہم توران کے اس خطے میں بھی کرد طائفے

میں موجود رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ ترک ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کرد قبیلہ رہا ہو۔ بہر حال مندرجہ بالا مطالعے سے ہم اسے نسلاً نہ ترک کہہ سکتے ہیں نہ کرد۔

ایران و عراق میں بھی یہی صورت حال ہے کہ وہاں دوگن ترکوں میں بھی شامل ہیں اور خود کو تُرک بھی کہتے ہیں اور جہاں کردوں میں موجود ہیں وہاں یہ اپنے کو کرد کہتے ہیں۔ ترکی میں بھی یہ قبیلہ بہت پھیلا ہوا ہے جہاں پہ ڈغاں تُرک مشہور ہیں۔ یہ نام موجودہ ترکی زبان میں ہے وگرنہ زمانہ ماضی میں ترک ق، غ، ف، اور خ نہیں بول سکتے تھے۔ اس لیے ماضی میں اس نام کو "دوگن" ہی لکھا اور ادا کیا جاتا تھا۔ آج بھی ترکوں کی اکثریت مذکورہ عربی حروف کو ادا نہیں کر سکتے۔ دوگن قبیلہ کا ایک نامور سردار ائیڈوگو بن کوش دوغان نے حوزستان پر حکومت یہ شخص سلجوقی حکمرانوں کا ایک نائب رہا ہے۔ اس کا عرصہ حکمرانی 1148-1174ء تھا۔

بلوچستان میں دوگن طوائف کی آباد کاری یقیناً اسی زمانے میں ہو گی جب ترکوں کے نام سے ایک ملک توران دنیا کے نقشے میں خضدار کی مرکزیت کے ساتھ وجود رکھتا تھا۔

دولئی

دولئی، مستونگ کا ایک گنجان آباد گاؤں ہے۔ گاؤں کے باسی اس نام کی تاریخ اور وجہ تسمیہ سے نابلد ہیں۔ کشمیری تواریخ میں اس قبیلہ کا نام آتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں تفصیلی ذکر کتابوں میں مفقود ہے۔ اس کا شمار بنیادی طور پر ہندوکش کے سلسلے کے قبیلوں میں کیا جاتا ہے جو الائی وادی کے علاقہ کنزا میں بودو باش رکھتے تھے۔ کنزا وادی کا شمالی حصہ کنزا خاص کہلاتا ہے۔ یہاں پر سب سے بڑا

گاؤں بلکانائی نامی ہے جس کے چار سو دیہات ہیں۔ ان میں سے ایک دیہات دولئی قبیلہ کا مرکز رہا ہے۔ انگریز مصنف جون بدلف نے اپنی تصنیف "ہندوکش کے قبائل" (اردو ترجمہ از جاوید شاہین) میں 1880ء کے دوران دولئی کے پانچ سو گھر بتائے ہیں اور ان کے بارے میں مزید بات نہیں کی ہے۔

بلوچستان میں اس قبیلائی طائفے کی آمد اور آبادکاری کے سن و سال کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ موجود وقت میں اس نام سے کوئی گھرانہ بلوچستان کے قبائل میں نہیں ملتا ہے۔

دیبہ

مذکورہ نام کوئٹہ کے ایک گاؤں کا نام ہے جو "کلی دیبہ" کے نام سے مشہور ہے۔

کوئٹہ کے چند ایرانی کاروباری شخص جو فرقہ "بہائی" سے تعلق رکھتے ہیں کا کہنا ہے کہ مذکورہ نام بنیادی طور پر "کلی دیوان" ہوتا تھا جسے بلوچ لوگ "کلی دیبا" میں بدل چکے ہیں۔ ان کے مطابق یہ ایک خطرناک جنگل ہوتا تھا جو دیوؤں کے قبضے میں ہوتا تھا اور دیووں کے خوف سے اس طرف سے لوگ گزرتے بھی نہیں تھے۔ دراصل یہ ایک گھڑی ہوئی کہانی لگتی ہے۔ دیووں کی کوئی "کلی" یا بستی نہیں ہوتی۔ مذکورہ نام اپنی اصل شکل میں برقرار ہے صرف تحریر میں کہیں "دیبہ" لکھا ملتا ہے اور کہیں دیبا۔

کھوج لگانے پر مذکورہ نام بھی ہمیں حافظ عبدالحق سیالکوٹی کی تاریخ گوجراں کے صفحہ تین سو ترانوے پر مار گوجروں کی کی دی ہوئی اکتیس ناموں کی

فہرست میں نظر آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مذکورہ شاخوں میں کچھ شاخیں مسلمان ہوگئی ہیں اور کچھ دریائے سندھ کے پار سکونت پذیر ہیں۔ دیبہ گوت کے بارے میں انہوں نے کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ دیبہ گوت کے لوگ مسلمان ہوگئے تھے یا اپنی قدیم مذہب پر قائم رہ گئے تھے۔ کوئٹہ کے اس گجّر نام کے گاؤں میں تقسیم ملک سے قبل بھی گجر رہتے رہے ہیں اور اب بھی کئی گھر ہیں لیکن یہ پتہ نہیں لگ سکا ان گجروں میں "دیبہ" نامی گھرانے موجود ہیں یا نہیں۔ بلوچستان میں گجر تو کافی ہیں لیکن انہیں قبیلائی نام گجر کے علاوہ اپنے طائفوں کا علم نہیں ہے۔

دیول

"دیول" نام کے مواضع مکران میں موجود ہیں۔ ایک قدیم موضع گوادر ضلع کے گاؤں کُلانچ میں ہے۔ دوسرا "دیول" مکران کے کیچی دشت میں ایک وسیع و عریض میدان کا نام ہے جسے "دیول" ءِ "ڈن" یعنی "میدان دیول" کہا جاتا ہے۔ یہ میدان سطح زمین پر ہموار اور دور دور تک انسانی آبادکاری کے آثار سے محروم نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے کناروں کی پہاڑیوں کے دامان میں انسانی آبادکاری کا جال دکھائی دیتا ہے۔ زمین کی سطح کے نیچے سے گنجان آبادی کے آثار ملے ہیں۔ مذکورہ آثار خزانہ تلاش کرنے والوں کی جگہ جگہ کھدائی کے نتیجے میں برآمد ہوئی ہیں۔

مکران کے اسی کیچی دشت میں "دیول دمب" کے نام سے ایک پہاڑی بھی موجود ہے۔ جس کے دامان میں جگہ جگہ کھدائی کی گئی ہے۔ جہاں سے عراقی کلچر کے کئی آثار برآمد ہوئی ہیں۔

"دیول" کے مواضع کے باشندوں کو اس نام کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ ایک دو روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایک ترک قبیلہ رہا ہے جو کسی زمانے میں مذکورہ مواضع میں آباد رہا ہے۔ لیکن آباد کاری کے سن و سال کوئی نہیں بتا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ نام "دیول" ایک ہندوستانی جاٹ قبیلہ ہے جو آج بھی انڈیا میں موجود ہے۔ اس ذات کے نامور لوگ ہندوستانی فلموں میں بطور مشہور اداکار کام کرتے ہیں۔ ابتدائی اسلامی دور میں موجودہ کراچی کے حدود میں ہندؤوں کا ایک مشہور شہر "دیبل" وجود رکھتا تھا۔ اس عالمی شہرت یافتہ تجارتی شہر میں ایک تاریخی مندر "دیبل مندر" بھی ہوتا تھا۔ جس پر اسلامی فوج نے محمد بن قاسم کی کمان میں حملہ کر دیا تھا۔ واضح ہو کہ عرب اور سندھ کے لوگ "دیول" کو "دیبل" تلفظ کرتے تھے۔ مذکورہ نامی گرامی شہر کا آباد کرنے والا قبیلہ یہی "دیول" قبیلہ تھا جو ایک خیال کے مطابق مکران کے کیچی دشت سے آنے والے دیولوں نے یہ شہر بسایا تھا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلامی افواج کے ہاتھوں برباد ہونے والے "دیبل" کے بچے کھچے لوگوں نے بھاگ کر مکران میں پناہ لی ہوگی جہاں ان کے نئے مواضع ان کے قبیلے کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسلامی دور سے سینکڑوں برس قبل تاریخ اس چیز کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ سندھ و ہند سے لے کر عراق و شام تک سینکڑوں ہندی قبیلے جگہ جگہ ڈیرے ڈالے اور پھیلے ہوئے تھے اور مال چرائی کرتے تھے۔ جنہیں عرب مصنفین نے "زط" یعنی جاٹ کا نام دیا ہے۔ ان جاٹ یا زط قبائل میں "دیول" یا "دیبل" قبیلہ بھی ہوا ہوگا جو کہ یا تو ناموافق حالات سے مجبور ہو کر کسی دوسری سمت چلے گئے یا پھر خطے میں موجود بلوچ قبائل میں مدغم ہوئے اور بلوچستان میں بے نشان ہوئے۔

دیہوار

دیہوار، ضلع خاران ماشکیل کے جنوبی سرے کا ایک قدیم گاؤں ہے۔ جو قبیلہ دہوار کے نام سے موسوم ہے۔ یہ نام اب بلوچوں میں اجنبی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اب یہ بلوچ قوم کا اٹوٹ حصہ بن چکا ہے اور قدیم زمانوں سے قلات، مستونگ اور دیزک میں بودوباش رکھتے ہیں اور زمینداری سے منسلک ہیں۔ بلوچ قومی سیاست میں ان کا کردار روز روشن کی طرح رہا ہے ان کے کئی معروف معززین کا شمار بلوچ ہیروز میں ہوتا ہے۔

موجودہ وقت میں یہ ایک مخلوط قبیلہ بن گیا ہے جن میں افغان اور جاٹوں کی بھی آمیزش ہے۔ قبیلہ کے مرکزہ کو مورخین نے تاجک الاصل بتایا ہے۔ تاجیک نام کے ضمن میں سیستان کے مصنف جی۔پی۔ٹیٹ لکھتے ہیں کہ:

"یہ نسل مختلف قبائل میں منقسم ہے جن میں ہر ایک کا اپنا اپنا نام ہے جیسے گندا، دیوانا، دادی وغیرہ جو "سیستان" کے زرعی قبائل ہیں اور خراسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جب خاندان کا قبائلی نام گم یا نا معلوم ہو لیکن یہ پتہ ہو کہ یہ قدیم متعلقہ آبادی سے ہی ماخوذ ہے تو پھر اسے محض تاجیک کہنے پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں کہ:

"تاجیک ایک نکما سپاہی رہا ہے لیکن اس کا جنگی مصرف بھی تھا۔ اس کا کسرتی اور جفاکش جسم، بیلچہ اور کدال پر قدرت اور نہر کاری کی مہارت اسے مشرقی افوج میں ایک مخصوص مقام دے دیتے ہیں۔ وہ قلعہ بندیوں کی تعمیر و مرمت اور محاصرے کی کاروائیوں میں بیحد مفید تھا۔

بیلچوں اور کدالوں سے مسلح تاجیک دستے مشرقی عساکر کے موجودہ سفر منیا تھے۔ محصور قلعوں کی مورچہ شکنی کے لیے تو اجیک ہی سر نگیں بچھاتے تھے اور وہی ان قلعوں کے گرد کی آب آلود خندقوں سے پانی نکالنے کے لیے نالیاں بناتے تھے۔"

"وادی دیزک (ایران کے صوبہ کرمان ضلع بمپور) میں کافی تاجیک آبادی ہے جو اپنے آپ کو دہوار کہتی ہے۔۔۔۔ ان کا کہنا ہے وہ خانہ گزیں تاجیک آبادی کے باقیات ہیں جو کسی وقت علاقہ خاران میں مقیم تھی اور جب حالات اتنے بدل گئے کہ وہ خاران کے نشیبی علاقہ میں نہ رہ سکے تو وہ پہاڑوں، دزّک اور مستونگ میں منتقل ہو گئے۔"(٦)

زمانے کے نشیب و فراز نے ان کے نسلی نام "تاجیک" کو طاق نسیان بنادیا ہے۔ اب وہ بخوشی و رضا و رغبت دیہوار کہلاتے ہیں اور دیہوار ہی ان کی مکمل شناخت بن گئی ہے اور دیگر کئی غیر تاجیک خون مختلف سمتوں سے آکر ان میں مدغم ہو کر دیہوار بن گئے ہیں جن میں پٹھان، افغان، بلوچ، جاٹ وغیرہ شامل ہیں۔

حواشی

ا۔ "جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں"، از جی-ایم-میر، ص 23۔

۲۔ ایضاً، ص 74۔

۳۔ اردو ترجمہ از مرزا اشفاق بیگ۔

۴۔ طبقات ناصری، جلد اول، ص 686۔

۵۔ "تاریخ چترال"، از منشی محمد عزیز الدین، مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور، ص 7۔

۶۔ "سیستان" از جی پی ٹیٹ، اردو ترجمہ پروفیسر انور رومان، مطبوعہ بے نظیر انٹر پرائزر، زرغون روڈ کوئٹہ، صفحات 400-403۔

ڈاہر تنک

"ڈاہر تنک" یعنی ڈاہر گھاٹی، ڈیرہ بگٹی علاقے میں واقع ہے۔ اس کے قریب تاریخی بلوچ ہیر و دودا گورگیج کا مزار ہے۔ یہ نام دراصل "داہر" ہے جو کہ سندھی اور جتکی زبان میں ڈاہر تلفظ کیا جاتا ہے۔ علاقے کے بگٹی اور دیگر قبائل بھی اسے ڈاہر ہی تلفظ کرتے ہیں۔ داہر نام، سندھ کے نامور تاریخی حکمران راجہ داہر کی یاد دلاتا ہے جسکے خلاف لڑنے کے لیے محمد بن قاسم لشکر لے کر آئے تھے۔ بعض لوگوں نے راجہ داہر کی شہرت کی وجہ سے اس مقام کو داہر ہی سے منسوب کر کے روایت کیا ہے۔

معروف محقق اور دانشور شیر محمد مری بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہوئے جنھوں نے لکھا کہ سمجھ نہیں آرہا ہے کہ سندھ کے راجہ داہر کا اس دور افتادہ علاقہ سے کیا تعلق رہا ہے۔ حالاں کہ یہ ضروری نہیں کہ روئے زمین پر ایک ہی داہر جنم لے چکا ہو۔ پھر یہ نام صرف "ڈاہر تنک" ہے کوئی راجہ داہر تنک نہیں ہے۔

"ڈاہر" ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے جو آج بھی سندھ میں وجود رکھتا ہے۔ پنجاب میں یہ قبیلہ گوجروں میں ایک گوت کی حیثیت سے موجود ہے۔ تاریخ گوجراں لکھتا ہے کہ قبیلہ کا جد امجد داہر، راجہ بجے رائے کا بیٹا تھا۔ جو محمود غزنوی کے دور اقتدار میں لدھروامین مسند نشین ہوا تھا۔ اس نے پانچ شادیاں کی تھیں اور اس کے رانیوں کے بطن سے اس کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام بھوج دیو، داہر، مہے جی، منگل جی اور بہنورائے تھے۔ داہر کی نسل اس کے نام پر داہر قبیلہ مشہور ہوا۔ جو بڑا قبیلہ تو نہیں ہے لیکن منتشر صورت میں مختلف علاقوں میں

سکونت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی دور میں اس کا کوئی طائفہ بگٹی علاقے میں آکر بستی بسا گیا ہو گا۔

پنجاب میں اسے جٹ قبیلہ کہا جاتا ہے جو موجودہ وقت میں ساہیوال، مظفر گڑھ، بہاولپور اور شیخوپورہ میں آباد ہے۔ زیادہ تر زمیندار ہیں بلوچستان کے ضلع لس بیلہ کے جاموٹوں میں بھی اس کا ایک طائفہ موجود ہے۔ لیکن لسبیلہ میں یہ اپنی بستی یا الگ موضع بسانہ سکے جس کی یقیناً وجہ ان کی کم تعداد رہی ہو گی۔

ڈل چنّال

مذکورہ نام تحصیل نال ضلع خضدار کے ایک موضع کا ہے جو چنال ذات سے متعلق ہے۔ بلوچستان میں یہ ذات شاید اس زمانے میں ہندوستان سے آکر بسا ہو جس زمانے میں خضدار کے کوہستان میں کنجڑ نامی ذات نے آباد کاری کی ہے۔ یہ ایک اندازہ ہے دونوں ذاتوں کی ابتدائی تاریخ ایک جیسی بتائی گئی ہے۔ ہندی تواریخ میں انہیں پست ترین ذاتوں میں شمار کیا گیا ہے۔

"چنّال" کو تصنیفات میں "چنڈال" اور "چنال" دونوں ناموں سے بیان کیا گیا ہے۔ "قدیم تاریخ ہند" میں اس کے مصنف وی-اے – سمتھ نے "بدھ مذہب کی معاشرت کے اصول" کی ذیل میں اس قبیلہ کے بارے میں لکھا ہے:

> "چنڈال یا اچھوت ذاتیں جذامیوں کی طرح بالکل الگ تھلگ رہتی تھیں جب کبھی وہ شہر کے اندر داخل ہوں تو ان کے لیے ضروری تھا کہ لکڑی کے ٹکڑے کو بجاتے ہوئے جائیں تاکہ لوگ ان کے آنے سے مطلع ہو جائیں۔"(۱)

یہی کتاب "گودر فوک سانگس آف سدرن انڈیا" کے صفحہ نمبر 28 کا حوالہ دے کر لکھتا ہے کہ فصیل کے باہر اچھوت رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چھونا موت سے بدتر ہے۔(۲)

مذکورہ تہذیبی جھلک چنال ذات کی ابتدائی تاریخ و معاشرت سے متعلق ہے جب ان کا تعلق ہندو مذہب سے ہوتا تھا۔ بلوچستان میں یہ ذات جس دور میں بھی آئی تھی اس نئے معاشرہ اور مذہب میں اس نے اپنے کو ڈھال لیا اور بلوچ قوم کا حصہ بنا اور ایک طائفہ کی حیثیت سے آواران، خضدار اور دیگر علاقوں میں بڑے قبائل کا حصہ بنا ہے۔ ان کے بڑے لوگ اپنا قبیلائی نام ظاہر نہیں کرتے اور صرف "بلوچ" تحریر کرتے ہیں۔ بعض اپنے بڑے قبیلے کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں اکثر چنال اپنی قدیم تاریخ اور نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ممکن ہے کہ دو چار تعلیم یافتہ شخص اپنے بارے میں تھوڑا بہت علم رکھتے ہوں۔

ڈنڈار

یہ نام مکران کے ایک قدیم گاؤں کا نام ہے جسے ہندی تواریخ میں ایک ہندو راجپوت قبیلہ کہا گیا ہے۔ جو ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں لاہور کے گاؤں باغبان پورہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد رہا ہے۔ اب بھی یہ انہی علاقوں میں سکونت رکھتے ہیں۔ اصل نام ڈھڈار کہلاتا ہے۔ ڈنڈار صرف بلوچستان میں بولا جاتا ہے جو مقامی بلوچی لہجے کی وجہ سے ڈنڈار میں بدل گیا ہے۔

لاہور کے قریب باغبانپورہ کے مشہور بزرگ مادھولال حسین کا مزار ہے۔ یہ بزرگ شخصیت اسی قبیلہ سے متعلق ہے۔ پاکستان میں ڈھڈار قبیلہ کا مرکزی شہر یہی باغبانپورہ ہے۔

بلوچستان میں اس قبیلائی طائفے کی آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔ البتہ قیاس یہی ہے کہ جب کشمیر و ہندوستان میں بیسیوں قبائلی گروہ یا طائفے اس خطے میں پہنچ گئے تھے ڈھڈار گھرانے بھی اسی ریلے کے حصے رہے ہیں۔ کوئی پہلے پہنچا کوئی آخر میں پہنچ کر بس گیا۔ بلوچستان کے کسی علاقے اور کسی قبیلے میں یہ ذات موجود نہیں۔

ڈنڈور

یہ سراوان میں ایک قدیم چھوٹا موضع ہے جو قبیلہ ڈنڈور سے منسوب ہے۔ انگریز کے زمانہ اقتدار میں یہ ایک اہم اور حساس تھانہ ہوتا تھا۔ جہاں پر مخالفین کو بند کیا جاتا تھا۔

ڈنڈور ایک جاٹ قبیلہ ہے جو دیگر متعدد جاٹ طائفوں کے ساتھ پنجاب و سندھ سے بلوچستان کے علاقہ کچھی میں آئے اور زرعی زمینوں پر مزدوروں کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور رفتہ رفتہ علاقے میں پھیلتے اور آباد ہوتے گئے۔ کچھی میں ان کی آبادکاری کا زمانہ زیادہ بعید نہیں ہے۔ کچھی گزیٹئر کے مطابق مذکورہ جاٹ طائفے جو بیسیوں طائفوں کی تعداد میں ہیں، اٹھارویں صدی کے وسط میں اور زیادہ تر 1900ء کے شروع میں آئے تھے اور بعض لائے گئے تھے۔ 1901ء کی مردم شماری رپوٹ میں ڈنڈور قبیلے کی آبادی چھ سو افراد کے قریب بتائی گئی ہے۔ یہ قبیلہ موجودہ وقت میں علاقے میں موجود ہے جو کبھی کبھی اپنے ناموں کے آگے جاموٹ بھی تحریر کرتے ہیں۔(۳)

ڈھڈے

محرّرہ بالا نام ضلع کیچ کی تحصیل دشت میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس کا شمار علاقے میں قدیم ترین موضعات میں کیا جاتا ہے۔

یہ نام ایک کشمیری قبیلے کا بھی ہے جو اب بھی کشمیر میں بود و باش رکھتا ہے۔ اس قبیلہ کا قدیم ترین مرکز "ڈڈھیال" کہلاتا ہے جو کشمیر میں ایک بڑا گاؤں ہے۔ "ڈڈھڈیال" کے معنی "ڈھڈے وال" یعنی قوم ڈھڈے کا شہر یا علاقہ۔ بلوچستان میں ماسوائے دشت کے کسی اور حصے میں اس نام کا دوسرا موضع دیکھا نہیں گیا ہے۔ پنجاب کے گوجروں میں بھی اس قبیلہ کے گھرانے موجود ہیں۔ جنہیں گوجر باہر سے آنے والے بتاتے ہیں۔ اس قبیلہ کی اپنی نسلی معلومات یا تاریخ کہیں سے دستیاب نہیں ہوئیں۔

ڈھنڈا

"ڈھنڈا" کے نام سے چند چھوٹے بڑے مواضع بلوچستان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ جن میں اہم ترین ڈھنڈا ضلع لسبیلہ، ڈھنڈا ضلع کیچ اور ڈھنڈا ضلع ڈیرہ بگٹی ہیں۔

"ڈھنڈا" ایک ہندی قبیلہ ہے جسے بعض مورخین نے گوجروں سے کہا ہے۔ موجودہ وقت میں ہندوستان کے راجپوتوں کے قبیلہ "پنوار" میں اس کی شاخ موجود ہے۔ یاد رہے کہ جن قبائل کو گوجر مصنفین گوجر لکھتے ہیں انہیں کو راجپوت مصنفین راجپوت لکھتے ہیں۔ گوجر مصنفین کے مطابق گوجر راجاؤں اور سرداروں

کی اولاد راجپوت کہے جاتے ہیں۔ جب کہ راجپوت مصنفین بغیر کسی قبیلائی نشاندہی کے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی ریاستوں کے راجے مہاراجوں کی اولاد راجپوت کہلاتے ہیں۔

غیر جانبدار مصنفین جو نہ گوجر ہیں اور نہ راجپوت اس خیال سے متفق ہیں کہ،

"کئی موجودہ راجپوتوں کے قبائل اور دیگر فرقے مثلاً گوجر، جاٹ، کاٹھی وغیرہ یا تو ہن اور گوجروں کی اولاد سے ہیں یا دیگر اسی قسم کی اقوام کی نسل سے ہیں جو ان کے بعد ہند میں آئیں۔ راجپوتوں، جاٹوں اور گوجروں کی شکل و شباہت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غیر ہندی آباو اجداد بنی نوع انسان کے ان فرقوں میں سے ہیں جو سفید فام اور بالا قامت تھے اور زرد رنگ، تنگ چشم منگولوں کی نسل سے نہ تھے۔"(۴)

ڈھنڈا قبیلہ کشمیر میں بھی آباد ہے جسے وہاں کی ایک قدیم قوم "ہانجی" کی شاخ کہا جاتا ہے۔ ہانجی قوم کے بارے میں کشمیری مصنفین کا کہنا ہے کہ یہ قبیلہ بنیادی کشمیری نہیں ہے بلکہ یہ سری لنکا کا ایک قدیم قبیلہ ہے اور کشمیر میں یہ قبیلہ 102ء اور 162ء کے درمیان وارد ہوا ہے۔ اب اس کے گھرانے سوپور، بارہ مولا، اسلام آباد، ولر جھیل کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ڈھونڈء کلات

مکران کے ضلع کیچ کی تحصیل تُمپ میں ایک بلند و بالا قلعہ کی باقیات کی چند دیواریں شکستہ حالت میں کھڑی ہیں۔ باقیات سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ قلعہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس کی بنیادوں سے لے کر آس پاس کافی دور تک گرے

ہوئے ملبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں یقیناً یہ بڑا قلعہ ہو گا جسے زمانے کے حوادث نے شکست وریخت کے عمل سے گزار کر چھوٹا کیا ہوا ہے۔

علاقے کی روایات اس قلعے کو اٹھارہ سو سال قبل کا تعمیر کردہ بتاتے ہیں۔ جسے ایرانی بادشاہ سردیوں کے شاہی محل کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ معروف تاریخی حکمران بہرام گور سال بہ سال شکار کے لیے آتے تھے اور اس قلعہ میں قیام کرکے پہاڑی بکروں کا شکار کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اصل قدیم قلعہ ایک تباہ کن زلزلے میں تباہ ہو کر زمین بوس ہوا تھا اور ستر سال تک اُس جگہ پر دوسرا قلعہ تعمیر نہ ہو سکا تھا تب یہ مقام "تُمپ" کہلایا جس کے معنی "تباہ شدہ، الٹا ہوا اور خرابہ" کے ہیں۔

اس خرابہ کے اوپر دوسرا چھوٹا سا قلعہ کب تعمیر کیا گیا اور کس نے تعمیر کیا یہ کوئی نہیں جانتا صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب مغربی مکران رند قبائل کا پہلا جتہ تمپ میں داخل ہوا تھا تو ان دنوں یہ قلعہ "ہوتانی کلات" کہلاتا تھا۔ یعنی ہوتوں کا قلعہ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بعد کا قلعہ ہوتوں کا تعمیر کردہ تھا۔ مند اور تمپ کے آس پاس رندوں کا دور تیرہویں صدی عیسویں کے وسط سے شروع ہو چکا تھا۔ بعض رندوں کا کہنا ہے کہ "ہوتانی کلات" بعد کا نام ہے اس سے پہلے یہ "ڈھونڈء کلات" کہلاتا تھا۔ یعنی "ڈھونڈ کا قلعہ"۔ یہ نام اب بھی کہیں کہیں استعمال میں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دراصل اس کا قدیم تباہ شدہ ملبہ "ڈھونڈء کلات" مشہور تھا اور اسی ملبے پر ہوتوں نے دوسرا قلعہ تعمیر کیا ہو گا۔ علاقے کے لوگ "ڈھونڈ" کو بلوچی زبان کا لفظ سمجھ کر معنی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ شاید نئے قلعے کی بنیادیں کھودتے وقت وہاں سے لاشیں برآمد ہوئی ہوں گی۔ اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔ ڈھونڈ بلوچی میں "لاش" کو کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ نام ایک قدیم کشمیری قبیلہ

ڈھونڈ سے منسوب ہے۔ گوجر اور راجپوت مصنفین نے اس قبیلہ کو راجپوت گوت بتایا ہے جو ضلع ہزارہ کی تحصیل ایبٹ آباد اور ضلع راولپنڈی کے شمالی قطعات میں آباد ہے۔(۵)

"تاریخ ہزارہ" کے مصنف ڈاکٹر شیر بہادر خان اپنی تصنیف کے صفحہ نمبر 337 پر لکھتے ہیں:

"ڈھونڈا اس علاقہ کے قدیم باشندے ہیں جو اپنے کو نسلاً قریش اور حضرت عباسؓ اولاد بتاتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کا مورث اعلی تخت خان، امیر تیمور کے ساتھ آیا تھا اور دہلی میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ اس کی اولاد زہراب خان، شاہجہان کے وقت میں کھوٹہ چلا گیا جدوال، ڈھونڈ، سراڑہ اور تنولی اس کی اولاد سے بیان کئے جاتے ہیں۔"

دیگر تاریخی کتابوں میں بھی ان کے بارے میں بہت کچھ ملتا ہے۔ ان کی کئی آبادیاں ہندوستان کے چپے چپے میں دکھائی دیتی ہیں۔ مارواڑ میں ڈھونڈوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ مشہور ہے کہ مارواڑ کا قدیم نام "ڈھونڈھار" رہا ہے۔

ایک یوروپی محقق ڈینزل ابسٹن لکھتے ہیں کہ ڈھونڈ، جو راولپنڈی کے جہلم دریا کے نشیبی کوہستانوں اور ہزارہ کی تحصیل ایبٹ آباد میں کثیر تعداد میں آباد ہیں، اپنے کو پیغمبر اسلامؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی نسل سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا ابتدائی نام "دھوند" تھا جسے پنجاب کے لہجے نے "ڈھونڈ" بنا دیا ہے۔(۶)

ایک اور یوروپی مصنف میجر ویس کہتے ہیں کہ ڈھونڈوں کی بنی عباس ہونے کا دعوی ان کا جھوٹ ہے۔ یہ ایک ہندو نسل قوم ہے جن کا جد امجد "کولورائے" نامی شخص رہا ہے جس نے کشمیر میں ایک کشمیری عورت سے شادی کی تھی۔ ڈھونڈ اسی نسل سے ہیں۔ کتاب "دی چیفس آف پنجاب" کے مصنف سر پیل گریفن ڈھونڈ ذات کو

ایک خطرناک، کاہل اور دھوکہ باز ذات بتاتے ہیں جو مشرقی اور مغربی پنجاب میں کم کم اور گجرات میں کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ مصنف جی ایم میر لکھتے ہیں:

"ڈھونڈ بنو عباس ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت عباسؓ سے ملاتے ہیں چناں چہ یہ اپنے ناموں کے ساتھ "عباسی" کا لاحقہ لگاتے ہیں۔

تواریخ کے مطابق ڈھونڈ قبیلہ عباسیوں کی ایک شاخ ہے اور ضراب خان کی اولاد ہے جو کسی زمانے میں ہرات سے ترک سکونت کر کے کشمیر آیا تھا وہ حضرت عباسؓ کی ساتویں پشت سے تھا۔ جب خلافت عباسیہ کو زوال آیا تو بیشتر بنو عباس بھیس بدل کر اور اپنے نام تبدیل کر کے دشمنوں سے جان بچانے کی خاطر عرب سرزمین کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کے ہندوستان اور دوسرے دور دراز علاقوں کی طرف نکل آئے۔

ضراب خان کے بارہ بیٹوں میں سے کھندر خان نامی بیٹے کی چھٹی پشت سے ڈھونڈ خان نامی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ ڈھونڈ خان کی اولاد "ڈھونڈ" قبیلہ کی شکل اختیار کر گئی۔" (۷)

منشی محمد دین فوق نے اپنی تصنیف "تاریخ اقوام پونچھ" اور سید محمود آزاد نے "تاریخ پونچھ" میں ڈھونڈ قبیلہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ بلوچستان میں اس قبیلہ کے گروہ کب اور کس زمانے میں چلے آئے تھے اور تمپ کا قدیم قلعہ کیسے اور کن حالات میں اس ذات کے قبضے میں آیا تھا۔ یہ ایسے سوالات ہیں کہ جن کا جواب کہیں نہیں ملتا۔ تمپ کے بعض لوگ حیرت کرتے ہیں کہ تمپ زمانہ قدیم سے ہوت قبیلہ کا مرکزی مسکن رہا ہے اور قلعہ بھی ہوتوں سے منسوب کیا جاتا ہے مگر پھر بھی یہ "ڈھونڈءِ کلات" (ڈھونڈ کا قلعہ) کہلاتا ہے۔ جبکہ یہ بات حیرانی کی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہوت قبیلہ ابتداً دشت میں رہتے تھے نگوئر اور متصل مغربی

علاقے تمام ان کی ملکیت ہوتے تھے اور قلعہ کپکپار ان کا حکومتی مرکز ہوتا تھا۔ دشت میں وہ قدیم زمانوں سے رہتے آرہے تھے۔ جیسے جیسے دشت بارشوں کی کمی کی وجہ سے ویران ہوتا گیا اس کے باسی تربت و تمپ و کیچ کئور کے کنارے جاکر آباد ہوتے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ڈھونڈ، ہوتوں کی آبادکاری سے قبل بودوباش رکھتے تھے۔

موجودہ وقت میں کشمیر کے ضلع باغ میں ڈھونڈوں کی کثیر آبادی بودوباش رکھتی ہے۔ جن کے تعلیم یافتہ افراد اپنے نام کے ساتھ ڈھونڈ کے بجائے عباسی تحریر کرتے ہیں اور اپنے کو عباسی کہلواتے ہیں۔

ڈینگر

ڈینگر کا نام ضلع کیچ کے دشت میں ایک چھوٹے سے میدانی ٹکڑے پر چسپاں ہے۔ بعض مقامی لوگ اسے "ڈونگر" بھی تلفظ کرتے ہیں۔ ڈینگر سے ملتا جلتا نام ڈینگڑا ہے جو مشرقی بلوچستان کے علاقہ کچھی میں واقع ایک موضع ہے جہاں ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ یہ ایک ہی نام کے الگ الگ لہجے ہیں۔

"ڈینگر" انڈیا کے راجستان کا ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے۔ اس قبیلہ کا مرکزی گاؤں ان کے نام پر "ڈونگر پور" اور ڈینگر پور ہے جو پرتاب گڑھ اور بانسوارہ کے قریب ہے۔

مذکورہ قبیلے کی کوئی قابل ذکر تاریخ کا پتہ نہیں چل سکا۔

حواشی

۱۔ محولہ بالا کتاب، صفحہ نمبر 371۔

۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر 397۔

۳۔ بلوچستان کا علاقہ کچھی جو کسی زمانے میں بدھا اور بدھیہ کہلاتا تھا پچھلے کچھ ادوار سے جاٹ طوائف سے مملو ہے۔ چند سالوں سے جاموٹ بننے کے جنون میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں جو اب زبردستی جاموٹ بنتے جا رہے ہیں۔ جاٹ قبائل کی اصلیت اور ان کی قدامت کے بارے میں یوروپی محققین نے لکھا ہے کہ،

> "جاٹ مسلمان قبائل ایک ایسا ملغوبہ ہیں جن کا کوئی مشترکہ ماخذ نہیں ہے اور ممکن ہے ان میں سے بعض ان ہندو باشندوں کی اولاد ہوں جو فتح سندھ کے وقت مسلمان کئے گئے اور کچھی اس وقت لازماً سندھ کا حصہ تھا۔ بہت سے جاٹ جیسے سیال، بھٹی، اعوان، رڈ وغیرہ کوئی دو صدیاں پیشتر (یعنی 1900ء سے) ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور پنجاب سے آئے جب وہ صوبہ سخت قحط کی لپیٹ میں تھا، اور کچھ کو نصیر خان اول (1750ء تا 94-1793) لایا تھا تاکہ زراعت ترقی کر سکے۔ قدیم ترین جاٹوں میں چنے، وڈھے، مانکے اور رواہی شامل ہیں لیکن مانکے اب ضلع میں موجود نہیں ہیں۔"

(گزیٹئر آف بلوچستان کچھی، ڈسٹرکٹ، مطبوعہ گوشۂ ادب، کوئٹہ 1997ء، صفحات 303-304)

یعنی موجودہ کچھی کے جاٹ طوائف تمام تر باہر سے اور خصوصاً سندھ اور پنجاب سے نقل مکانی کر کے آنے والے آباد کار ہیں۔ قدیم ترین قبیلوں میں کچھ مید قبیلے اور دو قبیلے بُدھ یا بودھ اور گئور قبیلے نظر آتے ہیں۔ علاقے کو نام دینے والے کچھی قبائل بھی اب اس علاقے میں وجود نہیں رکھتے۔ سولہویں صدی کے آخر میں لس بیلہ سے کلمتی قبیلے کے ساتھ وہاں کے چند گروہ بھی تھے جو جاموٹ قبیلہ کے "راج" ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد

انہوں نے کلمتیوں سے الگ ہو کر اپنے کو جاموٹ متعارف کرایا (غالباً زبان کی بنیاد پر)۔ یہ تین قبیلوں کے صرف تین گروہ بُرہ، باریجہ، اور اُڑھانہ تھے جو لس بیلہ کی مسخ شدہ سندھی کی شکل "لاسی" زبان بولتے تھے جسے انہوں نے اس نئے وطن میں "جاموٹی" کا نام دیا تھا۔

چند سال گزرے ہی تھے کہ انہوں نے جاموٹ نام کو بھلا دیا اور جاٹوں میں مدغم ہو کر ان کے ذیلی طائفے بن گئے اور جاٹ ہی شمار ہوئے۔ اصلی جاٹ جو پنجاب سے نقل مکانی کر کے اس علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ بھٹی، سیال، کھوکھر، آرائیں، جویہ، رڈ، گجر، اعوان، کلس، ڈنڈور، کھرل، ڈھیر وغیرہ تھے۔ جو صدیوں سے جاٹ ہی کہلاتے رہے ہیں۔ لیکن اب چند سالوں سے اس نام سے مکرتے جا رہے ہیں اور ایک سیاسی مہم کے نتیجے میں "جاموٹ" بنتے جا رہے ہیں۔ اس سیاسی مہم کی ابتدا 1987ء سے قبیلے جاٹ منجھو کے ایک سیاسی سماجی کارکن گل حسن منجُھو نے کی جو وہاں کے غریب کاشتکاروں اور پسے ہوئے لوگوں کے مسائل اور اندرونی جھگڑوں کو نمٹانے میں پیش پیش رہا اور علاقے میں چند سالوں میں نمایاں رہا۔ جو ہاری مزدور و بزگر، جاٹ علاقے کے وڈیروں و سرداروں اور بڑے زمینداروں سے نالاں تھے انہوں نے گل حسن منجُھو کی شکل میں اپنا ایک مخلص راہبر پایا اور لسانی اشتراک نے ان کے اتحاد کو مضبوط بنایا۔ جب جام غلام قادر مرحوم صوبے کے وزیر اعلی بنے تو گل حسن منجھو اپنے چند ہمکاروں کے ساتھ ان سے اپنے علاقے اور لوگوں کے مسائل کے بارے میں ملتے رہتے تھے اور ان کو یہ تاثر دیتے رہے کہ وہی ہی کچھی کے سندھی بولنے والوں کے حقیقی سرپرست بن سکتے ہیں۔ انہیں کے وزارت اعلی کے دوران گل حسن نے انہیں نصیر آباد آنے کی دعوت دی اور ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ اسی جلسے میں جام صاحب کے اور دیگر سینکڑوں سامعین کے سامنے پہلی بار مقررین نے اپنی تقریروں میں "جاموٹ" کی تکرار کی اور کہا کہ نصیر آباد اور کچھی کے جاموٹ جام صاحب ہی کے قبیلہ سے متعلق ہیں اور وہی ہمارے لوگوں کے

حقیقی سرپرست اور لیڈر رہیں۔ جام صاحب کو یقیناً یہ حیرانی ہو گی کہ اس علاقے میں اتنے نئے جاموٹ کہاں سے اُگ آئے۔

بہر حال اس جلسہ کے بعد جو اٹ طوائف کے ہر شخص نے اپنے کو جاموٹ کہنا شروع کیا۔ جس سے اس کا قبیلہ پوچھتے تو قبیلہ کے نام کے ساتھ لفظ "جاموٹ" کا اضافہ کر کے قبیلہ بتاتے۔ چوں کہ اس سے قبل جاموٹ قبیلہ اور "جاموٹ" لفظ مذکورہ خطے میں بمشکل سننے میں آتا تھا۔ اس لیے کسی مصنف اور محقق نے بشمول یوروپی مصنفین کے اس نام کا تذکرہ نہیں کیا۔ جہاں تک جام صاحب کا تعلق تھا وہ قبائلی جستجو اور تحقیق وغیرہ سے غرض نہیں رکھتے تھے۔ کسی کے جاموٹ بننے سے نہ انہیں فائدہ تھا اور نہ نقصان، اس لیے انہیں ان جاٹوں کے سیاسی طریقے سے جاموٹ بننے سے نہ خوشی تھی اور نہ اعتراض۔

۴۔ تاریخ ہند، حصہ اول از -وی-اے سمتھ، سی آئی ای۔

۵۔ کتاب "جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں"، ص56۔

۶۔ "پنجاب کی ذاتیں" اردو ترجمہ از یاسر جواد۔

۷۔ "شاہانِ گوجر"، از ابو البرکات مولوی عبد المالک خانصاحب، ص 193

رئیس

مغربی بلوچستان میں پانچویں چھٹی عیسوی سے ایک وسیع خطہ "رئیس" کے نام سے وجود رکھتا رہا ہے۔ جس کا مرکز جالک نامی شہر ہوتا تھا۔ یہ خطہ اکثریت سے قبیلہ رئیس پر مشتمل تھا اور بعد ازاں اسی نسبت سے رئیس مشہور ہوا۔ اس علاقے میں مختلف نسل کے دیگر قبیلائی طائفے اور گھرانے آکر بسنے لگے جس سے رئیس آبادی مخلوط ہونے لگی۔ جب اس "رئیس" کے باسی باہر کی دنیا سے متعارف ہوئے تو خطہ "رئیس" کی نسبت سے رئیسی کہلانے لگے۔ ان رئیسیوں میں مختلف قبیلائی طائفے ہیں جو سیستان و بلوچستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ دونوں خطوں میں بطور مقتدر و حاکم اچھا خاصا تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ جن کے تذکرے ایرانی تواریخ میں نمایاں طور سے ملے ہیں خصوصاً سیستان و بلوچستان کی تواریخ میں۔ موجودہ وقت میں رئیسیوں میں سینکڑوں ذیلی طائفے موجود ہیں۔ جو اندرون قبیلہ طائفائی نام رکھتے ہیں اور باہر کی دنیا میں رئیسی کہلاتے ہیں۔ بنیادی اور تاریخی طور پر رئیس اصلاً و نسلاً کون تھے جو صدیوں سے بلوچ قوم کی تقریباً چالیس فیصد حصے کی تشکیل کرتے اور جو پورے بلوچستان کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مشرقی بلوچستان میں تو ان کی اکثریت اپنا تاریخی قبیلائی نام استعمال ہی نہیں کرتا اور اپنے آپ کو بلوچ متعارف کراتا ہے۔

رئیس قبیلہ بلوچستان، افغانستان، قدیم سیستان، ایران، ترکستان اور پاکستان کے صوبہ سرحد اور چترال وغیرہ کے وسیع علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں یہ ماضی کے حکمران اور بادشاہ رہے ہیں۔ مختلف خطوں میں اور مختلف ادوار میں اس قبیلہ کی طویل حکومتیں رہی ہیں۔ جہاں یہ بڑے بڑے املاک کے مالک تھے۔

کتاب "سیستان" کے مصنف مسٹر جی پی ٹیٹ اس قبیلہ کو سیستان کے قدیم شاہوں کی مدد کرنے والا باا ثر قبیلہ اور آدھے سیستان کا آقائے زمین لکھتا ہے۔

"رئیس خاندان کے لوگ کسی وقت سیستان میں ڈیلٹا کے جنوب اور سرحد سے ملحقہ اضلاع میں چھائے ہوئے تھے لیکن اب وہ قریباً نیست و نابود ہوچکے ہیں۔ وہ فارسی بان تھے یعنی قدیم ایرانی آبادی سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں جنگجو عربوں کے گروہ بھی ان میں آملے اور یوں مخلوط النسل ہوگئے۔ روایات کے مطابق رئیس روشناس تھے یعنی شہنشاہ کے حضور شرف باریابی رکھتے تھے اور انہیں مقامی خود اختیاری کی مراعات حاصل تھیں جس کی وجہ سے وہ کیانیوں یا سیستان کے دیگر حکمرانوں کے تابع نہ تھے۔ یہ مراعات انہیں بہت عرصہ پہلے دی گئی تھیں اور کچھ پتہ نہیں کہ کس بادشاہ نے یہ عطا کیں یا وہ کون سے خانوادے کا عہد تھا، لیکن یہ انہیں دشمنوں کے خلاف شاہ کو موثر انداز میں امداد دینے کے بدلے میں دی گئی تھیں۔ یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ رئیس، اس قدیم قبیلہ کے باقیات ہیں جس نے کوروش کی مدد کی تھی۔ لیکن قریباً معدوم قبیلے کا جغرافیائی محل وقوع اس کو عطا کردہ مراعات کی داستانیں اسی روایت سے مربوط معلوم ہوتی ہیں جو یرگتوئی یعنی محسنین کے متعلق مشہور تھی۔

تھوڑے سے رئیس خاندان یا ان کے کمین قبیلے اب بھی سیستان میں موجود ہیں جو انتہائی قلاش ہیں اور معمولی کاشتکاروں کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کررہے ہیں۔"

یہی مصنف مزید آگے تحریر کرتے ہیں:

"رئیس کسی وقت بمپور کے شمال میں سرحد کے جنوب مشرقی ضلع کی نامی گرامی اور بااثر نسل تھی۔ غز قبائل کا کچھ حصہ ان کے ساتھ آباد ہوگیا تھا

اور رشتوں ناطوں میں غزرئیس کہلانے لگا۔ سیستان کے رئیس ان سب کے سردار تھے۔ جب ہلمند نے جنوبی ڈیلٹا چھوڑ دیا تو سردار قبیلہ اس امید موہوم پر خوزدار سے چمٹا رہا کہ دریا اپنا رخ بدل دے گا یا نہر ہلمند بحال ہو جائے گی اور وہ افغانوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن انہیں خوزدار چھوڑنا پڑا اور سہہ کوہا آنا پڑا۔ جو ان کے اور کیانیوں کے درمیان حد فاصل تھی۔ ان دنوں محمد رضا خان سربندی سہہ کوہا پر قابض تھا اور رئیس سردار کے ساتھ رشتوں کی وجہ سے اس نے اسے زمین دی۔ جب سیستان میں امن و امان مفقود ہوا تو کچھ رئیس افراد کابل ہجرت کر گئے۔ جہاں ان کے اخلاف موجود ہیں۔

پرانے وقتوں میں کہا جاتا تھا کہ سیستان کے شمال میں کیانی اور جنوب میں رئیس آقائے زمین تھے اور تمام دیگر قبائل اور ان کی ملکیت انہیں دو خاندانوں کے ماتحت تھیں۔ رامرودی، اسی قبیلہ سے ہیں غالباً یہ اس کا کمین حصّہ ہیں وہ بھی تھوڑے سے ہیں چار سو آدمی رام رود اور خوزدار کی نہروں کی حفاظت اور مرمت کے لیے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔"(۱)

جی پی ٹیٹ نے رئیس قبیلہ کی شاندار ماضی کا تذکرہ مختصر طور پر کیا ہے اس کے تفصیلی تذکرے سیستان کے بارے میں فارسی تاریخ احیاء الملوک میں دیکھے جاسکتے ہیں جہاں کئی صدیوں تک رئیس قبیلہ حکمران اور بالا دست رہا ہے۔ اسی طرح چترال و بادغیس خطے میں بھی رئیس قبیلہ کا سیاسی و حکومتی عمل دخل کافی قدیم ہے۔ گیارہ سو سال قبل رئیس حکمرانوں نے سومالک نامی بادشاہ کو شکست دے کر بادشاہت چھین لی تھی۔ سومالک بادشاہ چترال کے شمالی علاقہ جات سے لے کر گلگت کے علاقوں تک حکمران تھا۔ 1320ء میں سردار شاہ نادر شاہ رئیس نے کالاش غیر مسلم حکمران بسنگھ سے حکومت چھین لی اور 1341ء تک برسرِ اقتدار رہا۔ اس نے چترال میں ایک مکمل اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی۔

شاہ نادر کی وفات کے بعد اس کا کا بیٹا جان رئیس نے 1341ء سے 1365ء تک بادشاہت کی۔ جان رئیس کے بعد اس کا بیٹا خان رئیس برسرِ اقتدار آیا۔ جس کی حکومت چونسٹھ سال تک رہی۔ خان رئیس کا انتقال 1420ء میں ہوا۔ اس نے اس عظیم الشان قلعہ کی تکمیل کی جسے شاہ نادر رئیس نے شروع کیا تھا اور اس کی زندگی میں پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

خان رئیس کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے اس کے خانوادے سے ایک معتبر شخص شاہ کرم کو بادشاہ بنایا گیا۔ جس نے 1420ء سے 1458ء تک بادشاہت کی۔ اس کی دورِ حکمرانی میں مغلوں کے حملے آس پاس بڑی شدت سے شروع ہوئے اور چترال کے کئی علاقے یورشوں کی زد میں آئے اور تہس نہس ہوئے۔ شاہ کرم کے عہد میں سینکڑوں کوہستانی کالاش کافر مسلمان ہوئے۔(۲)

شاہ کرم کا انتقال 1458ء میں ہوا۔ اس کے بعد چترال اور گردونواح کے مقبوضات کی حکمرانی مرحوم بادشاہ کے خاندان کے شاہ نظام رئیس کے ہاتھ آیا جس کی حکومت 1491ء تک قائم رہی۔ اسی سال اس حکمران کا انتقال ہوا اور پھر شاہ اکبر جو شاہ نظام رئیس کا بیٹا تھا برسرِ اقتدار آیا۔ اس شاہ کا دور قدرے پرسکون رہا کیوں کہ مغلوں کے یلغار کمزور ہوچکے تھے۔ اس نے ملک میں دور دور تک مستحکم قلعے تعمیر کئے اور حکومت کو مستحکم کیا۔ ان کا دور خوشحالی اور امن کا دور تھا۔ نیپال تک ان کی ریاست کے حدود وسیع ہوگئے تھے۔ اسی کے دور حکمرانی میں گلگت کے والی چلپیس خان نے نیپال واپس لینے کے لیے حملہ کیا جو کہ خان رئیس کے دور حکومت میں چترال کے والی کو بطور جہیز کے دیا گیا تھا۔ شاہ اکبر نے حملہ آور فوج کو شکست دے کر پسپا کر دیا اور نیپال پر قبضہ برقرار رکھا۔(۳)

شاہ اکبر رئیس نے تقریباً انیتس سال حکومت کی۔ اس نے بڑی دلیری اور جرأت سے حکومت کی جسے بلاآخر اس کی قوم رئیس کے سرداروں نے سازش کر کے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شاہ طاہر رئیس بر سر اقتدار آیا جو شاہ اکبر کا بھتیجا تھا جس نے 1520ء سے 1531ء تک حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت میں جنوبی چترال کا ایک کالاش کافر راجہ وایئے فرمانروائی کر رہا تھا اور کئی چھوٹے موٹے گاؤں پر قبضہ جما چکا تھا جو چترال پر کالاش حکمران کا خواب دیکھ رہا تھا اس نے تیاری کر کے چترال پر حملہ کر دیا مگر شاہ رئیس نے اسے بری طرح شکست دے کر پسپا کر دیا جس کے بعد کالاشوں کو چترال کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ شاہ طاہر کا انتقال گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد 1531ء میں ہوا۔(۴)

شاہ طاہر رئیس کے بعد اس کا بھتیجا شاہ ناصر رئیس جو شاہ اکبر کا بیٹا تھا تخت نشین ہوا۔ جس نے بڑے دبدبے سے حکومت کی اور ملک کو استحکام بخشا۔ اس کے دور حکمرانی میں کالاش فرمانروا راجہ وایئے کا انتقال ہوا اور اس کے ورثا میں اختلافات شروع ہوئے اور وہ آپس میں لڑنے لگے۔ شاہ ناصر نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کالاش گوم پر حملہ کر دیا اور کالاش مقبوضات فتح کیے۔ اس فتح کے نتیجے میں سینکڑوں کافر مشرف بہ اسلام ہوئے اور آخری کافر حکومت کا خاتمہ ہوا۔ شاہ ناصر رئیس کا انتقال 1574ء میں ہوا۔ وہ رئیس حکمرانوں میں نامور ترین حکمران گزرے ہیں۔

شاہ ناصر کے بعد اس کے کمسن بیٹے شاہ محمود رئیس کو حکمران بنا گیا دیا لیکن اختیارات رئیس سرداروں کے ہاتھوں میں تھے۔ جن میں بہت جلد اختلافات پھوٹ پڑے۔ بے اتفاقی نے انتظام حکومت کو ڈانواڈول کر دیا اور ملک طوائف الملوکی کا شکار ہوا اور شدید امن و امان کے مسائل کھڑے ہوگئے۔ حالات سے

فائدہ اٹھاتے ہوئے علاقہ مولکھو کے محترم شاہ اور خوش وقت بن شاہ محمد بیگ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ چترال پر حملہ کر دیا اور رئیس خاندانوں کے سینکڑوں افراد کو شکست دے کر تہِ تیغ کیا۔ محترم شاہ کٹوریہ خاندان سے تھا۔ رئیسوں کے قتل عام نے کٹوریہ خاندان پر عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ اس لیے جلد ہی محترم شاہ کی پوزیشن کمزور ہوگئی مگر بدخشان سے اسے اس کے خاندان کی امداد میسر آگئی اور حکومت قدرے مستحکم ہوگئی۔ لیکن 16-1615ء کو رئیسوں کے سربراہ محمود رئیس بدخشان کے ایک لشکر کے ساتھ چترال پر حملہ آور ہوا اور محترم شاہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن اس کی جان بخشی کر کے اسے چترال بدر کر دیا گیا۔

چند سال ہی گزرے تھے کہ کٹوریہ خاندان نے پھر رئیسوں سے بادشاہت چھین لی اور محمود رئیس قتل کر دیا گیا۔ یہ خاندان پھر چترال میں آکر بس گیا تھا۔ تیسری بار بدخشان کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ لیکن یہ انتقام گیری ختم نہ ہوئی اور رئیسوں نے محمود شاہ والی بدخشان کی مدد سے چترال پر حملہ کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ 35-1634ء میں ہوا۔ پھر وقفے سے چترال، بدخشان اور مستوج پر رئیسوں کی حکومت بنتی اور بگڑتی گئی۔ تا آنکہ 1774ء کو رئیسوں کا آخری ہیرو شاہ عبدالقادر بن محمود رئیس، خاندان خوش وقتی کے فرامرز شاہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد رئیس قوم کے اقتدارِ اعلیٰ کا سورج پھر طلوع نہ ہو سکتا۔

چترال میں رئیسوں کی حکومتوں کو مثالی اور اسلامی حکومتیں قرار دیا گیا۔ چترال کی تاریخ میں "خاندان رئیسہ کا عہد" کے عنوان سے مصنف لکھتا ہے کہ:

"حکمران رئیسہ کا عہد نہایت اہم ہے اسی دور سے چترال کی تاریخ جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں چترال میں گلگت سے نرست تک ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم تھی۔ جو حکومت کا ڈھانچہ انہوں نے قائم کیا اسی پر اب تک عمل ہو رہا ہے۔

رئیسہ خاندان کے بادشاہوں نے اس ملک میں پہلی سلطنت قائم کی۔ وہ خود مسلمان اہل سنت والجماعت تھے اور اس ملک میں اسلام پھیلانے میں نمایاں حصہ لیا۔ انہوں نے یہاں اسلامی قوانین کا اجرا کیا اور جا بہ جا قاضی مقرر کیے۔ چنانچہ شاہ ناصر رئیس کے عہد میں مُلا دانشمند رستائی اور اس کا بیٹا ملا محمد رفیق چترال کے بڑے قاضی تھے۔

رئیس حکمرانوں نے نہ صرف چترال ہی میں بلکہ ہمسایہ علاقوں مثلاً نانگیر، درایل وغیرہ کوہستانی علاقوں میں بھی اسلام پھیلایا۔ چترال کے کلاش کافران کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔"

ملک کی مجموعی حالت کے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں:

"رئیسہ دور میں ملک خوشحال اور فارغ البال تھا۔ یارکند اور بدخشان سے تجارتی مال کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی۔ غلاموں کی فروخت بھی عام تھی۔ فروغِ اسلام کے ساتھ یہاں تعلیم بھی شروع ہو گئی تھی اور اکّے دکّے علماء نے جو باہر سے یہاں وارد ہوئے مکاتب شروع کیے اور علم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تحریر اور سندات لکھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ رئیس حکمرانوں کے سندات اب بھی لوگوں کے پاس موجود ہیں۔"(۱)

یہی مصنف رئیس بادشاہوں کے آخری ادوار میں ان کے زوال کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اس میں شک نہیں کہ رئیسہ خاندان کے حکمران حقیقی معنوں میں اسلامی بادشاہ تھے اور انہوں نے ملک کی وسعت و انتظام میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی مگر آخری دور میں رئیس حکمرانوں نے عوام کے ساتھ رابطہ کم کر دیا تھا اور ذاتی اقتدار و عیش و عشرت میں اور ہوس ملک گیری میں منہمک ہو گئے تھے تو عوام کے ساتھ تعلقات منقطع ہو گئے۔

ان کی غیر مقبولیت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ وہ غیر ملک سے آئے تھے اور یہاں کے باشندے ان کو باہر کے آدمی سمجھ کر ان کے ساتھ وہ عقیدت اور خلوص نہیں رکھتے تھے جو اپنے ملک کے حکمران کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ ایک اور سبب یہ تھا کہ انہوں نے ملک کے معزز خاندانوں یا عوام میں رشتہ داریاں نہیں کیں اور دارالحکومت میں بیٹھ کر حکومت کی اور بیرونی اضلاع میں اپنے لڑکوں کو حکمران نہیں بنایا۔ اس لیے مرکزی اقتدار دور دور کے اضلاع میں کمزور تھا اور وہاں مقامی سرداروں کا اقتدار تھا۔ وہ رئیس حکمرانوں سے بگڑ گئے اور تیموری شہزادوں سے مل گئے۔ تب رئیسوں کے لیے مقابل مشکل ہو گیا۔"(۶)

"رئیس خاندان کے بادشاہ شخصی حکمران تھے مگر اپنے خاندان کے لوگوں اور دوسرے عام معتبرین کے مشوروں اور باہمی اتفاق سے حکومت کرتے تھے اور دور کے علاقوں پر اکثر مقامی سرداروں کو حاکم مقرر کرتے تھے۔ ان کی کوئی منظم فوج نہیں تھی۔ جنگ کے موقع پر قبیلوں کے سردار اپنی قوم سمیت آکر جنگی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ دفاع کے لیے بعض اقوام مخصوص طور پر ذمہ دار ہوتے تھے۔ ان کی حکومت گلگت سے سرحدِ افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ کفار باشگل کو مطیع کر کے وہاں سے کلنگ وصول کرتے تھے۔ انہوں نے کلاش کافر حکومت کا خاتمہ کر کے کلاش قوم کو محکوم بنایا اور ان سے متعدد قسم کے خراج اور بیگار لیتے تھے۔

رئیس حکمران شہنشاہ چین کو اپنا اعلیٰ حکمران مانتے تھے اور تاشقند کے چینی گورنر کو خراج بھیجا کرتے تھے اور گاہ گاہ اہم معاملات فیصلے کے لیے یارقند کاشغر بھی بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ قدیم چینی اقتدار کے دور میں قاق لشٹ کی چراگاہ اور مولکھو میں پانی کی تقسیم کے تنازعہ میں یارقند کے چینی حکمران کے فیصلوں پر آج تک عملدرآمد ہوتا ہے۔"

رئیس قبرستان

مصنف کتاب نے چترال میں رئیس قبرستان کے بارے دلچسپ معلومات دی ہیں جس سے قدیم آتش پرست مذہبی کلچر کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگرچہ اس خاندان کے حکمران سنی المذہب مسلمان تھے مگر ان کے دفنانے کا طریقہ عام مسلمانوں سے جداگانہ تھا۔ رئیسہ قبرستان جو یہاں گلودور میں موجود تھا وہ وخمہ تھا یعنی مردوں کو زمین کے اندر دفنانے کی بجائے ایک تہہ خانے میں رکھتے تھے جو پکی اینٹوں سے بنایا گیا تھا اور دروازوں میں طاق یعنی دروازے بنا کر مردے اس میں رکھتے تھے۔ جب مردوں کے جسم گل کر ہڈیاں رہ جاتے۔ حدوث مرگ پر دیگر ہڈیاں تہہ خانے میں ڈال کر اس طاق کو خالی کر کے نیا جنازہ اس میں داخل کرتے تھے البتہ بچوں کے جنازے چھوٹے چھوٹے طاقوں میں باقی رہتے تھے۔ اس تہہ خانے اوپر کے ایک گیند بنا ہوا تھا جو پکی اینٹوں کا تھا۔ تہہ خانے کے ایک طاق میں قرآن مجید بھی رکھا ہوا تھا۔ تہہ خانے میں داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ تھا جو سطح زمین سے چار زمینوں پر مشتمل تھا اور زینوں سے اس کے اندر داخل ہوتے تھے۔ قبرستان کے گرد جو زمین تھی وہ محافظوں کے لیے وقف تھی جو مجاور کہلاتے تھے۔

امتداد زمانہ کے بعد اب وہاں تودۂ خاک کے سوا کچھ نہیں رہا نہ گنبد ہے نہ تہہ خانہ۔ اس قبرستان کی پکی اینٹیں اب بھی موجود ہیں۔ جو زمین اندر سے برآمد ہوتی ہیں۔"(۸)

مذکورہ بالا قبرستان کا تذکرہ ہم نے اس لیے کیا کہ بعینہ ایک گنبد مکران کے ضلع اور تاریخی شہر پنجگور میں بھی موجود ہے اور وہاں بھی مردوں کو دفنانے کا یہی طریقہ رہا ہے اور اس میں بھی بڑوں اور بچوں کی لاشیں موجود رہی ہیں اور شاید

ابھی تک ہوں۔ اس گنبد سے منسلک چاروں طرف کی زمین ایک قبرستان ہوا کرتا تھا جس پر اب ایک شہر آباد ہے۔ جس کا موجودہ نام شاپاتان ہے۔ اس کا پرانا نام رئیس کلات (قلعہ رئیس) ہوتا تھا اور روایتاً مشہور تھا کہ حاکم پنجگور میر کمبر رئیس کا والد شاہ ملوک رئیس بھی اسی قبرستان میں مدفون رہا ہے۔ شاہ ملوک رئیس کی حکمرانی یا سرداری کے بارے کوئی روایت نہیں ملتی۔ لیکن نام کے ساتھ چترال رئیس حکمرانوں کی طرز پر شاہ کا اضافہ اس خیال کو تقویت دیتا ہے کہ یقیناً پنجگور کے رئیس حکمرانوں کی فہرست میں شامل رہے ہوں گے۔ نیز حدود رئیس کلات میں ان کے مدفون ہونے کی روایت سے بھی ان کے حکمران ہونے کا خیال غلط نہیں ہوگا۔ ان کے آخری عمر میں ایک عبادت گزار شخص ہونے کی روایت عام ہے جو بزرگی کے درجے تک پہنچا ہوا تھا۔ "سفر نامہ سندھ و بلوچستان" میں ہنری پوٹنگر نے بھی میر کمبر رئیس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک "مشہور پیر" کی اولاد سمجھا جاتا تھا جس نے اپنے دور میں بہت سی کرامات دکھائی تھیں۔"[۹]

مکران میں رئیس بالادستی کی روایت ساتویں صدی عیسوی سے بیان کی جاتی ہے۔ لیکن پہلا معلوم حکمران میر حمزہ رئیس تھا جو ایک قبائلی جنگجو سردار میر زباد رئیس کا بیٹا تھا۔ اس زمانے میں مکران، سندھ کی ہباری عرب حکومت کے زیر اقتدار تھی۔ یہ دسویں صدی عیسویں (916-915ء) کے سال تھے اور ابو لمنظر عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بہار بن اسود منصورہ مرکزیت میں سندھ کا حکمران تھا۔ میر حمزہ رئیس ایک بہت بڑی شخصیت اور عالم و فاضل شخص تھے۔ ان کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے متاثر ہو کر کئی نامی گرامی قبائل نے اپنے شجرہائے نسب اس تک ملائے تھے۔ تاریخی رند قبائل نے بھی روایتاً

میر حمزہ کو اپنا جد امجد بتایا ہے اور قدیم بلوچی نظموں میں اس کا ذکر کیا ہے جب کہ ان کے تحریری محفوظ شجرہائے نسب میں کسی حمزہ کا نام نہیں آتا۔

میر حمزہ کے بعد مکران میں اکثر حکمران و حاکم رئیس قبیلے سے ہی مقرر و منتخب ہوتے آتے رہے ہیں۔ پندرھویں صدی میں قلات کی سِوا حکومت کا تختہ بھی پنجگور کے رئیس حاکم میر کمبر رئیس نے الٹ دیا اور پاکستان کی تشکیل تک حکمرانی میر کمبر رئیس کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ پھر اگرچہ اقتدار حکومت پاکستان کو منتقل ہوا لیکن بلوچوں نے اپنے تاریخی روایتی منصب "خانِ بلوچ" کو ابھی تک زندہ رکھا ہے اور یہ قومی منصب ابھی تک اسی خاندان میں ایک شان و شوکت سے جاری و ساری ہے۔

مذکورہ خاندان کے حکمران "خوانین قلات" اور "خوانین بلوچ" کہلاتے رہے ہیں۔ ان کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

> "میر کمبر رئیس کی حکومت ایک منظم حکومت رہی ہے اور انہوں نے اپنے دور حکومت میں ایک مضبوط اور مستحکم مگر محدود ریاست کی تشکیل کی تھی اور ملک کو باغیوں اور سازشی سرداروں سے پاک کر دیا تھا۔ میر کمبر سے میر احمد التازئی رئیس تک چھ حکمرانوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن سوائے میر حسن رئیس کے دیگر کسی کا نہ نام معلوم ہے نہ ان کا زمانۂ حکمرانی۔ دراصل ان کی بالادستی حکمرانی کا نمونہ کم سرداری کا نمونہ زیادہ رہی ہے۔ جن کا زور اپنے اپنے زیر کنٹرول قبیلہ تک رہا ہے۔ ان کی کوئی روایتی تاریخ تحریر میں نہیں آئی ہے۔ جس میر حسن رئیس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں بلوچستان کے آخری خان (1933-1948ء) میر احمد یار خان بلوچ، اپنی ایک کتاب "مختصر تاریخ بلوچ قوم و خوانین بلوچ" کے صفحہ نمبر ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ میر حسن خان، خانِ بلوچ

اول (ا) کے لقب سے تختِ قلات پر رونق افروز ہوئے۔ تمام بلوچ قبائل نے متحد ہو کر اتفاق رائے سے میر حسن خان کو "خانِ بلوچ" کا لقب تفویض کیا۔ میر حسن خان نے کمال تدبر اور حکمت عملی سے بلوچوں کی خدمت کو شعار بنایا اور اتحاد و یگانت کا خوشگوار ماحول پیدا کیا۔ مگر قدرت نے اس لائق انسان کو اس کی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں دیا اور وہ مختصر سی مدت کے بعد لاولد[۱۰] فوت ہوئے۔"

"مذکورہ میر حسن کی خانی کے بارے میں سوائے محولہ بالا سطور کے جو خان بلوچ نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں اور کہیں بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ تحریری تاریخ میں احمد ایلتازئی سے شروع ہوتی ہے جو 1666ء سے 1695ء تک برسرِ اقتدار تھا۔ اس کے بعد سخی سمندر خان احمد زئی 1667ء سے 1714ء تک، میر عبداللہ خان 1714ء سے 1734ء تک، میر محبت خان 1734ء سے 1749ء تک، میر نصیر خان (عرف نوری نصیر خان) (ا) 1749ء سے 1817ء تک، میر محمود خان اول 1817 سے 1831ء تک، میر محراب خان شہید سے 1831ء سے 1840ء تک، میر نصیر خان دویم 1840ء سے 1857ء تک، میر خداداد خان 1857ء سے 1893ء تک، میر محمود خان دوئم 1893ء سے 1931ء تک، میر محمد اعظم خان 1931ء سے 1933ء تک، میر احمد یار خان بلوچ 1933ء سے 1958ء تک، باری باری خانی بلوچستان کے منصب پر فائز ہوتے رہے ہیں۔"

ریاست اور اقتدار اعلی کا خاتمہ اگرچہ ہو گیا لیکن بلوچ قوم کا لگاؤ اپنے خوانین سے ختم نہیں ہوا اور وہ ابھی تک بلوچ قومی جرگوں میں قومی خان منتخب ہوتے آرہے ہیں۔ خان میر احمد یار خان، 1958ء کے بعد خانِ بلوچستان تو نہ رہے

لیکن خانِ بلوچ مرتے دم تک رہے۔ ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے میر داؤد خان بلوچ، خانِ بلوچ منتخب ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد میر سلیمان داؤد بلوچ، خانِ بلوچ منتخب ہوئے جو تاحال خانئ بلوچ کا قومی منصب سنبھالے ہوئے ہیں۔

چونکہ رئیس قوم ایک بہت بڑی آبادی کی تشکیل کرتی ہے اور مختلف ملکوں اور علاقوں میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے اس لیے رئیس اصل و نسل اور نسلی تاریخ کے بارے میں بھی مختلف خطوں میں ان کی مختلف روایتیں ہیں۔ مشرقی بلوچستان میں اور خصوصی طور پر مکران میں، جہاں دیگر علاقوں کی نسبت رئیس اکثریت میں ہیں اور بلوچ قوم کے اٹوٹ حصے سمجھے اور مانے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک اکابرین کا دعوی ہے کہ وہ علاقے کے قدیم ترین باشندے ہیں۔ مقامی لوگ انہیں "بیج دار" یعنی "بنیادی لوگ" کہتے ہیں۔ انگریزی گزیٹیر نے اس بارے میں لکھا ہے:

> "بااثر رئیس گروہ دعوی دار ہے کہ وہ بعید ترین ماضی سے اسی علاقہ میں رہتا آیا ہے اور جس کے افراد پورے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں خشکی پر بھی اور ساحل کے ساتھ ساتھ بھی۔"(۱۱)

عوامی سطح کے بعض معمر اشخاص کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ رئیس، ترک نسل ہے اور چھٹی صدی عیسوی سے مکران میں موجود ہے۔ پنجگور کے رئیسوں میں یہ روایت موجود ہے کہ وہ آج (۲۰۲۰) سے بارہ سو سال قبل مغربی مکران کے علاقہ جالک سے گروہ در گروہ آتے رہے ہیں۔

ہوت قبیلہ جو زمانہ قدیم سے کیچ مکران کے حاکم ہوتے تھے اور رئیس قوم کا سردار گھرانہ ہوتا تھا۔ ان کی روایت ہے کہ ملک کے حاکم ہونے کی بنا پر انہیں رئیس کہتے تھے جو پھر ان کی شناخت بنی، نسلاً وہ بلوچ ہیں۔ ترک نسل سے ہونے کی

روایت کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ صدیوں پہلے مغربی مکران اور سیستان میں انہوں نے ترک حملہ آور گروہوں اور لشکروں میں خدمات سر انجام دی تھی اور جو ترک حاکموں کے قلعے ہوتے تھے وہ ان کی حفاظت پر معمور ہوتے تھے اور ترک سرحدات کی حفاظت کرتے تھے۔ اس لیے انہیں ترک کہا اور سمجھا جاتا رہا۔ اور کسی صورت ان کا تعلق ترکوں سے نہیں ہے۔

کابل و قندھار سے دورانِ افغان جنگ کئی رئیس خاندان بلوچستان میں آئے جو زیادہ تر کوئٹہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ رئیس قبیلہ کو افغانستان میں اوغز ترکوں سے بیان کیا جاتا ہے افغانستان اور بعض سیستانی علاقوں میں ترکمن لوگ رئیسوں کو اپنا ہم نسل بتاتے ہیں اور آبس میں رشتے ناطے بھی کرتے رہتے ہیں۔

ایران کے سیستان و بلوچستان میں رئیس مختلف طوائف کی شکل میں بہت بڑا اور وسیع قبیلہ ہے۔ جہاں پر وہ فارسی اور بلوچی بولتے ہیں۔ قدیم تاریخ میں وہ سیستان میں صدیوں تک حکمران رہے ہیں اور ان کا شمار انتہائی معززین اکابرین میں ہوتا ہے۔ مکران اور سیستان و بلوچستان ن میں وہ "پدرم سلطان بود" کے ناطے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے ہیں۔ ہر رئیس طائفہ اور ہر رئیس شخص ایک شہنشاہی غرور میں مبتلا نظر آتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں یہ تفاخر گویا ان کے ہر گھر کی میراث ہے۔ اپنی نسل اور تاریخ کے بارے میں ایرانی بلوچستان اور سیستان کے کئی رئیس خانوادے یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ ساسانی بادشاہوں کی نسل سے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب یزدگرد سوئم سے ملتا ہے۔ یہ سوال کہ نام "رئیس" کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ تو وہ اسے فارسی زبان کا لفظ رئیس بمعنی سربراہ یا منتظم بتاتے ہیں۔ جب کہ عوامی سطح پر اکثر لوگ اس لفظ کو "ریئس (RE,EES) کے تلفظ سے بتاتے ہیں اور

اسے ترکی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ترکی میں اس کے معنی نہیں جانتے۔ اگر ہم "رئیس یا رییس" لفظ کو ترکی زبان کا لفظ مان لیں تو لامحالہ رئیس قوم کو بھی ترک قبیلہ ماننا پڑے گا۔ اس طرح ترک نسل ہونے کی روایت کو غلط نہیں ٹھہرایا جاسکے گا۔

اب آتے ہیں چترال کے رئیسوں کی تحریروں کی طرف کہ زیر بحث قبیلے کے بارے میں ان کی روایتیں کیا کہتی ہیں۔ پچھلے صفحات میں ہم نے ایک کتاب کے ایک حصے کا کلیکشن "ایکسپلور چترال" سے کچھ حوالے تحریر کیے تھے۔ اسی کتاب کے باب سوئم "خاندان رئیسہ کا عہد (1320ء تا 1595ء)" میں کہا گیا ہے کہ:

> "1320ء میں ایک غیر ملکی سردار "شاہ نادر" جو غالباً ترکستان کا رہنے والا تھا، اس ملک میں وارد ہوا اور سابق حکمران سوملک کافر کی اولاد سے بالائے چترال اور کافر کالاش حکمران بلسنگھ سے جنوبی چترال فتح کر کے رئیسہ خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈال دی۔ اس نے اپنا لقب "رئیس" رکھا۔ چنانچہ اس کے بعد سے اس خاندان کے جتنے حکمران ہوئے وہ رئیس کے نام سے ہی یاد کیے جاتے ہیں۔"[۱۲]

محولہ بالہ حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکستان سے آنے والا مذکورہ سردار ترک ہی تھا لیکن کہلانے والا یہ شخص رئیس کا شخصی لقب نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کا تعلق قبیلہ یا قوم رئیس سے تھا اور سیستان اور ترکستان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ رئیس ایک قدیم قبیلہ رہا ہے۔ دوسرے خطوں کو چھوڑیئے صرف مکران میں یہ قوم ساتویں صدی عیسوی سے وجود رکھتی ہے۔ جب کہ دسویں صدی عیسوی میں مکران سندھ کی ہباری حکومت کے زیر اقتدار تھا تو

منصورہ کے عرب دربار میں میر حمزہ رئیس، حاکم مکران کی حیثیت سے موجود رہتا تھا۔ عرب مورخ مسعودی (متوفی 58-957ء) نے 16-1915ء میں سندھ اور ملتان کا دورہ کیا تھا اور ہباری حکمران سلطان ابو منذر عمر بن عبد اللہ بن عبد العزیز بہار بن اسود کے منصورہ دربار میں آتا جاتا رہا۔ ایسے ہی ایک موقع پر سلطان کے دربار میں انہوں نے میر حمزہ رئیس کو بھی دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں نے اس دربار میں وزیر زیادہ اس کے دو بیٹے محمد اور علی اور حمزہ نام کے مخترم و معزز رئیس حاکم کو دیکھا۔"[1]

اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ رئیس قوم حاکمِ چترال شاہ نادر کے چودھویں صدی عیسوی کے زمانے سے صدیوں پہلے مکران اور سیستان میں ایک شان و شوکت کے ساتھ وجود رکھتا تھا اور شاہ نادر اسی قوم رئیس کی سردار شخصیت تھی۔

کلیکشن ایکسپلور چترال میں ایک اور روایت کا ذکر کیا گیا ہے جسے گلگت و نگیر اور ہنزہ کے رئیس حکمرانوں سے منسوب کیا گیا ہے، یہ ہے کہ شاہان بدخشان اور چترال سکندر اعظم کے بیٹے فیلقوس کی نسل سے ہیں۔ اس روایت کا تذکرہ تاریخ چترال (فارسی) میں توزکِ بابری کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ حس کے مصنف مرزا محمد غفران ہیں۔ یہ روایت ایک بے بنیاد بات ہے۔ وہ اس لیے کہ شاہانِ چترال کا شاہانِ بدخشان سے دور دور کا تعلق نہیں رہا ہے۔ نہ کہ فیلقوس کی کوئی نسل رہی ہے۔ وہ بے اولاد تھا اور بے اولاد ہی مرا تھا۔ رئیس براہ راست ترکستان سے متعلق تھے جیسے کہ چترال کی تاریخوں میں مذکور ہے۔

مندرجہ بالا مختصر سا جائزہ اس مؤقف کے زیادہ قریب ہے کہ رئیس قوم نسلاً ترک نژاد ہے اور دگر روایتیں نسبتاً کمزور ہیں۔

رئیس توک

مذکورہ نام ضلع قلات کے دشت گوران میں واقع "رودین جو" نامی گاؤں کے بالمقابل مشرقی پہاڑیوں کے اندر واقع ایک سرسبز گاؤں کا ہے جو سولہویں صدی کی شروعات میں بسائی گئی تھی۔ اسی نام کا دوسرا موضع بگٹی علاقے میں ہے جو مقامی بلوچی لہجے میں "رئیس توخ" کہلاتا ہے۔ دونوں نام ایک ہوتے ہوئے بھی دو معنی دیتے ہیں۔ قلات کے رئیس توک کے معنی ہیں پہاڑ کے اندر کے رئیس قبیلہ کا گاؤں۔ جب کہ "رئیس توخ" قبیلے کی ایک شاخ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اندرون پہاڑ واقع یہ موضع پنجگور سے آنے والے قبیلہ رئیس نے بسایا تھا۔ یہ رئیس، قلات کے بلوچ فاتح اور حکمران پنجگور میر کمبر رئیس کے حکمرانی قلات کے ابتدائی دنوں میں آبسے تھے۔ قلات کے میدانوں کی انتہائی سردی کے پیش نظر ان رئیسوں نے اندرون پہاڑ اپنی بستی بسائی جو رئیس کی نسبت سے رئیس توک مشہور ہوا۔ حتی کہ اس نام نے ایک الگ قبیلہ کی شکل اختیار کی۔ اس توک (اندرون پہاڑ) سے جتنے لوگ ہجرت کر کے دیگر علاقوں میں جابسے، ان کی قبیلائی شناخت "رئیس توک" بنی جو آج تک ہے۔

سولہویں صدی میں جب قلات و گردونواح پر رندوں کا غلبہ ہوا اور قلات اور سیوی پر سردار چاکر خان رند کے اقتدار کا سورج چمکا تو اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مکران کے دورو نزدیک سے بلوچ قبائلی طائفے گروہ در گروہ قلات کی طرف چل پڑے۔ پنجگور سے بھی کئی گروہ ہجرت کر کے قلات کی طرف آئے۔

جس دوران قلات نیچارہ پر رندوں کا قبضہ تھا اور سردار چاکر خان کا نمائندہ میر مندہ خان حکمران تھا تو قلات سیوا پر کوئی ہندو حکمران تھا۔ جسے رند قبائل خصوصاً

مزاری قبیلہ کے لوگ تنگ کرتے تھے اور آئے روز قرب وجوار پر حملے کرتے، لوٹ مار اور قتل وغارت گری کرتے تھے۔ جس سے مذکورہ حاکم بہت ہی تنگ آگیا تھا۔ اس نے پنجگور کے حاکم میر کمبر رئیس کی بہادری اور اس کی بہادر فوجی طاقت کی شہرت سنی تھی اس لیے اس نے میر کمبر رئیس کو اپنی مدد کے لیے پکارا اور تمام جنگی اخراجات ادا کرنے کا وعدہ کیا چناں چہ میر کمبر رئیس بہ نفیس نفیسِ لاؤ لشکر لے کر قلات پہنچا اور سیو اقلات پر قبضہ کر کے ہندو حاکم کو حکومت سے دستبردار کرایا۔ اس کے ساتھ ہی زہری کے قلعہ کو حاصل کرنے کے لیے اپنے لشکر بھیج دیئے جہاں پر اسی ہندو حاکم کے خاندان کا کوئی شخص برسرِ اقتدار تھا۔ جس کا نام سنگین بتایا گیا ہے۔

میر کمبر رئیس کے ہمراہ رئیس قبیلے کے سینکڑوں افراد بھی قلات کے قرب وجوار میں اور زہری میں بس گئے جو رائل قبیلہ سے سمجھے جاتے تھے۔ پنجگور کے پروم سے میر زنگی رئیس اور میر ہیبتان رئیس کی سرکردگی میں جو گروہ قلات پہنچے تھے انہوں نے متذکرہ پہاڑی توک (اندرون پہاڑ) میں اپنی بستی بسالی جو جنگی نقطہ نگاہ سے ایک محفوظ ترین مقام تھا۔ یہ مقام پھر رئیس قوم کی نسبت سے "رئیس توک" مشہور ہوا اور ابھی تک اسی نام سے معروف ہے۔ قلات بلوچ کے خوانین، ایلتازئی، احمدزئی، کمبرانی وغیرہ اسی قبیلہ کے اکابرین ہیں۔

جب گاؤں رئیس توک کی آبادی جم گئی تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باہر کی دنیا میں اس گاؤں کے لوگ بلحاظ قبیلہ بھی "رئیس توک" کہلائے اور یہی نام ان کی قبیلائی شناخت بن گئی۔ انہیں رئیس توکوں نے جب بگٹی علاقے میں اپنی بستی بسائی تو ان کی بستی ان کے نام کی نسبت سے "رئیس توخ" مشہور ہوئی۔ انہیں رئیس توکوں میں سے بعد میں کئی ذیلی پھاڑے تشکیل پا گئے جو بڑھ کر طائفے اور قبیلے بنے۔

حواشی

ا۔ "سیستان" اردو ترجمہ پروفیسر انور رومان، ص26-27۔

۲۔ "ایکسپلور چترال، خاندان رئیس کا عہد"، ص40۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ایضاً، ص43،44۔

۶۔ ایضاً، ص44۔

ایضاً، ص 45، مصنف نے رئیس خاندان کے جس طرز حکومت کا تذکرہ کیا ہے بعینہ بلوچستان میں بھی انہوں نے ایسا ہی طرز حکومت اپنایا ہوا تھا۔ ماسوائے خان میر نصیر خان کے، جنہوں نے پہلی بار طرز حکومت میں اصلاحات کیں اور فوج کی تشکیل کی اور حکومت کو ایک صحیح ڈگر پر لانے کی کوشش کی تھی۔

۸۔ ایضا، ص45۔

۹۔ "سفر نامہ سندھ و بلوچستان" حصہ دوئم، اردو ترجمہ از پروفیسر انور رومان ص 77-79۔

9-a۔ خان بلوچ اول میر حسن نہیں میر کمبر رئیس تھا جو جدید بلوچستان کا بانی ہے۔

۱۰۔ خان صاحب کی بات غلط ہے میر حسن بے اولاد نہیں تھا۔ آخوند محمد صدیق نے "اخبار الابرار" میں اور مولوی دین محمد، مؤرخ دربارات شاہی، ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور نے یادگار تاجپوشی قلات 1932ء کے صفحہ نمبر 9 میر حسن

کا ایک بیٹا میر سنجر کا نام، خوانین کے شجرہ نسب میں دیا ہوا ہے۔ یہ نام انگریزی مرتب کردہ شجرہ نسب میں بھی موجود ہے۔

۱۰۔ "بلوچستان کے قبائل (ضلعی گزیٹئر سے انتخاب)" باب ششم، مکران، صفحات 357،358، ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان، مطبوعہ النساء زرغون روڈ کوئٹہ۔

۱۱۔ صفحہ نمبر 36۔

۱۲۔ مروج الذہب بحوالہ "برصغیر اور عرب مؤرخین، ص159 اور "تاریخ سندھ، حصّہ اوّل" ص286، تصنیف اعجاز الحق قدوسی۔

۱۳۔ قلات پر ہندو حکمرانی کی بات "سفرنامہ سندھ و بلوچستان" میں ہنری پاٹنجر نے لکھی ہے جسے ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا" اور "دی کنٹری آف بلوچستان" میں اے-ڈبلیو- ہوگز نے دہرایا ہے۔ وہ اس ہندو حکمران کے خوانان کو سیوا لکھتے ہیں۔ کوئی سیوا کو حکمران کا نام لکھتا ہے۔ اس حکمران کا یا تو نام سیوا تھا یا یہ ان شاہزادوں کا خاندانی لقب تھا جو تخت پر بیٹھنے کے بعد اختیار کرتے تھے۔ "امپیریل گزیٹئر آف انڈیا"، ساتویں صدی عیسوی کے بعد کسی سیوا حکومت کی بات کو نہیں مانتا۔ کتاب "تاجپوشی قلات 1932ء کے مؤلف مولوی دین محمد کی اس بارے میں رائے ہے کہ سیوا خاندان کے ہندو راجے مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے حکمران تھے۔ وہ پھر لکھتے ہیں کہ یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ یہی کچھ گزیٹئر نے بھی لکھا ہے۔ ایک بلوچ مورخ ملک سعید دہوار سیوا حکمرانوں پر شک کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسا سیاسی اور سماجی پس منظر تھا کہ جس کی بنا پر ایک ہندو خاندان کو عہدِ وسطیٰ میں قلات میں اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کا موقعہ ملا۔"

ملک صاحب اس زمانے سے سیاسی و سماجی پس منظر پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ایسی کوئی سماجی اور سیاسی حالات نہیں تھے جن کی بناپر ایک ہندو خاندان قلات میں بر سرِ اقتدار آسکتا۔

اگر ہم اس زمانے کے گردوپیش کے حالات کا مختصر جائزہ لیں جب میر کمبر رئیس، حاکم پنجگور ایک بلوچی لشکر جرار لے کر قلات پر حملہ آوار ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے سے لاتعداد بلوچ قبائل علاقے میں اور مشرقی خطوں میں سندھ کی سرحد کے ساتھ ساتھ آباد ہیں۔ سندھ کے سرحدی علاقوں سے بلوچ اور افغان قبیلے وقتاً فوقتاً قلات اور آس پاس کی سرداریوں یامقامی حکومتوں کو تنگ کرتے اور آئے دن تجارتی قافلوں کولوٹ لیتے تھے۔ ان قبائل میں مزاری، جاموٹ، رند، اور نہمردی قبیلے نمایاں ہوتے تھے۔ خطے میں اسلام کو پھیلے صدیاں ہوچکی تھیں اور تمام گردوپیش پر مسلمان حکمران بالادست تھے ایسے حالات میں قلات جیسے حساس اسلامی خطے پر کسی غیر مسلم حکمران کے ہونے کا تصور بھی غلط ہے۔

ہم قلات سیوا کے نام سے بالکل اختلاف نہیں رکھتے لیکن اس موقف پر بھرپور اختلاف رائے رکھتے ہیں کہ میر کمبر رئیس کے حملے کے وقت کوئی ہندو "سیوا" کے نام سے حاکم اور اس کا بیٹا سنگین، زہری میں اس کا نائب تھا جیسا کہ ہنری پاٹنجر نے لکھا ہے۔

اس غلط موقف پر پہلا اعتراض تو یہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر حاکم ہندو تھا اور اس کی حکومت بلوچ قبائل کے ہاتھوں خطرے میں تھی اور وہ دیکھ بھی رہا تھا کہ آس پاس کی تمام سرداریاں اور حکومتیں مسلمانوں کی ہیں تو اس نے اپنی ہندو رعایا کو مدد کے لیے کیوں نہیں پکارا اور سینکڑوں میل دور پنجگور کے میر کمبر کو مدد کے لیے کیوں آواز دی۔ جسے چرواہوں کا ایک معمولی سردار کہا گیا اور جو ہندو نہیں مسلمان اور مذہبی گھرانے کا بھی ہے اور ایک پیر اور بزرگ کی اولاد بھی ہے۔ جس سے یقیناً راجہ کو اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف سندھ کا علاقہ بھی قلات سے قریب تر تھا جہاں کئی ہندوؤں کی سرداریاں بھی قائم تھی اور ان کی آبادی بھی کافی تھی جن پر بہ

نسبت بلوچوں کے جو پہلے ہی راجہ کو تنگ کر رہے تھے، زیادہ اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ دوسری طرف زہری میں سیوا کا بیٹا سنگین حاکم بتایا گیا ہے۔ اس زہری میں جو اسی زمانے میں "زہری بلوچوں" کا مضبوط گڑھ بھی تھا اور جو فوجی لحاظ سے اس حد تک مضبوط تھے کہ ہمسایہ حاکموں کو فوجی مدد بھی دیا کرتے تھے۔

ایک بلوچ بھائی اپنے سگے بھائی کو اگر وہ حقدار نہ ہو یا کمزور ہو، ایک لمحے کے لیے حکمرانی کرتے ہوئے برداشت نہیں کرتا تو ایک زبردست عسکری قوت رکھنے والے قبیلہ نے ایک لاوارث "سنگین" کو گدی پر کیوں کر برداشت کیا۔ جہاں تک سنگین کے نام کا تعلق ہے یہ سو فیصد بلوچی نام ہے جو مردوں اور عورتوں پر یکساں رکھا جاتا ہے۔ جب کہ ہندوؤں میں سنگین جیسا نام کم از کم ہم نے نہیں سنا ہے۔

اس مختصر سے مطالعے کے بعد ہمیں دو راستے نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ "سیوا قلات" صرف شہر کا نام تھا اور علاقے کا حکمران بلوچوں کا کوئی قبیلہ تھا اور جس کے تعلقات پنجگوری رئیسوں سے پہلے قائم تھے اور جسے میر کمبر کی بہادری اور اثر و رسوخ کا پورا پورا علم تھا اور اسے یقیناً میر کمبر سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا اور وہ بوقتِ ضرورت میر کمبر کو اقتدار سونپنے کے لیے بھی تیار ہوتا ہو گا۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم سیوا کو واقعی ایک ہندو حکمران تسلیم کرلیں اس صورت میں ہمیں کمبر کا زمانہ نو سو سال پیچھے دھکیلنا ہو گا تب کسی ہندو راجہ سیوا کے اقتدار کا جواز مہیا ہو سکے گا۔

قلات کی روایتی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے ہندوؤں کا کہنا ہے کہ سیوا قلات دراصل اس قدیم مندر کی نسبت سے ہے جو قلات بلوچ کی میری کے نیچے صدیوں سے موجود ہے۔ میری کے اوپر کی تمام منزلیں اس مندر کی چھت سے ہٹ کر بنائی گئی تھیں۔ خوانین قلات نے اس زیرزمین مندر کو ہر دور میں احتراماً محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی لیے اس کی چھت پر انہوں نے کوئی دیوار یا کمرہ کھڑا نہیں کیا۔ خان میر محمود خان کے عہد حکومت تک میری کی مشرقی جانب سے مندر کے لیے ایک لمبی سرنگ جاتی تھی جو مندر کی

دوسری منزل پر پہنچتی تھی اور مندر کی نچلی منزل اور فرشی کمرہ جہاں پر بت رکھے ہوئے تھے زمین کے نیچے ملبے میں دب چکی تھی۔ مندر کی یادگار قائم رکھنے کے لیے دوسری منزل پر ایک کمرہ بنایا گیا تھا تاکہ مندر کی اصل جگہ کو مٹنے اور گمنام ہونے سے بچایا جاسکے۔ قلات کے ہندو کبھی کبھی اسی سرنگ سے مندر میں جاتے تھے اس مندر کا نام "سیوا مندر" رہا ہے۔ یہ مندر قلعہ کے نیچے کہیں موجود رہا ہوگا۔ اسی لیے اس کے اوپر تعمیر شدہ قلعہ کی عمارت بھی سیوا مندر کی نسبت سے سیوا قلات یعنی سیوا قلعہ مشہور ہوا۔

"سیوا" در حقیقت ہندوؤں کا ایک قدیم فرقہ رہا ہے جو کہ سیو فرقہ یا سیوا بتوں کے پجاریوں کا مندر رہا ہے۔ چونکہ یہ فرقہ کافی عرصہ پہلے نیست و نابود ہو چکا تھا اس لیے یہ مندر بھی گوشہ گمنامی میں چلا گیا تھا اور دوسرے فرقے کے ہندو اس مندر میں نہیں جاتے تھے۔

ہندوؤں کی مذکورہ بالا روایت معقول لگتی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ چونکہ قلات یعنی قلعہ "مندر سیوا" کے ملبے کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے اور جگہ کا نام مندر کے نام کی وجہ سے سیوا مشہور تھا اس لیے قلات (قلعہ) کا نام بھی "سیوا قلات" مشہور ہو گیا۔ جس کے معنی "سیوا مندر والی جگہ کا قلعہ" لیے جاسکتے تھے نہ کہ "سیوا راجہ کا قلعہ"، جیسے کہ مصنفین نے لکھا ہے۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی سیوا نام کے شخص یا خاندان نے کبھی بھی قلات پر حکومت نہیں کی ہے۔

واضح ہو کہ سیوا، ہندومت کے قدیم عقیدوں میں سے ایک ہے۔ سیوا اور وشنو عقیدوں کی تبلیغ ہندوؤں کے قدیم پرانوں میں وسیع پیمانے پر کی گئی ہے۔ خصوصاً گیتا عہد میں ان دونوں عقیدوں کے لاکھوں پجاری پیدا ہوئے۔ جنہوں نے وشنو اور سیوا کے بت بنا کر رکھے اور ان کی پوجا کی پھر ان بتوں کے کئی مندر بنے اور ان کی پجاریوں کے فرقے تشکیل پا گئے۔

ہندوؤں کے پرانوں میں مذکور دونوں دیوتاؤں کی متعدد صفات بیان کی گئی ہیں اور ان کی بے پناہ تعریفیں کی گئی ہیں۔ 742ء سے 752ء تک نئے ہندومت کا پرچار شروع ہوا۔ جس میں تین دیوتاؤں کی پوجا کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک "سیوا" دوسرا "وشنو" اور تیسرا "کرشنا" تھا۔ پہلے دو دیوتا ہندوؤں میں بہت مقبول ہوئے۔ نامی گرامی پرچاریوں میں شنکراچاریہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جس نے انتھک تبلیغ کی۔ اس پرچار کے نتیجے میں سینکڑوں کے حساب سے سیوا اور وشنو کے مندر بنائے گئے۔ ہندومت کے چھ اہم فرقے کافی مقبول رہے ہیں۔ جو شیوائی، شکتائی، گناپتی، سموراپتی، وشنوئی اور سمرپتی ہیں۔ شیوائی یا سیوائی، سیو یا شیو دیوتا کے ماننے والے فرقے کو کہا گیا ہے۔ سیو دیوتا کو "تباہ کرنے والا" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہندو تاجروں نے اس دیوتا کی بڑی پبلسٹی کی ہے سادہ اور پہاڑی لوگوں کو اس سے خوفزدہ کرنے کوشش کی ہے بلوچ اس دیوتا کو "زوراک" کا نام دیتے تھے۔

ایک محقق میگا ستھینے ہندومت میں چار اہم فرقوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جو ہریکلز، ڈیوینسس، زیوریس اور مبریوس تھے جو کہ کرشنا، سیوا، وشنو اور اندرا کے ناموں سے شناخت کئے جاتے تھے۔ ان میں اہم ترین سیوا ہوتا تھا۔ راجہ اشوکا کا لڑکا جلوکا "سیوا" کے مشہور ترین پجاریوں سے تھا۔ جس نے سیوا دیوتا کے نام کے سینکڑوں مندر تعمیر کرائے تھے۔ ان تاریخی مندروں میں سے ایک مندر قلات کا سیوا مندر رہا ہے جو عرب، ایرانی اور ساہرائی بلوچوں کے حملوں کی زد میں آکر بتاہ ہو گیا تھا۔ اس مندر کے بارے میں بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ قلات میں سیوا قلعہ کے نیچے ایک بت خانہ ہے جہاں "مہاکالی" کا سنگ مرمر کا بت رکھا ہوا ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی تحقیقی جائزے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے کہ قلات پر کسی سیوا راجہ یا سیوا خاندان کی کبھی بھی حکومت نہیں رہی ہے اور قلات کا نام "سیوا مندر" کی وجہ سے قلات سیوا پڑا ہے۔

زَندان، زَند گر

زندان، مستونگ سراوان کے پہاڑی علاقے میں ایک قدیم موضع کا نام رہاہے جو موجودہ وقت میں اس موضع کے ساتھ والی پہاڑی پر چسپان ہے۔ جب کہ دوسرانام "زند گر" ضلع کیچ کے بلیدہ میں ایک پہاڑی گھاٹی (گر) پر چسپان ہے۔ نیز لورالائی میں قدیم ندی "زندہ رود" ہے اس کے قرب وجوار کا علاقہ بھی اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔

"زندان" زند کا جمع ہے جو "زند لوگ" کے معنی دیتا ہے۔ جب کہ "زند" واحد صورت میں مستعمل ہوا ہے جو وہی معنی دیتا ہے جو زندان کے ہیں ایسے کئی نام ہیں جو بعض علاقوں میں بطور واحد کے استعمال ہوئے اور بعض علاقوں میں جمع کی صورت میں بولے گئے ہیں۔ جیسے کُھڈ اور کُھڈان، مہر اور مہران، کاش اور کاشان، کش اور کشان، مار اور ماران، اوار / ہوار، اور اواران / ہواران، گاج اور گاجان، طُور اور طوران، پشاور اور پشاوران، گُرگ اور گُرگان وغیرہ وغیرہ۔ واضح ہو کہ اسماء کا واحد اور جمع کی صورت میں استعمال بالادست زباں کے سبب ہوا ہے۔ جہاں جہاں فارسی زبان کا اثر رہا ہے وہاں اسماء جمع کی صورت میں استعمال ہوئے ہیں اور جہاں فارسی کا اثر نہیں رہا ہے تو مقامی زبانوں کے سبب اسماء واحد صورت میں مستعمل رہے ہیں۔

"زند" اور "زندان" دونوں زند قبلہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جو تاریخ کے کسی دور میں مذکورہ علاقوں میں اپنی بستیاں بسا چکے تھے۔ یہ ایک تاریخی نامور اور ترکمان قبیلہ ہے جو اوغز ترکمان کی ایک شاخ ہے اس کے کئی خاندانوں کا شمار

حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ جن کا اقتدار سیستان اور کرمان کے علاوہ کئی دیگر قرب و جوار کے علاقوں میں رہا ہے۔ کریم خان زند، ملک لطف علی، ابوالفتح کا شمار انہیں نامور حکمرانوں میں رہا ہے۔

ترکمانستان کے صدر سپر مراد ترکمانباشی نے اپنی تصنیف "روح نامہ" میں زند خاندان کا ایک مختصر شجرہ نسب شائع کیا ہے جو درج ذیل ہے۔(۱)

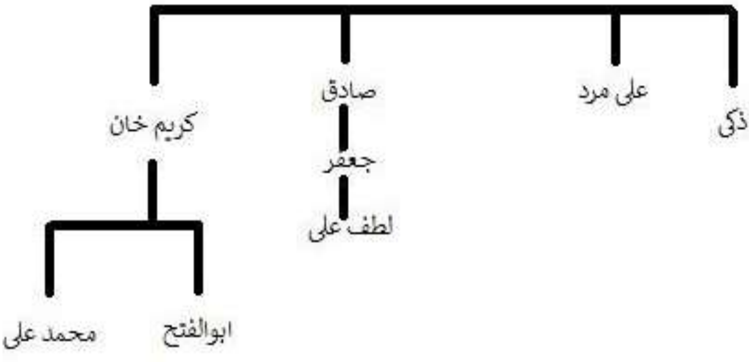

مندرجہ شجرہ نسب سے اس زند خاندان کے جد امجد کا نام معلوم نہیں ہوتا۔(۲)

بلوچستان کے محررہ بالا مواضع زند گروہوں نے کس دور میں آباد کیے اور پھر کہاں گئے یہ سب کچھ پردہ اخفا میں ہے۔

زئی

مکران کی تحصیل میں تمپ کے کلبر علاقے میں ایک غیر آباد جگہ کا نام ہے جو یقیناً کسی زمانے میں آباد موضع ہو گا۔ ضلع چاغی میں ایک پرانی جگہ "زئیان" کے نام سے ہے جو "زئی" کی صیغہ جمع ہے۔ جس سے "زئی لوگ" کے معنی نکلتے ہیں۔

"زئی قبیلہ" کے بارے میں تاریخی کتب میں ہمیں کچھ دستیاب نہیں ہوا لیکن یہ ذات کراچی کے ہندوستانی مہاجروں میں موجود ہے۔ اس ذات میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بڑے بڑے آفیسر ہیں ایک پروفیسر صاحب تھے جنہیں اپنی ذات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ بہرحال ہم اسے ایک ہندی قبیلہ کا ایک گروہ مانتے ہیں جس کی بلوچستان کے مذکورہ بالا علاقوں میں آمد و آباد ہونے کا زمانہ نامعلوم ہے۔ بلوچستان میں اس ذات کے لوگ بلوچ قبائل میں دکھائی نہیں دیتے۔

زیدی

مذکورہ نام ضلع خضدار میں خضدار شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قدیمی گاؤں کا ہے۔ جو قبیلہ ساسولی کا صدر مقام ہے جہاں پر قبیلہ کا سردار گھرانہ رہتا ہے۔ مقامی لوگوں میں مشہور ہے کہ یہاں ماضی میں ایک عرب قبیلہ رہتا تھا۔ جو بڑا جنگجو اور سرکش قبیلہ تھا۔ جو مقامی لوگوں پر بڑا غضبناک تھا اور پورے اطراف میں اس کی بالادستی تھی۔ مقامی مظلوم لوگوں کی بد دعاؤں کے نتیجے میں گاؤں میں طاعون کی وبا پھیل گئی اور قبیلے کی اکثریت چند دنوں میں مرکھپ گئی جب کہ باقی ماندہ خوف کے مارے سندھ کی طرف نقل مکانی کر گئے۔

مذکورہ نام دراصل زیدی نہیں بلکہ "یزیدی" ہے۔ غلط العوام میں زیدی تلفظ کیا جاتا رہا ہے اور اب یہی زیدی مستعمل ہے۔ یزیدیوں کا مذہبی تعلق ایرانیوں کے شیعہ مسلک سے رہا ہے اور اب بھی اس قبیلہ کے گھرانے جو موصل کے اطراف میں بود و باش رکھتے ہیں ایرانی شیعہ مسلک سے منسلک ہیں۔

اٹھارویں صدی کے دوران ان کی بڑی آبادی ہوتی تھی۔ اور ان کی مقتدرہ گاؤں "التون کوبری" بڑی شہرت رکھتا تھا۔ موصل اور اس کے قرب وجوار کی آبادی ان کے شر سے غیر محفوظ تھی۔ قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ جیسے ان کا روز کا مشغلہ رہا ہو۔ خطے کے عوام انہیں قابل گردن زدنی قرار دیتے تھے لیکن ان کا ہاتھ ان شر پسندوں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

جب ایرانی بادشاہ نادر شاہ موصل پر قبضہ کرنے جارہے تھے تو اسے سلطان ترکی کی طرف سے ایک خط دیا گیا جس میں شیخ الاسلام نے ایرانی شیعوں کے قتل کو جائز قرار دینے کا فتوی دیا تھا کیوں کہ بقول اس کے ان کا مذہب مبینہ طور پر اسلام کے خلاف ہے۔ جب نادر التون کوبری پہنچا تو اسے یزیدیوں کے شیطانی کرتوتوں کے بارے میں شکایتیں دی گئیں۔ لوگوں نے یزیدیوں کو "شیطان کے پجاری" کا نام دیا تھا اور ان کی گوشمالی کی درخواست کی تھی۔ نادر نے ان "یزیدیوں" کو ختم کرنے کے لیے بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے بھتیجے علی قلی خان کو بھیجا۔ مذکورہ قبیلہ اپنے تمام مردوں کو لے کر مقابلہ پر آیا۔ جنگ شروع ہوئی تو قبیلہ کے جنگجو بڑی بہادروی سے لڑے لیکن بالآخر انہیں تجربہ کار خراسانیوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ جنگ کے بعد علی قلی خان نے آگے بڑھ کر ان قبائلیوں کے ایک مضبوط پہاڑی مرکز پر حملہ کرکے بقیہ یزیدیوں کا بھی قلع قمع کر دیا۔ پھر علی قلی خان اور اس کے ساتھی واپس مرکزی فوج سے آملے۔ (۳) بعید از قیاس نہیں ہے کہ یزیدی گروہ کی مذکورہ مقام پر آمد اور آبادکاری نادر شاہی یلغار کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ کیوں کہ مقامی لوگوں کے ذہن میں جگہ کے سابق باشندوں میں طاعون کی وبا کا پھیلنا اور اس کے نتیجے میں بے شمار اموات سے تباہی اور علاقے سے ہجرت کی روایت ابھی تک ان کی یادداشت میں موجود ہیں۔

حواشی

ا۔ "روح نامہ"، بلوچی، ص159۔

۲۔ کتاب "مجموعہ بلوچ تاریخ" خاران میں اس کے مصنف میر عبدالقادر بلوچ خارانی تاریخ مردوخ ص 94 کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کریم خان زند، بادشاہ ایران بلوچ خاندان کا فرد تھا۔ دیکھئے مذکورہ تاریخ ص38۔

۳۔ "نادر شاہ" از لارنس ہارٹ اور ترجمہ طاہر منصور فاروقی، ص 321-322، بحوالہ "تاریخ نادری"۔

سامان

سامان کے نام سے ضلع کیچ میں ایک پہاڑی ہے، ایک ندی کا نام بھی سامان ہے، ایک اور مقام "سامان ءِ آپگر" کہلاتا ہے۔ بلیدہ میں ایک قدیم قلعہ "سامان کلات" کے نام سے ہے۔

سامان ایرانی بادشاہوں کا ایک شاہی قبیلہ رہا ہے جس کے طائفے قبیلہ کی حکمرانی کے بعد مختلف ملکوں اور سمتوں میں بسنے لگے۔ ایران کے اصفہان میں ایک قدیم ترین موضع اپنے قبیلہ کے نام پر تھا جو ابھی تک ہے۔ صوبہ سرحد اٹک میں بھی یہ موضع بسا چکے ہیں۔ قدیم سیستان کے گاؤں گاؤں میں اس قبیلے کی آبادکاری کے آثار ملتے ہیں۔

سامان قبیلے کا جد امجد "سامان خدات" نامی نامور شخص رہا ہے لیکن تصنیفات میں اس کے حکمران ہونے کی روایت نہیں ملتی۔ سامان خدات کا نسب نامہ ایک نامور ایرانی سپہ سالار "بہرام چوبین" سے ملتا ہے۔ یہ خاندان قدیم خراسان کے معروف شہر "رے" میں رہتے تھے اور یہ لوگ شرافت اور عزت میں مشہور تھے۔ ان کا موضع رے میں "سامان" ہی کے نام سے تھا۔ بہرام چوبین کی سرداری اور بالادستی میں رے کے علاوہ افغانستان میں واقع بلخ بھی ہوتا تھا۔ قبیلہ کا ابتدائی مذہب آتش پرستی ہوتا تھا لیکن سامان خدات کے وقت قبیلہ کے بیشتر افراد مسلمان ہوگئے تھے۔ سامان، دین کی تبدیلی کی وجہ سے حکمرانوں کے غضب کا نشانہ بن گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ علاقہ چھوڑ کر خراسان کے حاکم کے پاس پہنچا اور یہیں کا ہو رہا۔ ان کا ایک بیٹا اسد نامی حاکم خراسان کا ایک مشہور درباری شخص

بن گیا جس کی کافی شہرت ہو گئی تھی۔ خصوصاً خلیفہ ہاروں الرشید کی دور حکمرانی میں وہ ایک ذمہ دار منصب پر تعینات کیے گئے۔ اس کی اولاد نے خراسان، سیستان، کرمان، جُرجان اور طبرستان میں حکومتی مناصب پر نام آواری پیدا کی ہے۔

خراسان و سیستان کے زوال پر یہ قبیلہ مختلف خطوں میں منتشر ہو گیا۔ بلوچستان کے مندرجہ بالا علاقوں میں سامانوں نے کس زمانے میں آباد کاری کی ہے اس کا کوئی تحریری ریکارڈ موجود نہیں ہے اور نہ ان کے بارے میں علاقائی روایتیں ملتی ہیں۔

سامی

"سامی" مکران کے ضلع کیچ کے ایک اہم اور بڑے گاؤں کا نام ہے جو تربت اور پنجگور کے راستے پر تربت سے نسبتاً قریب واقع ہے۔ بلوچستان میں اس نام کا دوسرا کوئی موضع سننے میں نہیں آیا ہے۔

سامی ایک عراقی عرب قبیلہ رہا ہے جو اپنے اصل وطن کے علاوہ دیگر ہمسایہ ممالک میں بھی آباد رہا ہے۔ طبقات ناصری جلد اول کے ص309 پر لکھا ہے کہ 637ء میں یہ قوم عراق کے علاوہ کرمان اور مکران میں موجود تھی اور مسلمان لشکروں کا اس نے استقبال کیا اور ان کی مہموں میں ان کا ساتھ دیا۔

مندرجہ بالا تحریر سے ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جب یہ مکران میں ساتویں صدی کے دوران موجود تھا تو یقیناً انہیں سن و سال میں مذکورہ موضع انہوں نے ہی آباد کیا ہو گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی آباد کاری عارضی اور چند سالوں کی تھی یا مستقل تھی۔ اگر مستقل تھی تو یقیناً آگے چل کر وہ مقامی بلوچوں میں جذب ہو گئے

ہوں گے اور اپنی عربی شناخت کھو چکے ہوں گے۔ جو ہر جگہ ایک مسلسل تاریخی عمل ہے۔

مکران اور کرمان کے حدود کے علاوہ اس قبیلہ کی ایک بڑی اکثریت سندھ میں بھی آباد رہی ہے۔ وہاں ان کا مرکزی بڑا گاؤں ٹھٹھ نگر تھا۔ جو "سامی نگر" کے نام سے مشہور تھا۔ اس بارے میں مشہور انگریز سیاح اور لکھاری "الیکزینڈر برنس" اپنی تصنیف "ٹریولز ان ٹو بخارہ اینڈ اے وائیج آن دا انڈس" میں لکھتے ہیں کہ ٹھٹھہ کا پرانا نام سامی نگر رہا ہے۔ جو ایک مشہور عرب چھاونی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ میں یہ بڑی تعداد میں آباد رہے ہیں اور اس کی آبادکاری مستقل نوعیت کی رہی ہے۔

سامیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ترکی میں بھی آباد ہے اور ان کا شمار ترکوں میں ہوتا ہے۔ ان کا ایک مشہور لکھاری اور دانشور شمس الدین سامی رہا ہے جو ایک نامی گرامی لغت نویس تھا جس نے ترکی زبان کو ترقی دینے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ وہ 1850ء میں البانیہ کے شہر قرامیں پیدا ہوا تھا۔ ان کا خاندان ایک بہت بڑا خاندان ہے اور مختلف طائفوں میں تقسیم ہے۔ ترکی میں اس خاندان کے تمام طائفے "البانی سامی" قبیلہ کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔

سامیوں میں ایک بڑا گروہ مغربی سامی کہلاتے رہے ہیں۔ جن کو "آموری" بھی کہا گیا ہے اور ان کا نسلی تعلق قدیم ترین بدو عربوں میں بتایا جاتا ہے۔ ان سامیوں نے 2100 ق م سے 1900 ق م تک بابلیوں کے نامی میں دم کر رکھا تھا، جدھر کدھر حملے اور ڈکیتیاں کرتے تھے یہ تمام مال مویشیوں کے مالک ہوتے تھے اور سرسبز کھیتیوں کو زبردستی اجاڑتے اور غارت کرتے تھے اور یہاں

تک کہ فصلیں لوٹ کر لے جاتے تھے۔ ان کے مویشی زیادہ تر گدھے اور بکریاں ہوتی تھیں۔(۱)

مصری سامیوں میں کئی بڑی بڑی شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ جنہوں نے ادب، فلسفہ، تاریخ اور سیاست میں نام پیدا کیا ہے۔ جن میں معروف سیاست دان محمود سامی البارودی (مصری) تھا جو ایک نامور دانشور، رائٹر اور نقاد تھا۔ وہ ایک ہر دالعزیز شاعر بھی تھا جسے اس کے زمانے کے بعض دانشوروں نے ابن الرومی سے بھی بڑا شاعر قرار دیا ہے۔ وہ 1839ء میں پیدا ہوا تھا۔ 1863ء میں وہ مصری حکومت کے امور خارجہ کا سیکرٹری رہا اور عسکری خدمات میں بھی پیش پیش رہا اور بعد میں بریگیڈیئر کے عہدے تک پہنچا۔ اس کا انتقال 1940ء میں ہوا۔(۲)

سبیر

ضلع کیچ کے دشت علاقہ میں دیول نامی مقام کے مشرق میں ایک ٹیلہ "سبیر دمب" (خرابہ سبیر) کے نام سے ہے۔ مقامی لوگ اس کا نام جانتے ہیں اور مزید اس کے بارے میں انہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس کے پھیلے ہوئے آثار دور دور تک نظر آتے ہیں اور اکثر کاشتکاری کی زد میں آکر غائب ہوگئے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں یہ ایک بڑا قلعہ ہوا ہو گا۔

سبیر ایک یمنی عرب قبیلہ ہوتا تھا جس کی باقیات سعودی عرب، شام اور یمن میں قلیل تعداد میں موجود ہیں۔ اس کا مرکزی شہر صدیوں قبل یمن کے پہاڑی دامان میں واقع ہوتا تھا۔ اب وہاں صرف قدیم شہر سے متصل پہاڑی پر یہ نام چسپاں ہو کر رہ گیا ہے۔ اس نام کو مختلف طریقوں سے لکھا اور بولا جاتا ہے۔ یمن

میں اسے صبیر لکھا جاتا ہے۔ یمن کے کوہِ سبیر کو کتابوں میں "جبل صبیر" لکھا گیا ہے۔ جب کہ سعودی عرب میں اس نام کے مواضع "ث" سے لکھے گئے ہیں۔ مکہ کے قریب تین پہاڑیاں اس قبیلہ کے نام پر ہیں جنہیں ثبیر الاعرج اور ثبیر مَنّٰی لکھا جاتا ہے ان کے علاوہ دیار مزئینہ میں بھی ایک نام موجود ہے۔

بلوچستان میں اس نام کے قبائلی کس زمانے میں پہنچ چکے تھے اور اپنی بستی بسا چکے تھے اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ پانچویں صدی کے درمیان جب کئی عرب قبائلی گروہ بغرض تجارت انڈیا جاتے ہوئے بلوچستان سے گزرتے تھے تو ان میں سے بعض گروہ یا جاتے ہوئے بس گئے یا انڈیا سے واپس آتے ہوئے یہیں رہ بس گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقامی قبیلوں میں مدغم ہو گئے۔

مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ منگول فاتح تیمور لنگ بھی اپنے زمانے میں آقائے صبیر کہلاتا تھا۔ یہ خطاب اسے کیسے ملا تھا یا اس نے کیسے اپنایا تھا، کتابوں میں اس کے متعلق کچھ مذکور نہیں ہے۔

سُرخ / سُہر

مذکورہ بالا نام دو لہجوں میں ادا کیا جاتا ہے پہلا لہجہ فارسی اور عربی کا ہے جب کہ دوسرا لہجہ بلوچی کا ہے یہ چند موضعات کا نام ہے جو بلوچستان کے مختلف علاقوں میں واقع ہیں۔ ایک موضع سُرخ نام سے ضلع قلات کے سوراب میں ہے، ایک موضع پشین میں سُرخاب ہے۔ سُرخیں، قلات میں، سُرخ دیہہ بلوچی سیستان میں، قلعہ سُرخ، ایران میں شیراز کے قریب واقع ہیں۔

ممکن ہے کہ بلوچستان میں اور کہیں بھی سرخ نام سے کوئی موضع ہو جس کا ہمیں علم نہ ہو۔ بلوچی ادائیگی کے ساتھ نال علاقہ خضدار میں سُہر دمب (سرخ خرابہ)، منگیچر میں موضع سُہر، سُہر کئور (سرخ ندی) ضلع کچھی میں اور سُہرءِ ملک (سرخ کا وطن) خاران میں وجود رکھتے ہیں جو نہایت قدیم مواضع ہیں۔

"سُرخ" ایک قدیم تورانی ترک قبیلہ ہوتا تھا جس کی درج بالا قدیم بستیاں تھیں۔ بلوچستان میں اس قبیلہ کا مرکزی مقام سوراب کا موضع سرخ ہوتا تھا۔ خود "سوراب" بھی ایک ترک طائفہ ہوتا تھا اور اس کا شمار گجر گروہ سے ہوتا تھا۔ سوراب طائفہ اپنے اس مقام کے علاوہ نال میں بھی بود و باش رکھتا تھا جہاں پر اس کے نام کا موضع موجود ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سوراب کا کوئی سرخ گروہ ہجرت کر کے خاران میں جابسا تھا اور ایک بڑے علاقے پر اپنا تصرف قائم کر چکا تھا۔ جو "سُہرءِ وطن" (سُرخ کا ملک) کہلاتا ہے۔ اس قبیلہ کا ایک تاریخی نامور بزرگ سید شاہ جلال سرخ بخاریؒ گزرے ہیں جو شہباز قلندر حضرت محمد عثمان مروندی، حضرت غوث بہاؤالدین ذکریا ملتانی اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ہم عصر تھے اور ان کے ہمراہ سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں تبلیغ دین کرتے تھے۔ مذکورہ سرخ بزرگ کے نام کے ساتھ سید کا سابقہ ہے لیکن بلوچستان کے سرخ قبیلہ میں سے کسی نے بھی سید ہونے کا عندیہ نہیں دیا ہے۔

اس وقت سُہر قبیلہ کے چند گھرانے خاران اور پنجگور میں نظر آتے ہیں جو اپنے نام کے ساتھ قبیلہ کے بجائے قومی نام بلوچ استعمال کرتے ہیں۔ کسی وقت یہ ایک بڑا نامور قبیلہ ہوتا تھا لیکن اب گمنامی میں چلا گیا ہے۔

خاران گزیٹئر میں ان کے اپنے حوالے سے مصنفین نے لکھا ہے کہ وہ کولواہ مکران کے رند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو اب دریائے بڈو کے کناروں کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور کاشتکاری کرتے ہیں۔

مذکورہ روایت یا تو گزیٹئر مرتب کنندگان کی اپنی ذہنی اختراع ہے یا پھر کسی عام شخص سے ایک سنی ہوئی بات ہے۔ کیوں کہ سرکردہ اشخاص کے علاوہ خاران کا ہر قدیمی باشندہ سُہروں (سُرخوں) کو خاران کے قدیم ترین قبائل میں گنتا ہے۔ خود خاران کے سابق حکمران خاندان نوشیروانیوں کا کہنا ہے کہ "پیرئک زئی" اور "سُہر" خاران کے قدیم ترین قبیلوں میں سے ایک ہیں۔

دریائے بڈو کے ساتھ ساتھ اراضیات کا ایک سلسلہ ہے جو نوشیروانی سرداری اور حکمرانی سے قبل "سُہرءِ وطن" کے نام سے معروف رہا ہے۔ یہ نام خود سُہر قبیلہ کی قدامت کا واضح اشارہ دیتا ہے۔

یہ قدیم تورانی قبیلہ بلوچستان کے شمالی اضلاع، افغانستان، سابقہ سیستان میں آباد تھا اور ایک خانہ بدوش قبیلہ ہوتا تھا۔ افغانستان کے بخارا میں اس قبیلے کے سینکڑوں گھرانے آباد ہوتے تھے جو اب معدوم ہو چکے ہیں۔

سریکوراں

مذکورہ نام مکران کے ضلع پنجگور کا ایک بڑا گاؤں ہے۔ یہ اسم یہاں بطور جمع استعمال ہوا ہے۔ واضح رہے کہ بلوچستان کے جن جن علاقوں میں قدیم زمانوں سے فارسی زبان بطور سرکاری زبان کے مروج رہی ہے۔ ان علاقوں میں مواضع کے اکثر نام جمع کی صورت میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک نام سریکوران ہے۔ یہ

نام بصورت واحد اصل مین سریکول ہے۔ جسے "سریکور" ادا کیا جاتا ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں اکثر "ل" اور "ر" کی آواز "ر" اور "ل" میں بدل جاتی ہیں۔ جیسے سندھ میں بلوچ نام کو "بروچ" اور "بلوچی" کو بروچکی ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بلوچ نام "نادر" کو "نادل"، "بدر" کو "بدل" اور کرم علی کو "کلملی" ادا کرتے ہیں۔ سریکور بھی اسی لہجے کی ایک کڑی ہے۔

سریکول، نامی قبیلہ چینی ترکستان کا ایک قبیلہ رہا ہے۔ جو کاشغر اور یارقند کے خطوں میں تاحدِ تاشکرغاں آباد رہا ہے۔ مذکورہ کوہستانوں میں یہ قبیلہ آج بھی موجود ہے اور ان کا ایک بڑا گاؤں ان کے نام پر "سریکول" موجود ہے۔(۳)

یہ قبیلہ ہندوکش کے قبائل میں ایک اہم قبیلہ مانا جاتا ہے۔ پامیر کی طرف جاتے ہوئے "سریکول" قبیلے کے نام پر ایک وادی بھی ہے جسے مصنفین نے "سریکول کی چھوٹی سی پہاڑی ریاست" لکھا ہے جو ہنزہ کے شمال میں واقع ہے۔

قبیلہ "سریکول" کے لوگوں نے کس زمانے میں پنجگور کے مذکورہ مقام پر آبادکاری کی، یہ تاریخ کا سربستہ راز ہے۔

سِلاچ

سیلاچ نام کا موضع ضلع آواران میں ہے۔ یہ ایک قدیم موضع ہے۔ علاقے کے لوگ صرف بتاتے ہیں کہ جب سے کولواہ کا نام سنا گیا ہے، سلاچ کا نام بھی سنا گیا ہے۔ کولواہ کے اس مقام سے سترہویں صدی عیسویں کے اواخر میں جو لوگ بہتر مستقبل کی تلاش میں کچھی اور سبی کی طرف کوچ کر گئے تھے وہ وہاں پر اپنے اس مسکن کی نسبت سے سِلاچی کہلائے۔ جو ابھی تک اسی نام سے معروف ہیں

لیکن سیلاچیوں میں قدیم "سلاچ" ذات موجود نہیں تھی۔ یقیناً یہ کسی اور سمت ہجرت کر گئی ہو گی یا پھر مقامی ذاتوں میں مدغم ہو کر اپنی انفرادیت کھو چکی ہو گی۔ البتہ کشمیر میں اس ذات کے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ جو بنیادی طور پر کشمیر ہی کی ایک ذات رہی ہے۔

سِمان

"سمان" وادی خضدار میں ایک ندی کا نام ہے جو خضدار شہر سے بطرف جنوب زیارت پیر عمر کے پہلو میں بہتا ہے۔ اس کا اصل محل وقوع نامعلوم ہے۔ لیکن زیارت پیر عمر کے قرب وجوار میں ہی کہیں واقع ہوا ہو گا۔ یہ نام "سما" کی جمع صورت ہے جو دراوڑوں کے مشہور قبیلہ "ناگ" کا ایک گوت یا طائفہ ہے۔

اس نام سے ملتا جلتا ایک نام "سمعان" ہے جو ماضی میں ایک عرب قبیلائی طائفہ رہا ہے جس کے نام پر دیار تمیم میں ایک گاؤں ہے۔

خضدار علاقہ زمانہ قدیم میں بے شمار ہندی و تورانی اور جاٹ قبیلائی طائفوں کا مسکن رہا ہے۔ کئی ہندی و جاٹ طائفے یہیں سے گزر کر مکران اور عراق کی سمت جاتے رہے ہیں اور اسی طرح کئی عرب گروہ، ممالک عرب سے آتے اور سندھ وہند کو درہ مولا سے جاتے رہے ہیں اور بعض وقتی طور پر اور بعض مستقلاً بستے رہے ہیں۔ اب یہ کہا نہیں جاسکتا ہے کہ مذکورہ موضع کس قبیلائی طائفے نے بسایا تھا لیکن زیادہ تر امکان ہندی قبیلہ ناگ دراوڑ کے "سِما" طائفے کی ہے۔

سنگھار

بلوچستان میں سنگھار نامی موضع گوادر میں ہے۔ گوادر والوں کو اس نام کی وجہ تسمیہ اور تاریخ کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ بلوچستان کے دیگر علاقوں میں اس نام کے اور مواضع نہیں دیکھے گئے۔

گوجروں اور راجپوتوں کی تواریخ میں اس نام کا ذکر ملتا ہے۔ گوجر مصنفین اس نام کو گوجروں کا ایک قبیلہ بتاتے ہیں جب کہ راجپوت تاریخ نویس اسے ایک راجپوت قبیلہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس قبیلے کے جد امجد کا نام سنگھار تھا۔ جو راجپوت تاریخ کی ایک اہم شخصیت بھونگر سومرہ راجپوت کا بیٹا تھا۔ بھونگر، راجپوتوں کا ایک جانا پہچانا حکمران تھا۔ سنگھار باپ کی وفات کے بعد حکمران بنا اور تمام راجپوتانہ اس کے زیر اقتدار تھا۔ اس نے 1092ء میں اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی بہادری اور ذہانت کے بل بوتے پر مکران کے مغربی خطے کے "ناکنی" تک اپنی مملکت وسیع کی۔(۴) سنگھار کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس کے دیگر گھرانوں نے اس کی شہرت کے پیش نظر اس کے نام کو اپنا قبیلائی شناخت بنالیا۔ سنگھار 1106ء میں دوسری دنیا سُدھار گیا۔

گوادر کے اس دور دراز خطے میں سنگھار کا کوئی طائفہ کب اور کس دور میں آکر آباد ہوا اس کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ موجودہ وقت میں سندھ کے بعض شہروں کے علاوہ کراچی اور بلوچستان کے لس بیلہ میں سنگھار قبیلہ کے گھرانے موجود ہیں۔ جو کچھی اور میمن قبیلہ میں شامل ہیں۔ وہ سوائے اس کے کہ سومرہ کی شاخ ہیں اور کچھ نہیں جانتے ہیں۔ گوادر کے سنگھار باسی یقیناً مقامی بلوچوں میں مدغم ہوئے ہوں گے، لیکن قبائل میں نظر نہیں آتے۔

سوپک

مذکورہ بالا نام ضلع واشک کے علاقہ رخشان کے ناگ میں ایک کوہستانی موضع ہے جسے چار سو سال قدیم کہا جاتا ہے۔ اس کی پوری آبادی چند گھروں پر مشتمل رہی ہے۔ ماضی قریب میں اس کے حدود میں ایک باغ لگایا گیا ہے اب اس باغ کی وجہ سے اس کا نام "باغ سوپک" پڑ گیا ہے۔ جو عام و خاص میں شہرت پا گیا ہے۔ جب ہم خضدار کالج میں پڑھتے تھے تو اس قبیلہ کا ایک نوجوان بھی کالج میں تھا جسے دوسرے لڑکے سوپک سوپک کہہ کے پکارتے تھے۔ ایک دن میں نے اس سے اس نام کی وجہ تسمیہ کا پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ ان کے قبیلہ کا نام ہے اور یہ ایک بلوچی کا لفظ ہے جس کے معنی ڈھیٹ اور لاپرواہ کے ہیں اور واقعی یہ لفظ میں نے بعض دفعہ عورتوں کی زبانوں پر آتے سنا ہے۔ بہر حال ایسے معنی دینے والا لفظ کسی قبیلہ کا نام ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک اور موضع سراوان میں ناگاؤ پہاڑی سلسلہ میں ہوتا تھا جو اب وہاں کی ایک ندی پر چسپاں ہے اور سوپک کور (سوپک ندی) کہلاتا ہے۔

اپنے تاریخی تجسس کے دوران ہمیں یہ نام ہندی قبائل میں ملا جسے ڈوم گوت کہا گیا ہے اور ان کا شمار کمینوں اور نیچ ذاتوں میں بتایا گیا ہے۔ ہندوستان میں جدھر کدھر ڈوموں کی حیثیت زیرِ دست کم ذاتوں کی رہی ہے۔ ایک انگریز مصنف لارنس لکھتا ہے کہ ڈوم ہندوؤں کے شودر اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنی کمیں حیثیت کو چھپانے کے لیے ان کے کئی گھرانوں نے اپنی ذات کو قدیم ہندو مہذب ذاتوں سے ملایا ہے۔ ابسٹن لکھتا ہے کہ سندھ میں کئی ڈوم خاندانوں نے اپنے کو جاٹ بتایا ہے۔

"راج ترنگی" کے مصنف پنڈت کلہن لکھتے ہیں کہ 936ء میں جب راجہ چکرورمن تیسری مرتبہ کشمیر کا بادشاہ بناتو اس نے اپنے شاہی دربار کا مختار کل ایک گانے ناچنے والی ڈوم کے ہاتھ میں دیا جو "رنگ" کے نام سے مشہور تھا۔ سارا دربار اسی "رنگ" کی رنگینیوں میں مست تھا۔ یہ بادشاہ اس ڈومنی کو اس حد تک پیارا تھا کہ وہ اس کے بچے ہوئے کھانے اپنے درباری برہمنوں اور اپنی بیگم کو کھلاتا تھا۔ پنڈت کلہن نے ان ڈوموں کے لیے "سوپک" کا نام استعمال کیا ہے اوراس کے معنی "ناپاک" لکھے ہیں۔ بادشاہ نے ایک سوپک عورت سے بیاہ کر کے اسے شاہی محل میں رکھا تھا۔ لیکن شاہی تہذیب و تمدن ان سوپک ڈوموں پر اثر انداز نہیں ہوا۔ کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ لوگ انتہائی پست عادتوں کے لوگ ہیں اور کسی بھی صورت میں قابل اعتماد نہیں ہیں۔

بلوچستان میں یہ خاندان کب وارد ہوا ہے کوئی نہیں جانتا لیکن یہاں ان پر قدیم سوپک طور طریقوں کی کوئی چھاپ نظر نہیں آتی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب یہ مقامی بلوچ قبائل کا حصہ بن چکے ہیں اور ان کا شمار بلوچ معززین میں ہوتا ہے۔ ناگ میں یہ ساسولی قبیلہ کا اٹوٹ انگ ہیں۔ اس قبیلے کی ایک تاریخی شخصیت حاجی خان سوپک نے ملک دوستیں نوشیروانی کی دعوت پر براہوجد گال جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ جنگ کے اختتام پر میروانی سردار ملک بجار نے ان کی جنگی خدمات کے پیش نظر انہیں رخشان میں اراضیات دیں۔ جہاں پر وہ مستقل آباد ہوئے۔ ان کے چند گھرانے ایرانی بلوچستان میں بھی موجود ہیں جو رخشان ہی سے گئے ہوئے ہیں۔

سوڑ کئور

یہ نام ضلع گوادر کے گاؤں کلانچ میں ایک ندی کا نام ہے۔ عموماً ندیوں کے نام اس مقام کی نسبت سے ہوتے ہیں جہاں سے ندی شروع ہوتی ہے اور اُس جگہ کا نام پہلے سے موجود اور مشہور رہا ہوتا ہے۔ جہاں سے یہ ندی نکلتی ہے وہاں کسی زمانے میں کوئی گاؤں ہوتا تھا جو اپنے اصل آباد کار کی تاریخی نشانی یا یادگار ہوتی ہے۔ بلوچستان میں یہ نام کسی اور علاقے میں معلوم نہ ہو سکا۔ موجودہ وقت میں یہ موضع یا بستی وجود نہیں رکھتی، صرف ندی نے اس قدیم موضع کے نام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

مذکورہ نام ہمیں "خالص گوجروں کی گوتیں" کی ذیل میں دی گئی فہرست میں مل گئی ہے۔ اس فہرست میں کل ستانوے گوتوں کے نام درج ہیں۔ یہ فہرست حافظ عبدالحق سیالکوٹی کی تالیف "تاریخ گوجراں" کے صفحہ تین سو چوالیس (344) پر درج ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ تین سو بانوے پر مؤلف کتاب لکھتے ہیں کہ گوجروں کی اس شاخ کے لوگ ریگستان ہند میں ریاست دھات کے فرمانروا ہوتے تھے۔

کتاب "دی کاسٹس آف پنجاب" کے مصنف ڈینزل ابسٹن اس قبیلہ کو ایک قدیم ہندو پست قبیلہ لکھتا ہے اور وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس کا ماخذ نامعلوم ہے۔ ان کی سماجی حیثیت بنیا اور کھتری دونوں سے پست ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ یہ اچھی قد و قامت رکھنے والی زبردست قوت اشتراک اور قاعدے والی ایک ذہین اور باہمت ذات ہے۔ یہ لوگ زیرین پہاڑیوں اور ان کے عین نیچے واقع اضلاع میں

امرتسر تک ہی محدود ہیں۔ ان کا مرکزی مقام لدھیانہ اور ماچھی واڑا نامی پڑوس قصبہ ہے۔

ان کی کچھ بکھری آبادی لاہور، فیروزپور، پٹیالہ میں بودوباش رکھتی ہے۔ انگریزی دور میں انگریزی زیر تسلط علاقوں میں ان کی آبادی ساڑھے پندرہ ہزار ریکارڈ کی گئی ہے اور دیگر علاقوں میں ان کی تعداد چار ہزار اشخاص کے قریب رہی ہے ہر جگہ ان کی سماجی حیثیت انتہائی پست رہی ہے۔

بلوچستان میں ان کی آباد کاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔

سُوراب

سوراب نام کے دو تین موضع بلوچستان میں واقع ہیں۔ ایک موضع ایک بڑے گاؤں کی صورت میں ضلع قلات کا سُوراب ہے۔ دوسرا موضع ضلع خضدار کے نال میں ہے جو اب گمنام ہورہا ہے۔ دونوں قدیم توران کے ترک موضع ہیں اور جو گجر گروہ سے منسلک رہے ہیں۔

سوراب میں قدیم موضع کا مقام موجودہ وقت میں "دمب" کہلاتا ہے۔ دمب کے معنی کوئی تباہ شدہ مقام یا عمارت یا خرابہ کے ہیں۔ موجودہ وقت میں سُوراب نامی ذات ناپید ہے اور کسی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ کشمیر، پنجاب، سرحد اور ہندوستان میں اس نام کا کوئی قبیلہ یا طائفہ مذکور نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ ایک مقامی ترک طائفہ تھا جو مقامی گجروں سے منسلک تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقامی قبائل میں مدغم ہو کر ناپید ہو گیا۔

سوران / شوران

سوران، مغربی بلوچستان (ایرانی زیر انتظام) میں ایک قدیم گاؤں ہے۔ دوسرا گاؤں مشرقی بلوچستان کے ضلع بولان میں شوران کے نام سے ہے جو ایک رند مرکزی گاؤں ہے۔ یہ نام "س" اور "ش" سے ادا کیا جاتا ہے۔ جب کہ بلوچستان کے دیگر علاقوں میں اسے "س" سے بولا جاتا ہے۔(۵)

مذکورہ نام "سور" کی جمع شکل ہے جو ایک سندھی بولنے والا قبیلہ ہے اور زیادہ تر ضلع لس بیلہ میں آباد ہے اور اس کا شمار وہاں کے لاسی (لس بیلہ کے بنیادی قبائل) قبائل میں ہوتا ہے۔ نسلاً یہ ایک قدیم گجر قبیلہ ہے اور لس بیلہ کے قدیم ترین قبائل میں سے ہے۔ گوجر مصنفین کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

حافظ عبدالحق سیالکوٹی نے اسے ہندوستان کے چوہان گوجروں میں شمار کیا ہے جنہوں نے ماضی میں حکمرانی بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں چوہان گوجروں کی چوبیس گوتیں یا شاخیں ہیں جن میں سے ایک "سور" گوت ہے۔ جو اب ایک بڑا قبیلہ بن گیا ہے۔ سیالکوٹی لکھتا ہے کہ چوہان گوجروں نے ایک ہزار برس پیشتر ہندوستان میں حکومتیں تشکیل دی ہیں۔ وہ چوہان گوجروں کو شہزادہ سکندروس عرف شہزادہ گرجی کی نسل قرار دیتا ہے۔(۶)

"سور" قبیلہ کے گوجر نسل ہونے کی تردید نہیں کی جاسکتی کیوں کہ ماضی بعید میں تا ابتدائے مہم محمد بن قاسم بلکہ اس سے دوسو سال آگے تک لس بیلہ اور اس کے قرب وجوار کی آبادی گوجروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جنہوں نے وقت کے ساتھ ساتھ متعدد طائفوں کی تشکیل کر کے گوجر نام کو پس پردہ کر دیا۔ بیلہ اور اس

کے آس پاس کے میدانی اور کوہستانی آبادیوں کا اسی فیصد گوجروں پر مشتمل ہے۔ جو مختلف قبیلائی نام لیے ہوئے ہیں۔ بہ ذات خود "بیلا" ایک قدیم گوجر قبیلہ رہا ہے اور آج بھی ہے جس کے نام پر پورا ضلع ہے۔(۷)

سوروان

"سوروان" مکران کے ضلع پنجگور میں ایک دیہاتی موضع ہے۔ یہ نام "سورو" کی جمع صورت ہے۔ علاقہ قلات میں ایک پہاڑی موضع "سورو" ہے۔ اسی طرح ضلع واشک کے خُرماگئے میں بھی اس نام کا موضع ہے۔ ممکن ہے کہ بلوچستان کے دیگر علاقوں میں بھی اس نام کے موضع ہوں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا ہے۔

مذکورہ نام ایک سندھی جاٹ قبیلہ کا ہے جسے سندھ میں "شورو" اور بلوچستان میں سورو کہا جاتا ہے۔ سندھ کے اکثر جاٹ پنجاب اور ہندوستان سے نقل مکانی کر کے سندھ میں آباد ہوئے ہیں۔ جب کہ سورو جاٹ کے بارے میں سندھی دوستوں کا کہنا ہے کہ یہ قبیلہ باہر سے آیا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ایک مقامی قبیلہ ہے او رجاٹوں میں رہ کر جاٹ سمجھا جاتا ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ قبیلہ کا بنیادی نام "سورو" ہے لیکن بولنے میں یہ شورو کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

سوئی

بلوچستان میں چند ایک موضع سوئی کے نام سے ہیں۔ ایک موضع کیچی دشت میں ہے اور دوسرا موضع ڈیرہ بگٹی میں ہے جہاں سے گیس نکلتا ہے۔ اس

"سوئی" موضع کی نسبت سے گیس بھی "سوئی گیس" مشہور ہے۔ اسی طرح ایک اور سوئی گوادر ضلع کے جیونی میں ہے۔

در حقیقت سوئی کوئی خاص ذات یا قبیلہ نہیں رہا ہے بلکہ مختلف ذاتوں کا ایک مجموعہ رہا ہے جو کشمیری الاصل تھا۔ کشمیر میں ایک قدیم ذات "سو" کے نام سے رہی ہے جو کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد رہی ہے۔ کشمیر میں اس کا مرکزی اور قبیلائی مرکز "سو" کے نام سے مشہور تھا جو بعد میں "سوپور" کہلایا۔ مذکورہ مقام "سو" میں مختلف کشمیری اور ہندی ذاتیں آباد تھیں۔ جو پھر مختلف حالات کے تحت اپنے مقام سے نکل کر مختلف سمتوں میں چلی گئیں۔ ان میں جو گروہ کسی بھی نئے مقام پر بستی بساتا تو اپنے مرکزی مقام "سو" کی نسبت سے "سوئی" کہلاتا تھا۔

بعض ایرانی تواریخ میں آتا ہے کہ قبل ایرانی اور عراقی کردستان کے درمیانی خطے میں ایک قدیم قوم کَردہ رہا کرتا تھا۔ جس کا مرکزی شہر "کردہ کہ" کہلاتا تھا۔ اس کا ایک گاؤں 400 ق م میں دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا جو "بیٹ کردو" مشہور تھا۔ اس کے ہمسائیگی میں ایک قدیم قبیلہ "سُو" بھی بود و باش رکھتا تھا جسے اہل سو کہتے تھے۔ ان اہل سو میں سے کئی گھرانے ہجرت کر کے علاقہ "بدلیس" میں بس گئے جہاں پر انہوں نے اپنا ایک قلعہ تعمیر کیا۔ یہ "قلعہ سوئی" کہلاتا تھا۔

بلوچستان میں جتنے موضع "سوئی" ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کے "سو" سے آنے والے آبادکار تھے۔

سَیداں دشت

سیداں دشت مکران کے ضلع پنجگور میں واقع ایک میدان ہے جو دشت شہباز بھی کہلاتا ہے۔ اس نام کا کوئی اور علاقہ یا موضع ہمارے علم میں نہیں آسکا۔ علاقے کے بلوچ باشندے اسے غازی آنی پٹ کہا کرتے تھے لیکن اب یہ نام استعمال میں نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عرب مبلغین اور مجاہدین اسی راستے سے آتے تھے، ڈیرے ڈالتے اور ایک دو روز ستا کر پھر آگے بڑھتے تھے۔ اسی نسبت سے اسے غازیانی پٹ (غازیوں کا میدان) کہتے تھے۔ سیدان دشت کا قدیم نام بھی اب قریب قریب متروک ہوتا جارہا ہے۔لوگ زیادہ تر آج کل اسے "دشتِ شہباز" کہتے ہیں۔

"سیداں" ایک شامی عرب قبیلہ ہوتا تھاجو اسلامی دور حکومت میں کسی وقت یہاں بس گیا تھا۔ اس قبیلہ کی ایک بستی شام میں اور ایک بستی بصرہ کے مغرب میں ہے۔ اس کے علاوہ بصرہ میں ایک چشمہ بھی اسی قبیلہ کے نام پر ہے۔(۹)

سیوی / سبّی

بلوچستان کے مشہور شہر سیوی کو سبی بھی بولا جاتا ہے۔ مشرقی بلوچ اسے سیوی تلفظ کرتے ہیں جب کہ مغربی اور وسطی بلوچستان میں اسے سبی کہتے ہیں۔ یہ ایک قدیم شہر ہے۔ جس کا ذکر ساتویں صدی عیسویں کی تصنیفات میں بھی ملتا ہے۔

تاریخی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک "سیوی" نامی قبیلہ ہوتا تھا جو ایک قدیم خاندان سے متعلق تھا۔ یہ ایک شاہی خاندان تھا جس کے آٹھ بادشاہ

ہو گزرے ہیں جن کے نام سیوی، سجنا، وسنترا، جالی، کُہنا، مادا، پچساتی اور مادا دوئم ہیں۔ پہلا بادشاہ "اُسرانا" کو کہا گیا ہے جس کا نام مندرجہ بالا آٹھ بادشاہو میں موجود نہیں ہے۔ "سیوی" بادشاہ کو اسُرانا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ اسُرانا کے ایک اور بیٹے کو "سیوا" بھی کہا گیا ہے۔ جس نے "سیواپور" نامی جگہ کی بنیاد رکھی تھی جو پنجاب کے موجودہ جھنگ اور شورکوٹ کے درمیان واقع تھا۔(۱۰)

سیوی قبیلہ کی ریاست کے بارے میں "تاریخ مغربی پاکستان" کا مصنف، بعض محققین کی تحقیقات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"پری بدھسٹ انڈیا اور "ویدک انڈیکس" کے مصنفین نے شواہد سے ثابت کیا ہے کہ بارہ سو سال قبل مسیح تک کے زمانے میں ایک سیوی ریاست موجود تھی اور اسی طرح "پولیٹیکل ہسٹری آف اینشینٹ انڈیا" کے مصنف نے لکھا ہے کہ تین سو سال قبل مسیح میں سکندر اعظم سندھ میں داخل ہوا تھا تو سیوی کی ریاست موجود تھی البتہ اس کا نام سیوی سے سبی میں بدل چکا تھا اور یہ نسل اس پورے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی جو شورکوٹ اور جھنگ کا درمیانی علاقہ تھا۔"

اس طرح محققین نے ثابت کیا کہ اس پھیلی ہوئی نسل کے نام پر ایک مرکزی شہر موجودہ سیوی موجود تھی جس کا نام سکندر اعظم کے سندھ میں موجودگی کے وقت سبی ہوچکا تھا اور یہ سبی سے لے کر کوہستان سیوہن اور پھر پنجاب جھنگ وغیرہ تک کے درمیانی خطے میں پھیلی ہوئی تھی۔ واضح ہو کہ سبی قدیم زمانوں سے سندھ ہی میں ہوتا تھا۔

مندرجہ بالا تاریخی حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیوی ریاست ایک وسیع خطے تک پھیلی ہوئی تھی اور ہمارا سبی بھی اسی کے حدود میں ہوتا تھا۔ یہ بڑی ریاست

بادشاہوں کے مسلسل حملوں کی زد میں رہا، ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا اور موجودہ سبی کا ٹکڑا نچ رہا اور قدیم نسل اور اسکی ریاست کے نام کے تحفظ کا باعث بنا۔

"بھارت کی سیاسی تاریخ" لکھتے ہوئے اس کے مصنف ڈاکٹر رائے چودھری لکھتے ہیں کہ سیوی خاندان سندھ، راجپوتانہ، جھنگ، مدھایہ میکہ اور ویسا کمار اسریتا تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری کتاب "کارپوریٹ لائف ان اینشینٹ انڈیا" میں موجمدار نے لکھا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح میں لوگوں نے بادشاہت ختم کر دی تھی اور اس کی جگہ جمہوریت نافذ کیا تھا۔ انہوں نے کئی سکوں کا ذکر کیا ہے جن پر سیوی جمہوریہ کا نام لکھا ہوا ہے اور یہ سکے دو سو سال قبل مسیح کے ہیں اور ایسے بے شمار سکے راجپوتانہ، جھنگ، شورکوٹ، سبی کے کھنڈرات اور ٹیلوں سے دستیاب ہوئے ہیں جو اس بات کی شہادت ہیں کہ جمہوریہ سیوی کا دائرہ ان تمام علاقوں پر محیط تھا۔

بلوچستان میں موجودہ سبی کے علاوہ کسی دوسری جگہ اس نام کی کسی بستی کا سراغ نہیں ملا۔

حواشی

ا۔ دی پرشین گلف از اے ٹی ولسن۔

۲۔ ہسٹری آف پرشین نیویگشن از ہادی حسن۔

۳۔ قدیم تاریخ ہند، از وی-اے- سمتھ، ص345،(اردو)

۴۔ مکران تک سنگھار کی حکمرانی ایک ہوائی بات ہے جو بغیر تاریخی سند اور حوالے کے ہے۔ نیز خطہ مکران میں "ناکنی" نام کہیں بھی سنا نہیں گیا ہے۔

۵۔ معجم البلدان میں اس کے مرتب کردہ یعقوب بن عبداللہ رومی بغدادی (1179-1226ء) نے شوران نام کے تین مواضع کا ذکر کیا ہے۔ جو بنی یربوع، دیارِ سلیم اور عقیق مدینہ میں واقع ہیں۔ یہ بالترتیب ایک موضع، ایک وادی اور ایک پہاڑ کے نام ہیں۔ ملاحظہ ہو "معجم البلدان" اردو، ترجمع ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص210۔

۶۔ "تاریخ گوجران" ص322۔

۷۔ "لس بیلہ" نام دراصل عربی نام "راس بیلہ" ہے جو تاریخی کتابوں میں درج ہے۔ عربی میں "راس" کے معنی چوٹی یا اونچی جگہ کے ہیں۔ بلوچی میں جسے "بینٹ" کہتے ہیں۔ یعنی "بیلا بینٹ" بمعنی بلند جگہ جس پر بیلا قوم رہتی ہے۔ اس نام سے قبل یہ "ارمن بیلا" کہلاتا تھا۔ ارمن اور بیلا دونوں گوجر ذات ہیں۔

۸۔ "دشت" "شہباز" کی وجہ تسمیہ حضرت شہباز قلندر محمد عثمان مروندیؒ کی نسبت سے ہے۔ جو بغداد سے آتے ہوئے بطرف سندھ جارہے تھے۔ اسی دشت میں انہوں نے اپنے ساتھیوں اور چند مریدوں کے ہمراہ ستانے کے لیے پڑاؤ ڈالا تھا۔ علاقے کے لوگوں نے ان کی بزرگی کو پہچان کر انہیں کچھ عرصہ ٹھہرنے کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے لوگوں میں موجود جاہلانہ رسوم اور دین سے عدم واقفیت دیکھ کر چند وقت کے لیے آگے جانے کا پروگرام منسوخ کر دیا اور لوگوں کی درخواست منظور کر کے چند وقت کے لیے ٹھہر گئے جب ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو پنجگور شہر کے معززین نے

انہیں اس دیہات سے پنجگور شہر کے لیے کوچ کرنے کی پر زور التجا کی۔ لوگوں کا اصرار دیکھ کر وہ پنجگور شہر کو چلے گئے اور ایک قدیم گنبد کے پہلو میں ٹھکانا بنوایا۔ یہ ایک سرسبز اور پر سکون مقام تھا جو شہر کے حدود میں تھا اور ایک نخلستان میں گھرا ہوا تھا۔ یہاں پر ایک قدیم مسجد اور شہنشاہ کیکاؤس سے منسوب ایک قلعہ ہوتا تھا جو ویران اور زمین بوس تھا۔ یہاں پر عوام نے حضرت کے قیام کے لیے مٹی کا ایک چھوٹا مکان بنایا جس میں وہ رہنے لگے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں دور و نزدیک تک حضرت شہباز قلندرؒ کی شہرت پھیل گئی دور دور سے لوگ آنے لگے اور ان سے فیض حاصل کرنے لگے۔ جب آنے والے بڑھتے چلے گئے تو حضرت نے مریدوں کے ذریعہ ایک لنگر خانہ بنوایا۔ جہاں پر مسافروں کو دو وقت کا کھانا ملتا تھا۔ جس کا بندوبست مقامی لوگ کرتے تھے۔ پھر مسافروں کے لیے رات بسر کرنے کے واسطے کمرے بنائے گئے۔ یہ مقام پھر "ننگر" کہلایا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

حضرت شہباز قلندر ان دنوں "شاہِ قلندر" اور "شہباز قلندر" مشہور تھے۔ بلوچ مقامی لہجے میں انہیں "شاہ او قلندر" کہتے تھے۔ جو در اصل فارسی کے "شاہِ قلندر" کی بلوچی ترکیب ہے۔ یعنی قلندروں کا بادشاہ۔ جو ان کی بزرگی اور عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ "شاہِ قلندر" کے خطاب کا اشارہ حضرت کی سوانح حیات میں بھی ملتا ہے۔ ان کے ایک سوانح نگار الحاج شاہ مانا صاحب قادری لکھتے ہیں۔

> "آپ کے والد سید کبیر نے خواب میں دیکھا کہ قلندروں کی ایک جماعت دف بجا کر گا رہی ہے اور بلند آواز سے کہتی جاتی ہے کہ سید کبیر کا بیٹا قلندروں میں "امیر قلندر" ہو گا۔ کچھ عرصہ بعد آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد نے گہوارہ میں آپ کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ میرا خواب سچا تھا اور اس بچے میں ابھی سے قلندرانہ رنگ دکھائی دے رہا ہے۔"

پنجگور میں آپ ایک سال سے کم عرصہ رہے تھے کہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی نے خواب میں آپ کو جلد سندھ جانے کی ہدایت کی۔ چناں چہ آپ سندھ کے لیے

روانہ ہوئے۔ سندھ جانے کی پہلی ہدایت تو آپ کو بغداد ہی میں ملی تھی۔ چنانچہ آپ مکران کے راستے سے ہی سندھ کے لیے روانہ ہو گئے بیچ راستے میں سیدان دشت اور پھر پنجگور میں آپ نے قیام فرمایا۔

پنجگور میں دوران قیام لوگوں نے آپ کی عقابی شخصیت اور کرامات کو دیکھ کر آپ کو لعل کا خطاب دیا تھا اور آپ کو لعل شہباز قلندر کہتے تھے۔ واضح ہو کہ مکران کے بلوچ ہر ولی اور بزرگ شخصیت کو ان کے باطنی صفات کی وجہ سے "لعل" کہتے ہیں۔ یعنی نور و روشنی پھیلانے والا۔ اس پنجگور کی سرزمین سے "لعل شہباز" کا بلوچی خطاب آخر دم تک آپ کے نام کا لازمی جز بنا۔

ان کے بعض سوانح نگاروں نے "لعل" کو "لال" لکھا ہے (جیسے کہ خان آصف کے مضمون میں بھی حوالہ دیا گیا ہے) اور بیان کیا ہے کہ آپ لال لباس اور سرخ چیزیں پسند فرماتے تھے اس لیے آپ کو لال کہا گیا۔ یہ ایک مفروضہ اور من گھڑت بات ہے۔ آپ کے زمانے میں مروج زبان اردو نہیں فارسی تھی اس لیے "لال" کے خطاب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ خطاب بلوچی کا لعل ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ مکران میں ورود سے قبل آپ کے نام کے ساتھ "امیر قلندر" اور شاہ قلندر مستعمل تھا لعل شہباز قلندر نہیں تھا۔ یہ نام پنجگور میں دوران قیام آپ کے نام کا حصہ بنا جو ابھی تک ہے۔ دراصل مصنفین نے آپ کے پنجگور میں قیام کے دوران کے حالات و واقعات پر تحقیق ہی نہیں کی ہے تو پھر قلمبند کیا کرتے۔ مقالات الشعراء اور تحفۃ الکرام کے مطابق آپ 24-1223 عیسوی میں سندھ تشریف لائے اور سیوستان (سیوہن) میں قیام پذیر ہوئے جہاں آپ نے 75-1274 عیسوی میں وفات پائی۔

۹۔ "معجم البلدان"، از یاقوت بن عبداللہ رومی حمویٰ بغدادی، اردو تلخیص از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص198۔

۱۰۔ پری بدھسٹ انڈیا، بحوالہ تاریخ مغربی پاکستان۔

شاری بُھٹ

شاری بُھٹ جسے بعض شاہری بھٹ بھی کہتے ہیں۔ خضدار کے گاؤں نوغہ میں ایک ٹیلہ ہے جو ایک پہاڑی کے دامن میں ہے۔ مٹی کا ٹیلہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ مٹی سے بنے مکانات کا گرا ہوا ملبہ ہے۔ یقیناً یہ اپنے وقت کا چھوٹا سا موضع ہو گا۔ اسی نام کا ایک قدیم گُمبد خاران میں ہے جو شاری گُمبد کہلاتا ہے۔ گُمبد ہمیشہ کسی بزرگ یا بڑی شخصیت کے لیے تعمیر کیا جاتا ہے۔ جس کا مقصد اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے نام کا زندہ رکھنا ہوتا ہے اور جب تک نام چلتا رہتا ہے اس شخص کے کردار و عمل یا کرامات کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔ شاری گُمبد کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاری قبیلہ خاران میں بھی آباد تھا اور شاید کسی اور نام کے موضع یا گاؤں میں بس گیا ہو گا۔ اسی بنا پر وہ اپنے نام کی الگ بستی بسانے کی پوزیشن میں نہیں ہو گا، محض اپنی ایک اہم شخصیت کے مقبرے کا گُمبد بنا سکا۔ شاری کے نام کا ایک نالہ "شاری شیپ" گوادر کے کلمت میں ہے۔

شاری ایک کشمیری قبیلہ ہوتا تھا جو چودھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں گلگت، بلتستان اور چترال کے مختلف علاقوں میں منتشر حالت میں بود و باش رکھتا تھا۔ ان کی کسی مستقل یا متحد آبادی کا سراغ نہیں ملتا۔ لیکن یہ بہر حال ایک اعلی نسب تھا، گلگت کے حکمران خاندان اسی قبیلے سے ہوتے تھے۔ ہنزہ اور نگر کی ریاستوں کے حکمران بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔(۱)

چودھویں صدی عیسوی کے وسط میں چترال اور یاسن کے حکمرانوں کا تعلق بھی شاری قبیلہ سے تھا۔ ان کی حکومت ایک ایرانی مبلغ آذر نامی کے ہاتھوں ختم

ہوئی۔ آذر سے پہلے گلگت کے حکمران اسی خاندان سے تھے، کہتے ہیں کہ ایرانی مبلغ آذر کی چار نسلوں نے اپنی حکمرانی بھی شاری خاندان کے نام سے برقرار رکھی۔(۲)

قیاس کیا جاتا ہے کہ جب ایرانی مبلغ آذر نے علاقے پر تسلط کیا اور کئی علاقوں میں شورش برپا ہوئی جس کے نتیجے میں شاری قبیلہ کی حکومت ختم ہوگئی تو کئی شاری خاندان قتل و غارت گری سے بچنے کے لیے اپنے علاقے چھوڑ گئے۔ ممکن ہے کہ اسی عرصے میں ان کے کچھ گھرانے یا طائفے بلوچستان کے مذکورہ بالا علاقوں میں آکر بس گئے ہوں گے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یا مقامی لوگوں میں مدغم ہو کر اپنی قبیلائی شناخت سے دستبردار ہوئے یا اپنے اپنے خطوں کو سدھار گئے۔

شاری سے ملا جلتا ایک نام "شاہری" ہے۔ جسے ایک عرب قبیلہ کہا جاتا ہے جو سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک میں بھی سکونت رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ بلوچستان میں بھی کسی جگہ اس کا کوئی موضع ہو جس کا فی الحال ہمیں علم نہیں ہے۔ شاہری قبیلہ کا ایک مشہور جہادی القائدہ کے رہنما اسامہ بن لادن کا دست راست بھی تھا جس کا نام "ابو ہفس شاہری" تھا جو 16 ستمبر 2011 کی امریکی بمباری میں مارا گیا، یہ سعودی عرب کا باشندہ تھا۔

واضح ہو کہ بلوچستان میں بہت کم لوگ "ہ" کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ حتی کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی اسی فیصد تناسب اسے "ا" کی آواز سے ادا کرتا ہے۔ اس پس منظر میں "شاری" اور "شاہری" کی ادائیگی کو پہچانا نہیں جا سکتا اس لیے یقین سے کہا نہیں جا سکتا کہ مذکورہ موضعی ناموں میں کونسا نام کشمیری قبیلہ ہے اور کونسا عربی قبیلہ کا ہے یا دونوں ایک قبیلے کے نام ہیں۔ اندازہ یہی ہے کہ خضدار کا شاری جسے شاہری اور شاری دونوں تلفظوں سے بولا جاتا ہے کشمیری قبیلہ شاری سے متعلق ہو گا وہ اس لیے کہ اس خطے میں کشمیری اور تورانی قبیلائی طوائف کی آبادکاری زیادہ

رہی ہے۔ جب کہ بلوچستان اور خاران کے خطوں میں عربی قبیلائی طوائف آباد ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے وہاں کا شاری نام "شاہری عرب" طائفے سے متعلق ہو گا۔ واللہ اعلم

شاشان

مذکورہ بالا نام ضلع خضدار کی تحصیل کے گاؤں گریشہ میں ایک بلند و بالا پہاڑ کا نام ہے۔ اس کے دامان کی آبادیاں اسی نام کے حصے ہیں۔ یہ نام "شاش" کی جمع صورت ہے جس کے معنی کئی شاش یعنی "شاش لوگ"۔ اس طرح یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ پہاڑ کے دامن میں کوئی موضع ہوتا تھا جو قبیلہ شاش کے لوگوں کا مسکن تھا۔

یہ "شاش" کون تھے، کہاں سے آئے تھے؟ اس بارے میں معلومات بہت کم ہیں۔ چوں کہ تاریخ میں خضدار کی مرکزیت کے ساتھ آس پاس کے علاقے توارن کے علاقے ہوتے تھے اس لیے اندازہ یہی ہے کہ یہ کوئی ترک قبیلہ ہو گا۔ "توران" بھی "تور" "تُرک" ہوتے تھے جن کے نام پر مذکورہ خطہ "تُوران مُلک" کہلاتا تھا۔

شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الرومی الحمودی بغدادی نے اپنی تصنیف معجم البلدان میں سیحون[۳] کے مشرق میں سمرقند سے بتیس فرسخ دور شاش نامی گاؤں کا ذکر کیا ہے۔[۴] جو ایک گاؤں "تُرک ندی" کے کنارے بر واقع تھا۔ شہر بہت قدیم سمجھا جاتا تھا اور وسطی ایشیا کے نامور شہروں میں اس کا شمار ہوتا

تھا۔ 1574ء میں تیمور لنگ نے اس شہر پر ایک بڑی جنگ مسلط کی جس سے شہر اور شہری آبادی دونوں کو تہس نہس کر دیا گیا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں نے ایک ملک فتح کیا تھا جو "شاش کا ملک" کہلاتا تھا۔ یعنی "شاش بادشاہ کا ملک"۔ بلاذری نے اس ملک کا دارالحکومت "طاربند" لکھا ہے۔

دائرۃ المعارف اسلامیہ کے محققین لکھتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہی خاندان "ترک گھرانہ" ہو گا۔ 751ء میں چین کے ایک حکمران کاؤسین چی نامی نے حملہ کر کے شاش بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے نے عربوں سے کاؤسین چی کے خلاف مدد مانگی جس کے جواب میں ابو مسلم نے زیاد بن صالح کو ایک لشکر دے کر اس کی مدد کو بھیجا۔ عرب لشکر اور چینیوں کے درمیان "تلاس دریا" کے کنارے لڑائی ہوئی جس میں کاوسین چی مارا گیا۔ اسلامی دور حکومت میں "شاش" کا علاقہ ترک اور مسلمان کے علاقے کی سرحد مقرر تھی۔ خلیفہ مامون کے دور حکمرانی میں شاش کو مسلمان خطے میں شامل کیا گیا۔

پھر ایک وقت آیا کہ شاش کا دارالحکومت "بنکث" نامی جگہ کو بنایا گیا جس کی لمبائی چوڑائی چار میل کے برابر تھی۔ "ترکستان" نامی کتاب کے مصنف بارکولڈ اور چھ دیگر مصنفین لکھتے ہیں کہ قدیم ملک شاش دراصل موجودہ تاشقند تھا یا پھر وہ تاشقند کے قریب تھا۔ شاش ملک کا ایک مشہور و معروف بزرگ شافعی امام ابو بکر القفال شاشی تھے۔ ان کا مقبرہ بھی تاشقند میں ہے۔

جب روسی ترکستان کے اس شہر میں قبیلہ شاش نہ رہا اور نہ سابقہ ترکستان کا یہ ترک شہر رہا تو شاش کا نام بھی بدل گیا۔

مذکورہ بالا مطالعہ سے ثابت ہوا کہ شاش، ترک قبیلہ تھا جس نے توران کی اس سرزمین پر اپنا مسکن بنایا تھا۔ صدیوں کے لمبے سفر میں یہ رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ مذکورہ شاش قبیلہ کا کوئی گروہ خضدار مرکزیت رکھنے والے توران سے مہاجرت کر کے سیستان اور پھر روس پہنچ گیا تھا یا وہاں خطہ "شاش" سے کوئی گروہ بلوچستان کے کوہستان میں بستی قائم کر چکا تھا۔ بلوچستان کے کسی اور مقام سے اس نام کی کوئی دوسری یادگار معلوم نہیں ہو سکی۔

شال

"شال" کوئٹہ اور اس کے مضافات کا قدیم تاریخی نام رہا ہے جو انگریزوں کے تسلط تک اسی نام سے منسوب اور معروف تھا۔ بلوچی سیستان (ایرانی حکومت کے زیر انتظام سیستان و بلوچستان) کا معروف قبیلہ "میر" کی روایتوں کے مطابق یہ ایک قدیم سیستانی بلوچ قبیلہ تھا جو بارہویں صدی عیسوی کی شروعات میں ایرانی سیستان میں واقع "بلوچ" سطح مرتفع میں بود و باش رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ قبیلہ آذربائیجان میں بھی موجود رہا ہے، جس کے نام پر وہاں شال نام کی ندی رواں دواں رہتی ہے جس کا تذکرہ اصطخری اور دوسرے عرب مصنفین نے کیا ہے۔ وہ شال ندی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ شاہ رود سے نکلتا ہوا سفید رود میں گرتا ہے۔ جغرافیہ خلافت شرقی کا مصنف لکھتا ہے کہ آج کل شال ندی کو "شاہ رود خورد" کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ آذربائیجان ایک کرد علاقہ رہا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیستانی بلوچ سطح مرتفع سے شال قبیلہ کا کوئی طائفہ آذربائیجان کو چلا گیا ہوگا کیوں کہ آذربائیجان میں ان کی آبادکاری بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ بعد کا گروہ ہجرت کر کے

موجودہ بلوچستان چلا آیا اور یہاں کے قدیم تورانی قلعے کو اپنے تصرف میں لے لیا جو پھر شال قبیلہ کی نسبت سے شالکوٹ یعنی شال قبیلہ کا قلعہ کہلایا۔ جس مقام پر انہوں نے بستی بسالی وہ موضع ان کے نام پر "شال" کہلایا پھر وقت گزرنے ساتھ ساتھ شال کا نام ایک بڑے علاقے پر چسپاں رہا۔

جس درے یا گزرگاہ سے ان کے شہر میں داخل ہوا جاتا تھا یا خروج ہوتا تھا وہ شال موضع کی نسبت سے "شال درہ" کہلاتا تھا۔ 1876ء تک تینوں مقامات اپنے انہیں ناموں سے معروف تھے۔ جب انگریزوں نے ایک مہمل اور غیر معروف نام کوئٹہ کو رواج دیا تو شال کا نام پس منظر میں چلا گیا۔

"شال" ایک بہادر جنگجو قبیلہ تھا۔ 1200ء میں خضر خان بلوچ نے جو غالباً خود بھی شال قبیلے سے تھا۔ اپنے پانچ ہزار جنگجو بلوچوں کے ساتھ جیسلمیز اور کُھدال پر حملہ کیا تھا تو اس کے لشکر میں شال قبیلہ کے کافی جنگجو شامل تھے۔ جن میں سے کئی لوگ کشمیر میں آباد ہوئے۔ پندرہویں صدی کے دوران کوئٹہ اور مستونگ کے علاقوں سے کئی بلوچ گھرانے سندھ، سرحد، کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے تھے جن میں کرد، رئیس اور شال طائفے شامل تھے۔ موجودہ وقت میں شال قبیلہ کے کئی گھرانے ایرانی سیستان، بادغیس، چترال اور کشمیر میں آباد ہیں۔

سولہویں صدی کی شروعات تک شال قبیلہ کی باقیات کی موجودگی کے آثار ہیں۔ پھر 1510ء-1511ء کے دوران جب شاہ بیگ ارغون نے بابر مرزا کے خوف سے قندھار چھوڑا تو شال چلا آیا اور اسے اپنے دست نگر کیا پھر شال کوٹ اور قرب وجوار کی آبادی کا قتل عام کر کے انہیں بے دخل کیا تو یہ مظلوم بلوچ بھاگ کر مستونگ اور منگچر چلے گئے جہاں پر یہ اپنے قدیم مسکن "شال" کی نسبت سے "شالی" کہلائے۔ یعنی شال سے آنے والے۔ یہ شالی، اپنے اسی نئے نام سے آج

بھی لانگئو قبیلہ میں ایک شاخ کے طور پر موجود ہیں۔ گمان غالب یہی ہے کہ یہ شال قبیلہ کے باقیات تھے۔ "شال" نام کے بارے میں ایرانی بلوچ "میر" کی روایت ہے کہ "شال" ان کا تاریخی برادر قبیلہ ہے اور ابتدائی نام "شال" نہیں بلکہ "شاہل" ہے۔ کثرت استعمال سے اس کا "ہ" بولنے میں حذف ہو کر شال معروف ہوا۔

شونش ءِ ڈن

"شونش ءِ ڈن" یعنی "شونش کا میدان"۔ یہ مقام ضلع کیچ کے تربت میں واقع ہے۔ کسی وقت یہ ایک میدان تھا جس میں موضع شونش واقع رہا ہے۔ یہ لفظ اصل میں "شوش" ہے جسے مقامی لوگ شونس میں تلفظ کرتے ہیں۔ اس نام کے مواضع زیادہ تر عرب خطے میں ملتے ہیں۔ معجم البلدان میں اس کے مؤلف یعقوب بن عبد اللہ بغدادی نے اس نام کے تین مواضع لکھے جو جزیرہ ابن عمر کے قریب، جُرجان میں ایک محلہ اور سوادِ موصل میں عقر کے قریب ایک قلعہ کا نام ہے۔

روایتاً اس قبیلہ کو ایک قدیم ترین عراقی عرب قبیلہ کہا جاتا ہے اور موصل شہر اس کا قدیمی قبیلائی مرکز رہا ہے جہاں پر شوش قلعہ کے کھنڈرات واقع ہیں۔ قبیلہ کے بارے میں تفصیلی تذکرہ کسی بھی تصنیف میں مل نہ سکے۔ بلوچستان کے متعلقہ حصے میں اس قبیلائی گروہ کی آمد و آبادکاری کا زمانہ بھی نامعلوم ہے۔

حواشی

۱۔ "ہندوکش کے قبائل" از جون بدلف، اردو ترجمہ از جاوید شاہین، مطبوعہ سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور 1991ء۔

۲۔ ایضاً

۳۔ سیحون ندی کا پُرانا نام "شاش" ہوتا تھا۔

۴۔ معجم البلدان، اردو ترجمہ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص 201۔

کاشاپ

کاشاپ (کاش آپ) ضلع کیچ میں نگوئر کی سمت ایک موضع کا نام ہے جس کے معنی ہیں "کاش کا پانی" یا "کاش کا چشمہ" کاش کے نام سے کئی ممالک میں مواضع اور گاؤں آباد ہیں۔ ایران میں اصفہان اور رے کے درمیان کاشان، ترکستان میں شہر کاش، افغانستان کی شمال مشرقی خطے چینی ترکستان میں کاش غر یعنی کاش پہاڑ، بخارا کی ایک بستی "کاش کن" اور "کاشمیر" یعنی کاش کے پہاڑ۔ قدیم تصنیف "پراکرت" میں میر کے معنی پہاڑ بیان کے گئے ہیں۔ (۱)

کاش ایک قدیم تورانی قبیلہ رہا ہے جو مندرجہ بالا جگہوں کے علاوہ دیگر کئی خطوں میں آباد رہی ہے۔ کشمیر کی تاریخ اور کشمیریوں پر بحث کرتے ہوئے ایک مصنف گارساں دتاسی نے اپنی تصنیف "درخت اور سانپ کی پوجا" میں لکھا ہے کہ کاش ایک مشہور تورانی قبیلہ رہا ہے اور کشمیری اسی تورانی نسل سے ہیں۔

بلوچستان کے اس دور دراز پہاڑی خطے میں کاش کے لوگ کب اور کس دور میں بس گئے تھے۔ تاریخی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ جن ادوار میں سینکڑوں ہندی اور کشمیری قبائلی طائفے اپنے اپنے اوطان سے نکل کر ترکی اور عراق کی طرف مسافرت میں تھے تو مذکورہ کاش طائفہ بھی ان میں شامل ہوا اور ایک مختصر مدت کے لیے مذکورہ مقام پر بس گیا ہو گا اور پھر مزید آگے کی سمت میں چل دیا ہو گا یا پھر مقامی بلوچ قبائل میں مدغم ہو کر اپنی سابقہ شناخت کھو گیا ہو گا۔

کاشی

جب آریا اقوام ہندوستان میں اپنے عروج پر تھے تو وہاں کاشی نام کا قبیلہ ایک بڑا اور طاقتور قبیلہ کے طور پر موجود تھا جس کا اپنا ایک ملک "کاشی" شمالی بہار کے خطے میں موجود تھا۔ جو صدیوں بعد "بنارس کوشل" نام سے مشہور ہوا۔ جواہر لال نہرو نے اس ملک کو ہندوستان کا قدیم ترین آباد خطہ کہا ہے۔(۲) گوتم بدھ کی ماں اور "سدھارتھ" جو ایک شاہی خاندان سے تھی، اسی ملک کاشی میں پلی بڑھی، ان دنوں "ویدک" دین اس چھوٹے سے ملک کا مذہب تھا۔

"قدیم تاریخ ہند" کے مطابق چھٹی صدی قبل مسیح میں "کوشل ملک" جس کا دارالخلافہ اودھ ہوتا تھا، کے پہلو میں "کاشی" نامی بادشاہت ہوتی تھی۔ جس کا نام بعد میں "بنارس" بدل گیا تھا۔(۳) یہ مصنف مزید کہتے ہیں کہ کاشی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات جین، بُدھ اور برہمن مذہبی کتابوں میں ملتا ہے۔

کاشی ذات کے بارے میں کتابوں میں بہت کم معلومات ہیں جو اس کی تاریخ، مذہب، کلچر کا احاطہ نہیں کرتے۔ انڈیا کے قدیم ترین چند قبیلوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جسے آریا کے ٹڈی دل جتھوں نے اپنے ملک سے بے دخل کیا اور یہ گروہ در گروہ اپنے ملک سے ہجرت کرتے گئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے وسیع ہندوستان میں اس ذات کی آبادکاری کے آثار نہیں ملتے۔ صرف ہندوکش کے پہاڑی سلسلے کے آشی مادک قبائل میں اس قبیلہ کے چند خاندان آباد ہیں۔ جن کا کہنا ہے کہ وہ بدخشاں میں جرم کے آس پاس "کاشی" نامی دیہات سے آئے ہیں۔(۴) صرف بدخشان میں ان کی یادگار ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ دوسرا چھوٹا سا گاؤں جموں سے تین کلومیٹر جنوب مشرق میں پایا گیا ہے جہاں پر کاشی ذات کے لوگ

نہیں ہیں۔ یہ مقام ان کی قدیم آباد کاری کا نشان رہ گیا ہے۔ مذکورہ آثار کے علاوہ اور کہیں اس قبیلہ کے نام سے کوئی نشانی نہیں ملتی۔ سب سے زیادہ آباد کاری کے آثار بلوچستان میں ملتے ہیں۔ جہاں پر کئی قدیم مواضع کاشیوں کے نام پر ہیں۔ کیچ دشت کے پہاڑی خطہ "پنودی" میں ایک قدیم سنگین قلعہ کے آثار ہیں جو "کاشی کلات" کہلاتا ہے۔ قلعہ کی بنادیں پہاڑ کے وسط میں چنے ہوئے پتھروں کی موجودگی سے ظاہر ہیں۔ قلعہ ایک ایسی چھوٹی سی وادی میں پہاڑی کے سامنے تعمیر کی گئی ہے جو چاروں طرف سے پہاڑیوں میں گھری اور بند ہے۔ وادی میں آنے اور نکلنے کا راستہ ایک واحد تنگ پہاڑی درہ ہے اور اس درہ کی سائیڈ والی پہاڑی پر بڑے بڑے سنگین مورچوں کے تعمیری آثار موجود ہیں۔ پنودی کا یہ مقام شاید پورے دشت میں محفوظ ترین وادی ہے۔ جو کاشی ذات نے اپنی آباد کاری کے لیے منتخب کیا ہے۔

مذکورہ مقام کے علاوہ جن دیگر شہروں میں اس قبیلہ نے اپنے مواضع بسائے تھے ان میں "کاشی" گچک ضلع پنجگور، کاشی شیپ خدا ابادان ضلع پنجگور، کاشی کئور خاران، کاشی کئور رخشان ضلع واشک، کاشی پسنی ضلع گوادر، کاشی گریشہ ضلع خضدار، تیر کاشی وڈھ ضلع خضدار، ٹوبہ کاشی مشکئے ضلع آواران، کاشی موضع تحصیل لیاری ضلع لس بیلہ شامل ہیں۔

اس قبیلہ کی بلوچستان میں آباد کاری کا زمانہ معلوم نہیں ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ یہ قبل مسیح کا کوئی زمانہ ہو گا۔ موجودہ زمانے میں اس ذات کے چند گھروں کی کراچی میں موجودگی کا پتہ چلا ہے اور ممکن ہے کہ انڈیا میں اس کی باقیات ہوں مگر بحیثیت قبیلہ اب یہ معدوم ہو چکا ہے۔

کاہان

درج بالا نام مری بلوچ علاقے کا قدیم گاؤں ہے۔ اس نام کا ایک چھوٹا موضع علاقہ زہری میں واقع ہے۔ تیسرا نام بھی مری علاقے میں ایک چھوٹے سے نالے پر چسپاں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک موضع ہوتا تھا جو زمانے کے ہاتھوں ویران ہو گیا اور پھر نالہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ بلوچستان میں مندرہ بالا مواضع کے علاوہ سندھ میں سیہون کے قریب بھی کاہان نامی ایک قدیم جگہ ہے۔

"کاہان" دراصل "کاہ" کی جمع صورت ہے اور کاہ ایک قدیم سیستانی قبیلہ رہا ہے جس کا مرکزی مقام فرح کے قرب وجوار میں تھا جہاں پر ان کے نام کا قلعہ کاہ ہوتا تھا۔ "سیستان" کے مصنف جی۔پی۔ٹیٹ لکھتے ہیں:

> "قلعہ کاہ کا ضلع ماضی میں فرح کی حدود میں تھا۔ پہاڑیوں کے دو سلسلے اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ان کا رخ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف ہے۔ یہ مسلسل نہیں ہیں جو حصہ پہاڑیوں کے جنوب میں ہے وہ شعب کوہ کہلاتا ہے اور قلعہ کاہ کا علاقہ جو ان کے شمال میں ہے "پشتِ کوہ" کہلاتا ہے۔
>
> باشندے مخلوط ہیں۔ افغان غالب ہیں لیکن تاجیک، عرب، خواجہ (یاخوچہ) اور میر بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔"(۵)

مزید لکھتے ہیں:

> "قلعہ کاہ کا قدیم مقام اب قریباً ایک ویران جگہ ہے۔ قدیم قلعے کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس جگہ کی سابق گنجانیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آٹھ کاریزیں آج کل معطل ہیں اور صرف دس کاشت کاری کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔"(۶)

منگول لشکروں نے بار بار اس علاقے کو لوٹ کر تاراج کیا جس سے اس کے اصلی باشندے مختلف سمتوں میں ہجرت کر گئے۔ چنگیز خان اور تیمور کے حملوں نے باقی رہی سہی کسر پوری کر دی اور اسے تباہ و برباد کر دیا۔ ممکن ہے کہ اسی انتشار کے نتیجے میں کاہ لوگوں کے کسی گروہ نے بلوچستان میں مذکورہ مقامات پر سکونت اختیار کر کے انہیں اپنا قبیلائی نام دیا ہو۔

کُپ کوہ

کُپ بگٹی علاقے میں ایک بڑے پہاڑ کا نام ہے جو لمبائی میں کئی کلومیٹر اندر سے کھلا اور غار نما ہے۔ اس کے علاوہ لس بیلہ ضلع کے ہنگول علاقہ میں پیر کُپ نامی زیارت ہے جو پہاڑیوں کے بیچ میں گھرا ہوا ہے جسے سینکڑوں سال قدیم بتایا جاتا ہے۔ پیر کا نام کسی کو معلوم نہیں ہے صرف قبیلے کا نام اس کی پہچان ہے۔ علاقے کے باسی اس زیارت کو چھ سو سال قدیم سمجھتے ہیں۔

کپ، ایک قدیم ہندی قبیلہ رہا ہے جس کے منتشر گھرانے آج بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔ اس قبیلہ کا مرکزی شہر یا گاؤں ان کے اپنے نام پر "کپواڑہ" ہے لیکن اب کپواڑہ میں اکثریت دیگر قبائل کی ہے۔ بلوچستان میں کپ قبیلائی گروہ نے صرف بگٹی علاقے میں اپنی بستی بسائی تھی جس کے آثار نہیں ملتے۔ لیکن چوں کہ پہاڑ پر چسپان ہے اس لیے یقینی ہے کہ قبیلے کا موضع اسی پہاڑ کے پہلو میں بسا ہو گا۔ جو صدیوں کی گرد میں بے نشان ہو گیا ہے۔

کپڑّ

کپڑّ نام کے کئی موضعات بلوچستان کے کئی اضلاع میں موجود ہیں جیسے خضدار میں دو موضع بنام پیشی کپڑّ اور ختی کپڑّ موجود ہیں۔ ختی کپڑّ "خَت کپڑّ" بھی کہلاتا ہے۔ پیشی کپڑ میں چونکہ پیش (مِزری) وافر تعداد میں ہے اس لیے اس کی شناخت پیش کے حوالہ سے ہے اور ختی یا خت کپڑّ کی شناخت "خت" (زیتون) درختوں کے حوالہ سے ہے جہاں خت کے درخت وافر مقدار میں ہیں۔

ایک اور "کپڑّ" میدان ضلع واشک کے "راغئے" میں ہے۔ جس کا مرکزی مقام "ملادونی" کہلاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور کپڑّ ضلع گوادر میں ہے۔ گریشہ ضلع خضدار میں "کپڑءِ وڈھ" نامی جگہ ہے۔

"کپڑّ" دراصل کشمیر کی ایک قدیم ذات ہے جو نامعلوم زمانے میں اپنے وطن سے نکل کر بلوچستان کے مختلف مقامات میں آباد ہوا۔ اور اس مقام کو اپنا نام دیا۔ ایسے لگتا ہے کہ اس ذات یا قبیلہ کے گروہ کچھ عرصے کے لیے ایک موضع بساتے تھے اور جب حالات ان کے موافق نہیں ہوتے تو وہاں سے نکل کر دوسرا موضع بساتے اور پھر آگے بڑھتے تھے۔ موجودہ وقت میں مذکورہ ذات کے لوگ بلوچستان میں نہیں ملتے لیکن کشمیر کے مختلف مقامات میں بستے ہیں۔ کہیں وہ "کپر" کہلاتے ہیں اور کہیں "کپرہ"۔ کتاب "تواریخ اوراقوام کشمیر" میں اس کے مؤلف محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ اس ذات کے لوگوں نے "کپڑّ" کا نام اس لیے پایا کہ ان کا پیشہ کپڑے بیچنا رہا ہے۔

کچھی

"کچھی" مشرقی بلوچستان کا ایک معروف ضلع ہے کسی زمانے میں ایک خاص مقام کا نام ہوتا تھا جو گنداوہ کے قدیم سائٹ سے متصل ہوتا تھا۔ بعض علاقائی اکابرین کا خیال ہے کہ عرب دور حکومت کا قندابیل جو اب گنداوہ (فارسی میں گنجابہ) کہلاتا ہے کے پہلو میں "کچھی" نام کا موضع آباد ہوا اور یہ قندابیل کے زوال کے صدیوں بعد آباد ہوا۔ اس کے آبادکار سندھ کی مشرقی سرحد پر واقع ہندوستانی "کچھ" سے آنے والے میمن، جھٹ پٹ، بیل پٹ اور ڈینگر قبائل تھے۔ موجودہ وقت میں مذکورہ قبائل کچھی میں ناپید ہیں لیکن حیدر آباد، اندرون سندھ اور کراچی میں نظر آتے ہیں۔

کچھیوں کی نقل مکانی سے قبل علاقے میں دو قدیم ترین قبیلے بھی وجود رکھتے تھے اور یہی دو قبیلے قندابیل علاقے کے بنیادی دعویدار ہیں جو اب ناپید ہو چکے ہیں۔ ایک قبیلہ "گور" اور دوسرا قبیلہ "بدھ" جسے عربی تواریخ میں بُدھا اور کہیں غلطی سے نُدھا تحریر کیا گیا ہے۔ مذکورہ دونوں قبیلوں کے باقیات اب بھی علاقے میں موجود ہیں۔ لیکن اب ان کی اجتماعی یا قبیلائی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔

گور قبیلہ کا ایک تاریخی حکمران بہرام گور تھا جو ساسانی حکمرانوں میں چودھواں حکمران تھا جس نے بادشاہ ہند "شیر ماہ" کی بیٹی سے شادی کی اور ملک سندھ اور ملک مکران جہیز میں پایا۔ بہرام گور کا زمانہ 404ء تا 427ء تھا۔ اس کہانی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ "گور" کوئی ساسانی قبیلہ تھا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بہرام گور، گورخروں کا شکار کھیلتا تھا اس لیے "گور" اس کے نام کا لازمی لاحقہ

بن گیا تھا لیکن یہ ایک مفروضہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ تاریخ میں شکار، آج تک کسی کے نام کا حصہ نہیں بنا۔ گور کا لاحقہ قبیلہ اور ذات کو ظاہر کرتا ہے۔

چوں کہ بہرام گور کو ملک سندھ بھی دیا گیا تھا اور کچھی کا علاقہ بھی سندھ میں ہوتا تھا اس لیے قیاس یہی ہے کہ بہرام گور کے قبیلے والے ان کی بادشاہی سے مستفید ہونے کے لیے یہاں منتقل ہو گئے ہوں یا ان کے اجداد کو مختلف عہدوں پر تعینات کیا گیا ہو جن کی نسل مقامی ہو کر رہ گئی ہو۔

صدیوں قبل یہ قبیلہ کثیر تعداد میں اور طاقتور ہوا کرتا تھا۔ اس کے افراد جسیم، تنومند اور محنتی ہوا کرتے تھے۔ قدیم خراسان خطے میں ان کا ایک ملک بنام "غور" بھی ہوتا تھا۔ اسے فارسی نے "گور" سے "غور" بنا دیا ہے۔

بلوچستان کے کہستانوں میں جو تاریخی بندات پتھروں سے تعمیر کئے گئے ہیں وہ اسی جفاکش قبیلے کے تعمیر کردہ ہیں اور انہیں سے منسوب ہیں یہی "گوربست" کہلاتے ہیں۔ یوروپی مصنفین نے لکھا ہے کہ یہ بندات زرتشتی دین کے پیروکاروں کی تعمیر کردہ ہیں۔ انہوں نے "گور" کے معنی کافر لکھے ہیں۔ بلوچ لوگ ہر غیر مسلم کو گور کہتے ہیں یہ خیال غلط نہیں ہے۔ پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں بلوچستان میں زرتشتی دین ہی غالب تھا اور یقیناً "گور" قبیلہ اور دیگر قبائل کی اکثریت اسی دین کے پیروکار تھے جس کے اثرات آج بھی بلوچ معاشرے میں ناپید نہیں ہیں۔ اس لیے یہ یقینی بات ہے کہ ان تاریخی گوربستوں کا تعمیراتی تعلق اسی قدیم قبیلہ سے رہا ہو۔

دوسرا قدیم ترین قبیلہ "بدھ" قبیلہ ہے جس کے بارے میں یوروپی محقق ہیوز بلّر نے 1901ء کی مردم شماری رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

"کچھی کا قدیم نام بموجب ایلیٹ (ہسٹری آف انڈیا) نُدھا یا بُدھا تھا جس کا پایہ تخت قندابیل یعنی موجودہ گنداوہ تھا اور وہ اس میدان پر بھی حاوی تھی اور شاید کچھ مشرقی اور مغربی پہاڑیوں اور قدرے سندھ پر بھی۔ باشندے ندھا اور مند کہلاتے تھے۔ نُدھیوں کو صحرا نشین لوگوں کے مشابہ بتایا گیا ہے جو سرکنڈے اور گھاس پھونس کے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے۔ بعد میں انہیں جاٹ بتایا گیا ہے۔"(۹)

متذکرہ نام شاید ابن حوقل نے اپنی تصنیف "المسالک والممالک میں غلطی سے ندھا لکھا تھا یا پھر انہوں نے ایسا ہی سنا تھا۔ جو درحقیقت نُدھا نہیں ہے، بُدھ اور بُدھا ہے۔ کیوں کہ علاقے میں قدیم ترین قبیلہ یہی ہے۔ نُدھا اور مند اس علاقے میں کوئی قبیلہ نہیں گذرے ہیں۔ ابن حوقل کے لکھے ہوئے کو ایلیٹ نے اپنی ہسٹری آف انڈیا میں بغیر کسی تحقیق کے بعینہ اپنایا جو غلطی پر مبنی ہے۔ گزیٹئر کے مصنفین کا خیال ہے کہ "بدھ" دراصل قدیم بدھ مت کے باقی ماندہ پیروکار ہیں۔ جو اب ایک قبیلہ کی شکل میں باقی رہ گئے ہیں کیوں کہ بقول ان کے ضلع میں "بدھ مت مذہب" کے آثار بھی ملے ہیں۔ وہ چچ نامہ کے حوالہ سے سند دیتے ہیں کہ بدھ مت ساتویں صدی عیسویں میں سندھ میں غالب مذہب تھا۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ قندابیل "بُدھ ملک" کا دارالحکومت تھا۔ بعض عرب مصنفین کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ملک یا علاقے کو "نُدھا" کہتے تھے اور باشندوں کو "بُدھا"۔ لیکن نام "ندھا" کے کوئی آثار یا ثبوت وجود نہیں رکھتے اس لیے یقیناً ندھا ان کی ایک سنی سنائی بات ہوگی۔ جسے انہوں نے تقریباً مشکوک انداز سے لکھا ہے۔

موجودہ وقت میں کچھی ضلع میں کوئی کچھی قبیلہ وجود نہیں رکھتا۔ لیکن حیدرآباد اور کراچی میں ان کی اچھی خاصی تعداد رہائش پذیر ہے اور کچھی ہی کہلاتے ہیں۔

کِردِ گاپ

"کِرد گاپ" سروان کے ضلع مستونگ کا ایک قدیمی گاؤں ہے۔ اس نام کی اصل تحریری صورت "کِردگ آپ" ہے جو بلوچی زبان میں ہے۔ جس کے معنی "کَردِگ پانی یا چشمہ" ہے۔ کِردگ، اصل میں "کردہ" ہے۔ بلوچی میں جس لفظ کے آگے "ہ" آتا ہے بول چال میں اس کی جگہ "گ" لگ جاتا ہے۔ اس طرح کردہ، کردگ بن گیا ہے، بلوچی میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ جیسے زندہ سے زندگ، بندہ سے بندگ، مندہ سے مندگ، خندہ سے خندگ، سبزہ سے سبزگ، مادہ سے مادگ وغیرہ۔ اس طرح جس نام کو "کردگ آپ" بولتے ہیں وہ اصل میں "کردہ آپ" ہے۔

"کردہ" ایک قدیم قبیلہ رہا ہے جو 2000ء ق م میں آج کل کے ایرانی اور عراقی کردستان کے درمیانی خطے میں بود و باش رکھتا تھا۔ اس کا نام دو سمیری کتبوں میں دریافت ہوا ہے۔ اس قبیلہ کا پرانا مرکزی گاؤں "کردہ کہ" کہلاتا تھا۔(۷) جس کے معنی پہلوی میں "کردہ گاہ" بتائے گئے ہیں یعنی کردہ قبیلہ کا مقام یا جگہ۔ 400ق م کے دوران دجلہ کے کنارے اس قبیلہ کا ایک ضلع موجود رہا ہے جو بیٹ کردو (Beth Kardu) کہلاتا تھا۔(۸)

دجلہ کے بائیں طرف کا ایک علاقہ جزیرہ ابن عمر کردہ قبیلہ کی چراگاہ رہی ہے، جہاں یہ ہر طرف پھیلے ہوئے ہوتے تھے۔ عربوں نے اپنی تحریروں میں انہیں "قَردِی" (کردِیہ) لکھا ہے اور آرمینیوں نے انہیں کوردز تحریر کیا ہے۔ لیکن انہیں معروف قبیلہ "کرد" سے الگ ایک نسل کہا ہے۔ عرب جغرافیہ نویس ابن الاثیر انہیں بقردا (باکردہ) لکھتا ہے اور بتاتا ہے کہ ضلع بقردا، جزیرہ ابن عمر کا ایک حصہ تھا جس میں دو ہزار بازار ہوا کرتے تھے۔

سٹرابو کے حوالہ سے مؤرخین نے لکھا ہے کہ مذکورہ نام اس علاقہ کا رہا ہے جو آج کل دیار بکر اور موش کا درمیانی کوہستان ہے۔ بعض مصنفین نے اس نام کی مختلف صورتیں بھی بیان کی ہیں جن میں قردی، خلدی اور کالدی شامل ہیں۔ ان ناموں سے انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ قدیم سلطنت کالدیہ اسی قوم سے منسوب رہا ہے۔ لیکن الفاظ کی مماثلت سے آدمی دھوکہ بھی کھا سکتا ہے۔ بہرحال مذکورہ قبیلہ پر مصنفین کے مباحث سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ ایک قبل مسیح زمانے کا قبیلہ رہا ہے۔ لیکن بلوچستان میں اس قبیلے کی آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔ نیز ضلع بولان میں ایک قدیم موضع "کِرتہ" بھی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نام بھی "کردہ" کی علاقائی تبدیل شدہ صورت ہو۔ بلوچستان میں "کرتہ" نام سے اور کوئی موضع وجود نہیں رکھتا۔

کرمان ذر:

"کرمان ذر" کے لیے دیکھیں "کلمت"۔

کسانو

مذکورہ بالا نام ضلع کیچ کا ایک قدیم موضع ہے جو ہمیشہ سے آباد چلا آرہا ہے۔ اس کے موجودہ باشندے تمام بلوچ قبائل سے ہیں۔ یہ نام اصل میں کسانہ ہے جسے جٹکی یا جدگالی لہجے نے کسانو بنا دیا ہے۔

"کسانہ" ایک قدیم گوجر قبیلہ ہے جو اب بھی موجود ہے۔ بقول انگریز محقق یہ قبیلہ بڑی تعداد میں انبالہ، ہشیارپور، گورداس پور، گجرات میں آباد ہیں جب کہ اس کے کئی گروہ مختصر تعداد میں پاکستانی پنجاب میں بود و باش رکھتے ہیں۔

"شاہانِ گوجر" میں اس کے مصنف ابو البرکات مولوی عبد المالک خانصاحب لکھتے ہیں کہ گوجروں کی اصل ذاتیں تین ہیں جو بر کٹ، گورسی اور کسانہ تھے۔ ان کا باپ راجہ سد گوجر نامی تھا اور ان کا وطن مالوہ تھا۔ ان کا کوئی مورث سلطنت مغلیہ کے عہد میں پہلے مناور ضلع جموں میں آیا اور وسیع رقبہ پر کاشتکاری کرنے لگا۔ ان کی تعداد کافی تھی جب وہاں ان کو آباد کاری کے لیے زمین نہ ملی تو پھر کچھ لوگ مختلف اوقات میں گجرات کے دیہاتوں میں پھیل گئے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ ایک حاکم قوم رہی ہے اور موجودہ وقت میں ضلع گجرات میں تقریباً چالیس مواضع میں آباد ہیں۔ اس قبیلہ کی مشہور شخصیتوں میں مولوی کمال الدین، خان بہادر مولوی فتح الدین اور مولوی محمد الدین بڑے عالم وفاضل شخص گزرے ہیں۔

بلوچستان میں اس قبیلہ کا کوئی گھر باقی نہیں ہے۔ یا تو یہ گھرانے مزید مغرب کی سمت کوچ کر گئے یا مقامی قبائل میں ضم ہو کر اپنی انفرادیت کھو چکے۔

کسر

مندرجہ بالا نام کیچی دشت میں ایک قدیم موضع کا نام ہے جس کی وجہ تسمیہ موجودہ باشندے نہیں جانتے۔ یہ دراصل ایک کشمیری قبیلہ کا نام رہا ہے۔ جو جموں میں بود و باش رکھتا تھا۔ موجودہ وقت میں اس قبیلہ کے گھرانے جہلم کے علاقے میں سکونت رکھتے ہیں۔ بعض تعلیم یافتہ لوگ اپنے اس قبیلہ کے نام کو "ث" سے "کثر" لکھتے اور بولتے ہیں۔ "پنجاب کی ذاتیں" میں اس کے مصنف ڈینزل ابسٹن لکھتے ہیں کہ مردم شماری رپورٹ میں علاقہ جہلم میں آٹھ ہزار پانچ سو ستائیس افراد نے اپنا قبیلہ "کسر" لکھوایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس قبیلہ کا اصلی وطن جموں رہا ہے۔ جہلم میں "کسر" قبیلہ کا شمار جاٹوں میں ہوتا ہے۔

بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ کسی زمانے میں یہ قبیلہ بمبئی کے گردونواح میں ایک بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور ان کی ایک ریاست ہوتی تھی جس کا ایک "نہپان" نامی بادشاہ ہوتا تھا جس کی رگوں میں ایرانی خون تھا۔ اس بادشاہ کی حکمرانی کا زمانہ 60ء سے 90ء کا درمیانی زمانہ تھا۔ اس کی بادشاہی کے حدود میں راجپوتانہ تاحدِ ناسک، پُونا کا خطہ اور کاٹھیاواڑ کے علاقے شامل ہوتے تھے۔ جب کسر قبائل ایک متحدہ قوم کی شکل میں ایک خطہ میں یکجا ہوئے تو مذکورہ خطہ "کثرات" کے نام سے مشہور ہوا۔

کسر یا کثر قوم کے طائفے موجودہ وقت میں صوبہ سرحد اور پنجاب میں منتشر گھرانوں کی صورت میں آباد ہیں۔ قدیم تاریخ ہند میں اس کے مصنف وی-اے- سمتھ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ شاید یہ قوم سیستان سے ہجرت کر کے آنے والی ایک قوم ہے جب کہ چند ایک مصنفین اسے "سک" (ساکا) قوم سے ہونے کا امکان ظاہر کرتے ہیں۔ بہر حال اس قوم کی نسل کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں ملتی۔ بلوچستان میں اس کا گروہ مکران کے دشت میں کب اور کن حالات میں آباد ہوا اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔

کِشان

"کِشان" ضلع قلات میں ایک سرسبز گاؤں ہے ایک اور گاؤں ایرانی بلوچستان میں افغان سرحد کے پاس ہوتا تھا جس کا اب کوئی وجود نہیں۔ ایک اور تاریخی گاؤں "کش" جیہوں پار علاقے میں ہوتا تھا۔ جہاں پر عظیم فاتح تیمور لنگ پیدا ہوئے تھے۔

یہ نام "کش" کی جمع ہے۔ جس سے "کش لوگ" کے معنی کے بنتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کسی نامعلوم زمانے میں "کش" نامی قوم یا لوگ بستے تھے۔

ہندوستانی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے بارے میں پہلی اور قدیم ترین تصنیف "نیلہ مت پوراں" نامی کتاب ہے جس کے مصنف نیل ناگ نامی شخص گزرے ہیں۔ اس کتاب میں "کش" قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کش قوم قدیم ترین اقوامِ کشمیر سے رہا ہے۔ کشمیر پر دیگر کتب میں کہا گیا ہے کہ موجودہ زمانے سے آٹھ سو سال قبل کش قوم "دریا دنستہ" (موجودہ جہلم) کے کنارے رہتی تھی اور چندری بھاگا (موجودہ چناب) میں اس قوم کے قلعے اراضیات ہوتی تھیں۔ اس قوم کی حاکمیت کشمیر، راجوری اور پونچھ کے علاقے پر رہی ہے۔

مذکورہ نام سے ملتا جلتا ایک شاہی قبیلہ کا ذکر بھی ہندوستانی تواریخ میں موجود ہے۔ یہ قبیلہ کنشک بادشاہوں کا قبیلہ "کُشان" ہے۔ بادشاہ کنشک 76ء میں گندھارا پر حکمران تھا اور اس کی حکمرانی کے حدود بالائی سندھ، کابل، پشاور کے قرب و جوار تک تھے۔ وی۔اے سمتھ لکھتے ہیں کہ یہ بادشاہ اپنی حکمرانی کے حدود سے تجاوز کرکے مداخلت کرتا تھا اور بلوچستان کے سرحدی خطوں تک یہ بادشاہ ہاتھ مارتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ کشمیر کا سارا علاقہ ان دنوں کندھارا کا حصہ ہوتا تھا۔ کتاب "انٹرکورس آف چائنا وِدتُرکستان" میں کشان قوم کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ قوم پستہ ناک والے منگولوں سے نہیں تھے بلکہ اونچی ناک، گلابی رنگ اور بلند قامت والی قوم تھی۔

اس قوم کی حکمرانی کا خاتمہ ہُن یلغاریوں کے ہاتھوں پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہوئی تھی۔ بعض تاریخی کتب میں کشان کو ایک چینی قبیلہ بتایا گیا ہے۔ جس کے طائفے پہلی صدی عیسوی کی ابتدا میں ہندوستان کے حدود میں داخل

ہوئے تھے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی محقق جوزف ڈرانسکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ولادت مسیح کے بعد پہلی صدی کے آخر میں یوچی اور کشان چینی قبائل بھی ہُنزہ اور ناگر کے راستے شمال مغربی ہندوستان میں داخل ہوئے۔ مہاراجہ کنشک، کشان قبیلے ہی کا فرد تھا۔ جس کی حکومت کا صدر مقام پر شاپور (پشاور) تھا مگر اس کی حکومت کاشغر اور ختن تک وسیع تھی اور پنجاب کا بڑا حصہ اس میں شامل تھا۔ کنشک کے عہد کے سکّے آج بھی جھنگ کے ٹُبّوں سے دستیاب ہوتے رہتے ہیں۔(۱۰)

مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشان قبائل (۱۱) کنشک کے دور حکومت میں قرب و جوار میں بھی پھیل گئے ہوں گے اور اپنی بستیاں بسائی ہوں گی۔ ان میں بلوچستان کا خطہ بھی شامل ہوا ہوگا۔

ایک انگریزی محقق لارنس نے جہلم کے بائیں کنارے پر آباد، کھکھ قبیلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ قدیم سنسکرت میں اس قوم کا نام کھش تھا اور قدیم تاریخی کتاب "راج ترنگی" میں کھشی نام سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

"بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ کشان، یوچی قوم کی شاخ ہے اور گوجر بھی یوچی ہیں جو خانہ بدوش ترکوں کی اولاد ہیں۔(۱۲)

محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ آج سے آٹھ سو سال پہلے کھش قوم بارہ مُولا سے پنجاب آتے ہوئے دریائے دتستہ (جہلم) کے کنارے آباد تھا۔(۱۳)

مندرجہ بالا مطالعہ سے ہم نہیں جان سکتے کہ بلوچستان کے موضع "کشان" کو بستی بنانے والی قوم کون سی تھی۔ کیا یہ وہ یوچی چینی کشان تھے جنہیں چوتھی صدی عیسوی میں گُپت خاندان کے چندر، گُپت اور سمدر گُپت کے دور حکومت میں جب چندر گُپت بکرما جیت اقتدار میں آیا اور کشانوں اور باختری یونانیوں پر بھرپور یلغار کر کے انہیں پنجاب سے نکال دیا جو پھر دور دراز علاقوں تک

منتشر ہو کر پھیل گئے تھے۔ یا وہ کشمیری قبیلہ کِش تھا۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ یہ کشمیری قبیلہ کِش تھا۔ کیوں کہ ایک تو یہ نام پیش (و) کے تلف سے نہیں بولا جاتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بلوچستان میں کشمیری قبیلائی گروہ یا طوائف کے آباد ہونے کے آثار کسی دوسری ہندی یا چینی قبیلوں کے مقابلے زیادہ ملتے ہیں۔

کلمانی

"کلمانی" ضلع کیچ کی تحصیل تمپ میں ایک کوہستانی جگہ ہے۔ شاید کسی دور میں چھوٹا سا موضع رہا ہوگا۔ موجودہ وقت میں ندی نالوں کے بہاؤ کی زد میں ہر چیز بے نشان ہوگئی ہے۔ صرف جگہ کا نام رہ گیا ہے۔ اس نام کا دوسرا موضع مریوں کے علاقے میں ہے جو جد گالی اور سندھی لہجے میں کرماڑی کہلاتا ہے۔

کلمانی ایک ہندوستانی قبیلہ ہے۔ موجودہ وقت میں انڈیا کے کئی شہروں میں اس کے گھرانے آباد ہیں۔ ان کی کوئی مرکزیت نہیں ہے، منتشر صورت میں مختلف شہروں میں بود و باش رکھتے ہیں۔ یقیناً کسی دور میں اس کا کوئی طائفہ یا گروہ اس مقام پر بس چکا ہوگا۔ علاقہ تمپ اور اس کے آس پاس کئی ہندی طائفوں کے ناموں کے مواضع موجود ہیں۔

"کلمانی" مقام ایک ایسی پہاڑی گھاٹی میں واقع ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک عارضی قیام گاہ تھا۔ اور کلمانی چند گھروں کی بجائے چند لوگ ہوں گے جو کچھ وقت کے بعد یہاں سے ہجرت کر گئے ہوں گے کیوں کہ اس جگہ پر کوئی طائفہ یا چند گھر بس ہی نہیں سکتے۔

کلمت

"کلمت" مکران کے ضلع گوادر کی تحصیل پسنی کی ایک قدیم بندر گاہ ہے۔ جو سولہویں صدی میں پرتگیزی جارحیت کا نشانہ بنتا رہا اور ایک مقامی بلوچ سردار میر حمل نے پرتگیزیوں کے خلاف کمر کس لی۔ (۱۴) اس دور کے عسکری واقعات نے تاریخ میں کلمت کا نام مشہور کر دیا۔ یہ نام اپنے مقام پر بہت قدیم ہے۔ جب سکندر مقدونی کا بیڑہ یہاں سے گزرا تھا تو اس کا یہی نام تھا جس کا ذکر نیارکس نے "کلامہ" کے نام سے کیا ہے۔ اسے کرمت بھی بولا جاتا ہے۔

انگریز محققین نے اس نام کو قرمطی بدعتیوں کے قرمط سے جوڑنے کا گمان کیا ہے جب کہ قرمط اور اس کے قرمطی گروہ دسویں صدی عیسویں کے دوران بحرین اور الاحساسے نکل کر بطرف سندھ چلے آئے تھے کلمت کا نام قبل مسیح سے موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ نام ترک قبائل میں موجود ہے اور یہ ایک ترک قبیلہ تھا جو اس مقام پر آباد ہوا تھا۔ عربی تصنیفات میں اس نام کو "کرمہ" لکھا گیا ہے۔ جو مقامی بول چال میں "ت" کی اضافت کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ جیسے کیچ کے "تُربہ" کا نام "تربت" بولا جاتا ہے۔ کرمت کو "ل" کے ساتھ ادا کرنا علاقائی لہجہ کی وجہ سے ہے۔ ایسے کئی الفاظ ہیں جو "ل" اور "ر" کی تبدیلی کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر "نادر" کو "نادل"، بدر کو بدل، مینگل کو مینگر، شال کو شار، کلدِر کو گردر، نالگ کو نارگ، کلانچ کو کُرانچ، سلمان کو سرمان وغیرہ وغیرہ۔ اسی لہجے کی وجہ سے "کرمت" کا نام "کلمت" بن گیا ہے۔ کرمت یا کلمت ترک قبیلہ موجودہ وقت

میں بھی ترکستان میں موجود ہے۔ واضح ہو کہ سندھ میں آج بھی کلمت کو کرمت اور کلمتی کو کرمتی کہتے ہیں۔

"دائرۃ المعارف اسلامیہ" نے مصنف لائیزگ کی تصنیف Aus Sibirion کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "کرمہ" قبیلہ ازبک اور کرغیز کی مخلوط نسل ہے جو موجودہ وقت میں تاشقند اور حجُند کے علاقوں میں بود و باش رکھتا ہے۔ تاشقند کا قدیم نام بھی "کرمہ" رہا ہے۔ راڈولف نامی مصنف نے "کرمہ" قبیلہ کی پانچ ذیلی طائفوں کے نام لکھے ہیں۔ جو جلائر، تلاؤ، تمّہ، جگیلی اور ترکلی ہیں۔ جن میں دو تین طائفے اب وجود نہیں رکھتے ہیں۔ تاشقند میں تلاؤ کا موضع آج بھی ہے جہاں پر کرمہ رہتے ہیں۔ روس کے ترک اپنے نام کے ساتھ طائفے اور قبیلے دونوں کا ذکر کرتے اور لکھتے ہیں جیسے تلاؤ کرمہ، کرغیز کرمہ، سابک کرمہ، سرت کرمَہ وغیرہ۔

یہ تُرک قبیلہ مکران کے ساحل کے علاوہ ضلع کیچ میں بھی آباد رہا ہے جس کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ پسنی علاقے میں یہ نام صیغہ واحد میں رائج ہوا ہے۔ جو علاقائی لہجے کی وجہ سے کرمہ / کلمہ سے کلمت بن گیا ہے جب کہ کیچ میں فارسی اثرات کی وجہ سے یہ نام صیغہ جمع میں استعمال ہو کر "کرمان" کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ایران میں بھی کرمان بصورت جمع ہے اور زیر و زبر کی تبدیلی سے بجائے کَرمان کے "کِرمان" بولا جاتا ہے کیچ میں اس قبیلہ کا قدیم قلعہ "کِرمان دِزّ" کہلاتا ہے۔ واضح ہو کہ ترکی زبان میں قلعہ کو "دِز" کہتے ہیں۔

کلو

کُلو نام کی پہاڑی جگہ سراوان کے کوہستان میں واقع ہے یہ ایک غیر آباد مقام ہے جو کسی زمانے میں کلو نامی ہندی قبیلہ کے کسی گروہ کی بستی رہی ہے۔ تواریخ کشمیر میں اس کے مصنف محمد الدین فوق نے اسے ملماسی پنڈتوں کی ذات لکھا ہے۔ یہ قبیلہ انڈیا کے مختلف صوبوں میں آج بھی موجود ہے۔ یاد رہے کہ پنڈتوں کو ہندوستان کی قدیم ترین ذاتوں میں کہا جاتا ہے اور اسے کشمیر کی بھی قدیم ترین ذات کہا گیا ہے۔ اس ذات کے کئی گوت سوپور میں بود و باش رکھتے ہیں۔

کمبل

کمبل، ایرانی بلوچستان کے چھبار کے نواح کا ایک آباد موضع ہے۔ اس نام کا ایک گاؤں ترکی کے شہر اناطولیہ میں بھی ہے۔ حجاج بن یوسف کے دور حکمرانی کے وقت جب محمود بن ہارون کی کمان میں محمد بن قاسم کا لشکر بیلہ علاقے میں آیا تو یہاں بھی کمبل نامی موضع موجود تھا۔ جہاں پر محمد بن ہارون کو اس کی وفات پر دفن کیا گیا تھا۔ معروف تاریخ و جغرافیہ دان البلاذری نے لکھا ہے کہ محمد بن ہارون نے ارمابیل کے قریب وفات پائی اور وہ کمبل میں دفن ہوئے۔(۱۵) یہ کمبل اس زمانے کے نقوش کے مطابق بیلہ سے کافی دور اور سمندر سے قریب تر ہوتا تھا۔ جس کے آثار اب نہیں ملتے۔ تاریخی کتابوں کے مطابق یہ قدیم ترین ہندی قبائل میں رہا ہے۔ جو پوری طرح معدوم نہیں رہا آج بھی ہندوستان میں موجود ہے اور یہ کہیں کمبلی اور کہیں " کمبلے " کہلاتے ہیں۔

"کمبلی یا کمبلے" موضع کمبل کی نسبت سے ایک جغرافیائی قبیلہ ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جغرافیائی قبیلہ نسلی لحاظ سے موضع کو نام دینے والا "کمبل" قبیلہ سے ہیں یا محض اس موضع کے رہائشی رہے ہیں جنہوں نے کمبل سے ہجرت کی اور آس پاس علاقوں اور ہندوستان میں واپس پہنچ کر وہاں بس گئے کیوں کہ ایک زمانہ سے مذکورہ ہندی قبیلہ کمبل کی موجودگی کا پتہ نہیں چلا۔

کمر

مذکورہ بالا نام ضلع مستونگ کے علاقہ کھڈ کوچہ میں ایک قدیم موضع کا نام ہے جسے مقامی لوگ علاقے کا قدیم ترین موضع کہتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہاں پر کسی زمانے میں "گئور" لوگ رہتے تھے۔ یہ گئور کسی قبیلہ کو کہا نہیں گیا ہے بلکہ اس سے مراد وہ غیر مسلم اور کافر کا لیتے ہیں اور پورے بلوچستان میں گئور کے یہی معنی لیے جاتے ہیں جب کہ ایک قدیم قبیلہ بنام "گئور" وجود رکھتا ہے جس کا بیان اسی کتاب میں موجود ہے۔

جس "کمر" کی بات ہو رہی ہے یہ ایک قدیم کشمیری ذات رہی ہے جو کسی زمانے میں یہاں بس چکی تھی۔ یہ ذات موجودہ وقت میں کشمیر میں موجود ہے اور 1911ء کی مردم شماری فہرست میں اس ذات کا نام درج ہے یہ ذات کوئی بڑی ذات نہیں۔ اس کے طائفے ہندوؤں میں بھی ہیں اور مسلمانوں میں بھی ہیں۔

گُنٹ دار

درج بالا گاؤں، ضلع کیچ کے علاقہ دشت میں واقع ہے جسے مقامی لوگ غلط تلفظ سے گُنٹ دار ادا کرتے ہیں۔ جب کہ اس کا صحیح تلفظ گنٹ ہے نہ کہ گنٹ۔ "گُنٹ" ایک قدیم ہندی قبیلہ رہا ہے جس کے ایک گروہ نے کسی دور میں آکر اس مقام پر آباد کاری کی تھی۔ دار یادارک، بلوچی میں ڈیرہ کو کہتے ہیں۔ کنٹ دار کے معنی ڈیرہ کنٹ کے ہیں۔ یہ قبیلہ موجودہ وقت میں مکران میں معدوم ہے لیکن کشمیر میں اب بھی بڑی تعداد میں موجود ہے. اس کشمیری قبیلہ کے جد امجد کا نام میر محمد حسین کابلی بتایا جاتا ہے۔ کشمیری اس قبیلہ کو ایک کافی قدیم قبیلہ بتاتے ہیں۔ اس قبیلہ کے معتبرین اپنے نام میں "خواجہ" اور "میر" بطور سابقہ لگاتے ہیں۔ "خواجہ" نامی ترک قبیلہ بھی ہے اور "میر" بھی جسے مغل کہا جاتا ہے۔ لیکن قبیلہ کی نشاندہی کی صورت میں دونوں اصطلاح بطور لاحقہ استعمال ہوتے ہیں بطور سابقہ نہیں۔

کتاب "تواریخ اقوام کشمیر" میں اس کے مصنف محمد دین فوق لکھتے ہیں:

> "پنجاب میں جو خاندان اپنے نام سے پہلے میر لکھتے ہیں وہ سید اور مراثی ہیں کشمیر کے میر جو اپنے نام کے آخر میں میر لکھتے ہیں وہ قبیلہ "میر" سے ہیں جو مغل قوم ہے اور کشمیر میں مغل میروں کے علاوہ کوئی دوسرا میر نہیں ہے۔"(صفحہ 378)

کشمیر میں احمد شاہ ولد محمد شاہ، بادشاہ دہلی کے زمانے میں میر محمد مقیم گنٹ اور میر فقیر اللہ گنٹ نامی گرامی شخصیتیں گزری ہیں۔ اس قبیلہ کے دو اور نامور بزرگ محمد جعفر گنٹ اور نورا بابا کنٹ کشمیر کی برگزیدہ ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ دیگر کشمیری اور ہندی قبائل کی طرح قبیلہ گنٹ کے گروہ کی بلوچستان کے مذکورہ مقام پر آباد کاری کا زمانہ بھی نامعلوم ہے۔

کنجڑ

"کنجڑ" ضلع خضدار میں ایک کوہستانی گاؤں ہے۔ کنجڑ کے ساتھ ایک دوسرا گاؤں "ماڑی" نامی ہے۔ علاقے کے لوگ ہمیشہ دونوں نام ایک ساتھ استعمال کرتے ہیں یعنی کنجڑ ماڑی۔ "کنجڑ" کو آمدورفت کرنے والا صرف کنجڑ نہیں بولے گا بلکہ کنجڑ ماڑی بولے گا۔ اسی طرح ماڑی میں آنے جانے والا کبھی صرف ماڑی نہیں بولے گا بلکہ کنجڑ ماڑی کہے گا۔

مذکورہ گاؤں ایک نہایت قدیم گاؤں سمجھا جاتا ہے جو ایک قبیلہ "کنجر" کے نام پر ہے لیکن اب یہ قبیلہ علاقے میں وجود نہیں رکھتا۔ "دی کاسٹس آف پنجاب" میں اس کے محقق ڈینزل ابسٹن اس قبیلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ دہلی اور اس کے آس پاس رہتے ہیں اور شر پسندی کے علاوہ غلیظ اور گندی حرکتیں کرتے ہیں۔ دہلی کے گرد و نواح کے علاوہ ان کی رہائشیں گُڑ گاڑں، سرسا، انبالہ اور بہاولپور میں ہیں۔ سرسا کے رہائشیوں کے علاوہ دیگر علاقوں میں رہنے والے کنجر ہندو مذہب کے پیروکار ہیں۔ یہ ایک خانہ بدوش اور گھومنے پھرنے والا قبیلہ ہے جو جنگلوں میں رہتا اور جنگلی جانوروں جیسے لومڑی، روباہ اور دیگر رینگنے والے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں اور ان کی کھالیں کاروباریوں کو بیچتے ہیں۔ حرام و حلال کی ان میں کوئی تمیز نہیں اور ہر قسم کی بے حیائیاں کرتے ہیں۔"

مزید لکھتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک آدھوں کو بیاہ دیتے ہیں اور آدھوں سے بے حیائی کرواتے ہیں۔ جیسے بھی ہیں لیکن

یہ حقیقت ہے کہ یہ اچھوت ہیں اور کالی ماتا کے پجاری ہیں۔(۱۶) 1866 کے سلیکٹڈ کیسز آف دی پنجاب پولیس "نمبر X میں کنجروں کو" باوریا" قوم سے بتایا گیا ہے۔

یہی مصنف اسی کتاب میں باوریوں کو ہندو، مردار خور، غلیظ عادات والے لکھتا ہے مگر انہیں اچھوت نہیں کہتا کیوں کہ ان کی شادیوں کے رسوم عام برہمنوں کی پیشوائی میں ادا کیے جاتے ہیں۔(۱۷)

کندھار

بلوچستان میں دو مواضع کندھار کے نام سے موجود ہیں۔ ایک موضع بولان میں اور دوسرا موضع ضلع پنجگور کے تحصیل گچک میں ہے۔ یہ ایک کافی قدیم بلوچ قبیلہ روایت کیا جاتا ہے جس کے بارے میں معلومات نہیں ملتے۔ افغانستان کی سرزمین پر موجود "کندھار" ایک ایسے مرکزی مقام پر ہے جو چھٹی صدی عیسویں سے صدیوں تک ایک بلوچ ملک "بیلوص" میں واقع رہا ہے۔ جس سے "کندھار" قبیلہ کی بلوچ ہونے کی روایت کو تقویت ملتی ہے۔ موجودہ وقت میں اس نام کے قبیلہ کی کہیں موجودگی ثابت نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک "بیلوص" کے ٹوٹ پھوٹ کے بعد وہاں سے کئی بلوچ قبیلے یا قبیلائی طائفے ہجرت کر گئے تھے جن میں بلوچوں کا مذکورہ کندھار قبیلہ کا ایک طائفہ پنجگور تک پہنچ کر یہاں آباد ہوا۔ جبھی اس جگہ کا نام کندھار پڑ گیا۔ واللہ اعلم

کوّاس

بلوچستان کے شمالی علاقے ضلع زیارت کی وادی کے قریب ایک گاؤں کواس ہے جو ایک عرب قبیلہ کے نام کی یادگار ہے۔ جسے عربی میں "قواس" تحریر کیا جاتا ہے۔ اس عرب قبیلہ کا مرکزیا بنیادی مسکن کہاں تھا اور کہاں سے بلوچستان کے موجودہ مقام پر آکر آباد ہوا تھا، یہ معلوم نہیں ہوتا لیکن موجودہ وقت میں فلسطین میں اس قبیلہ کے گھرانے موجود ہیں۔

2007ء میں اسرائیل نے حماس کے چند فلسطینی لیڈروں کو اغوا کر کے غائب کر دیا تھا ان میں قواس قبیلہ کا مشہور و معروف فلسطینی رہنما "وجیہ قواس" بھی شامل تھا۔ بلوچستان میں اس عرب قبیلہ کی آبادکاری کے سن وسال معلوم نہیں ہوئے۔ اندازہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بلوچستان میں فتوحات کے دوران اس عرب قبیلہ کا ایک گروہ مذکورہ مقام پر آباد ہوا ہوگا۔

کوَتر

بلوچی زبان اور کشمیری زبان میں "کوَتر"، کبوتر کو کہتے ہیں۔ مذکورہ دونوں زبانوں میں سینکڑوں الفاظ ایسے ہیں جو ایک ہی معنی اور ایک ہی لہجے میں بلوچستان اور کشمیر میں مستعمل ہیں اور اس کا ایک دلچسپ تاریخی پس منظر ہے جسے ہم نے اپنے ایک بلوچی مضمون "بلوچستان اور کشمیر کے تاریخی روابط" میں بیان کیا ہے۔

"کوتر" نام کا ایک گاؤں چاغی ضلع میں موجود ہے اور اسی ضلع میں ایک پہاڑی سلسلہ "کوہ کوتران" کے نام سے مشہور ہے۔

مذکورہ نام ایک کشمیری قبیلہ کا ہے جس کے چند گھرانے موجودہ وقت میں سری نگر میں سکونت رکھتے ہیں۔ کشمیری تواریخ کی رو سے اس قبیلہ کی دو اہم شاخیں، "آنند جو کوتر" اور "درگناتھ کوتر" ہیں۔ کشمیری مورخین کے مطابق اس قبیلہ کا جد امجد کبوتر پالتا اور بیچتا تھا۔ اس لیے کشمیری زبان میں "کوتر" کے لقب سے مشہور ہو گیا جو پھر اس کے نسل کی قبیلائی شناخت بن گیا۔

دیگر لاتعداد طوائف کی طرح کوتروں کی بھی مذکورہ مقامات میں آباد کاری کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ مقامی روایتیں گاؤں کوتر کو چار سو سال پرانا مسکن بتاتی ہیں۔

کوچہ، کوچئو

بلوچستان میں کوچہ اور کوچئو کے نام سے کئی موضعات واقع ہیں۔ ایک موضع مکران کے ضلع کیچ میں ہے جو کوچہ کہلاتا ہے۔ دوسرا موضع ضلع آواران میں جھاؤ کے گریشہ میں واقع ہے جو جٹکی یا سندھی لہجے میں کوچئو کہلاتا ہے۔ شاید اس کے باسی کسی وقت سندھ سے آکر بسے تھے۔ ایک تیسرا کوچہ ضلع گوادر کے علاقہ گُلانچ میں واقع ہے ان کے علاوہ ایرانی بلوچستان میں بھی ایک موضع "کوشہ" واقع ہے۔

کوچہ ایک کشمیری ذات ہے جو موجودہ وقت میں بھی کشمیر کے مختلف علاقوں میں بود و باش رکھتا ہے۔ اس ذات کا کوئی گروہ نامعلوم زمانہ میں مذکورہ علاقوں میں آباد ہوچکا تھا۔ بلوچستان میں اس ذات کے گھرانے صدیوں کے بعد اب وجود نہیں رکھتے۔ کوچہ قبیلے کے طائفے اور گھرانے ہندوستان اور پنجاب کے گوجروں میں بھی موجود ہیں۔

کورک

کورک نام کا موضع ضلع پنجگور کے گاؤں عیسئ(۱۸) میں واقع ہے۔اس نام کا دوسرا موضع ضلع آواران کے تحصیل جھاؤ کے پیلار میں ہے۔ جسے قدیم سمجھا جاتا ہے۔ پنجگور کا موضع زیادہ پرانا نہیں ہے۔روایات کے مطابق انگریزی دور حکومت سے چند سال قبل یہ موضع آباد تھا اور ایک بڑا گاؤں ہوتا تھا لیکن عیسئ نام کا گاؤں وجود نہیں رکھتا تھا۔

مذکورہ موضع ایک قدیم ساحلی قبیلہ "کورئک" کے نام پر ہے جس نے یہاں پر اپنی بستی بسائی تھی۔ دسویں صدی عیسویں میں معروف جغرافیہ نگار ابوالقاسم محمد ابن حوقل بغدادی نے مکران اور لس بیلہ کے جاٹ (عربوں کا زط) آبادکاروں کا ذکر کرتے ہوئے دو دیگر قبیلے مید اور کورئک کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ کورئک کا تذکرہ ساحلی تخریب کاروں کے طور پر کیا ہے جو اکثر و بیشتر مسافروں تجارتی قافلوں اور جہازوں کو لوٹا کرتے تھے۔اس قبیلہ کی ڈکیتیوں کے سدباب کے لیے خلفاء کو تسخیر سندھ کے لیے محمد بن قاسم کو بھیجنا پڑا۔

مذکورہ قبیلہ کے پاس تیز رفتار کشتیاں بھی ہوتی تھیں۔ جن کے ذریعہ یہ ہندوستانی دور دراز ساحل تک وارداتیں کرتے تھے۔ ان کی مسلسل وارداتوں کی شکایات اکثر و بیشتر خلیفہ بغداد تک پہنچتی تھی۔ جب چھوٹے موٹے سرکاری کارروائیوں سے یہ قابو میں نہ آسکے تب ان کے خلاف بڑی فوجی کارروائی عمل میں لائی گئی ان کی ساحلی بستیاں اجاڑ دی گئیں گروہوں کے گروہ گرفتار کر لیے گئے اور پابہ جولان کر کے سمندری راستے عراق اور قرب وجوار میں بھیجے گئے جو آبادی اس

فوجی یلغار سے بچ گئی وہ اندرونی علاقوں میں جا کر چھپ گئے۔ جس سے ان کی اجتماعی قوت باقی نہ رہی۔ ان کے گروہ اور گھرانے دیگر قبیلوں میں شامل ہوئے۔ آج بھی کئی ساحلی علاقوں میں اس گھرانے کے لوگ دیگر قبیلوں میں رہ بس رہے ہیں۔ پنجگور کے موضع میں اس قبیلے کے لوگ پسنی کے "کاٹاگر" سے ہجرت کر کے آکر بس گئے۔

پسنی کے "کاٹاگر" کے کورکوں نے پنجگور کے میدانی علاقے میں ایک بستی بسائی جو کاٹاگر کی نسبت سے "کاٹاگری" مشہور ہوئی۔ یعنی کاٹاگر سے آنے والے لوگ۔ یہ کاٹاگری، اندرونی طور پر کورک کہلاتے ہیں اور باہر کی دنیا میں کاٹاگری بلوچ ہیں جو اب ان کا جغرافیائی نام بن گیا ہے۔

کوری

مذکورہ موضعی نام ضلع خضدار کے گاؤں کا ہے۔ جسے ایک ہندی قبیلہ "کوری" نے بسایا تھا۔ یہ قبیلہ اب بھی ہندوستان اور پنجاب کے کئی شہروں میں آباد ہے۔ "دی کاسٹس آف پنجاب" میں مسٹر ابسٹن لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ ہندوستانی قدیم ذات "چمار" کی شاخ ہے جس کا مرکزی علاقہ اودھ اور اس کے آس پاس کا ہے۔ ان کا پیشہ پوشاکیں، دریاں وغیرہ بنانا اور مزدوری کرنا ہے۔ مصنف کتاب نے جن جن علاقوں میں اس ذات کی بود و باش کا ذکر کیا ہے ان میں کرنال، انبالہ، شملہ، لاہور، فیروزپور، ملتان، راولپنڈی، پشاور اور بنّوں شامل ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت انبالہ، لاہور اور راولپنڈی میں بستی ہے۔

بلوچستان کے مشرقی شہروں اور سندھ میں یہ ذات موجود ہے۔ بڑے قبیلوں میں اس کے گھرانے شامل ہیں اور سندھی زبان بولتے ہیں۔

کوشک

بلوچستان میں کوشک نام کے مواضع کئی ملتے ہیں۔ جن میں ضلع خضدار کا کوشک، ضلع کیچ کا کوشک، ضلع کیچ میں بلیدہ کا کوشک، مستونگ کا کوشک وغیرہ۔

کوشک بنیادی طور پر ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "محل" کے ہیں یعنی بلوچی میں "میری" کے۔ ترکی کے مشہور شہر استنبول میں کئی مشہور محل یا کوشک موجود ہیں۔ جن میں سے چند کے نام مجید کوشک، بغداد کوشک، گلخانہ کوشک، کوشک لولو، کوشکِ گل، پالی کوشک، کوشکِ نو، کوشک عرض، کوشک علائی، صوپ کوشک وغیرہ ہیں۔ لیکن بلوچستان میں تُرکی معنوں میں صرف ایک قدیم کوشک کا نام ملتا ہے اور وہ ہے "کوشک کک" جو حدودِ مستونگ میں چلتن کے دامان میں ہوتا تھا۔ اس کا ذکر شاہنامہ فردوسی میں کیا گیا ہے۔ جو کک نامی پہلوان کی بالادستی میں تھا۔ دیگر جن چار کوشک کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے وہ قدیم مواضع کے نام ہیں اور جہاں پر وہ واقع ہیں وہاں پر کسی میری یا محل کے موجودہ یا قدیم ملبہ جاتی آثار کوئی نہیں ہے اور نہ ان سے منسوب کوئی تاریخی اور شاہی کہانی منسوب ہے۔ مذکورہ ایک قدیم قبیلہ کے نام پر ہیں جو نامعلوم زمانوں میں ان بستیوں کو بسا چکے تھے۔ قبیلہ کوشک کا نام ہمیں گوجروں پر لکھی گئی ایک کتاب "شاہان گوجر" میں نظر آئی۔ اس کتاب کے صفحہ 133 پر چند گوجر قبائل کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے جن میں "کوشک گوجر" قبیلہ کا نام بھی ہے۔ اس قبیلہ کے بارے میں اور کوئی

تفصیل مصنف کتاب نے نہیں دی ہے۔ اس طرح مذکورہ تصنیف کے ذریعہ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ گوجروں کے کوشک قبیلہ نے مذکورہ مواضع بسائی تھیں۔

"تواریخ کشمیر" میں اس کے مصنف محمد الدین فوق نے قدیم ترین ہندی قبائل میں سے ملماسی پنڈت ذات کا ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد شاخوں کے نام درج کئے ہیں۔ ان شاخوں میں "کوشک" ذات کو ملماسی پنڈت کہا گیا ہے۔

کول

بلوچستان میں "کول" نام کے چند مواضع مختلف علاقوں میں واقع ہیں۔ جن میں چیکول بلیدہ ضلع کیچ، مدی کول بلَیدہ ضلع کیچ، درمہ کول تربت ضلع کیچ، پیسکول خدا بادان ضلع پنجگور، کولپور ضلع بولان، کولان ایرانی بلوچستان معلوم مواضع ہیں۔ "کول" کے اور بھی مواضع ممکن ہے موجود ہوں جن کی شہرت نہیں ہو گی ہمیں ان کے بارے میں فی الحال کوئی معلومات نہیں ہے۔

مذکورہ بالا موضع کے ناموں میں اگرچہ "کول" لفظ ایک ہی صورت میں مشترک ہے لیکن در اصل یہ دو زبانوں کے جُدا جُدا معنوں کے ساتھ لفظ ہیں۔ چیکول، مدی کول، درمہ کول اور پیسکول میں موجود "کول" ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چھوٹا گاؤں یا بستی کے ہیں۔ اس طرح مذکورہ چاروں مواضع چار قبیلے یا ذاتوں کی نشاندہی کرتے ہیں یعنی چیوں کی بستی، مدیوں کی بستی، درئموں کی بستی اور پیس ذات کی بستی۔ اس لفظ "کول" نے واضح کر دیا ہے مذکورہ بستیوں کو ترک ذاتوں نے آباد کیا تھا۔ چیپ ذات کا ایک حاکم "ملک چیپ" خضدار میں برسر اقتدار رہا ہے۔ جس کی نسل آج بھی خضدار میں موجود ہے جو مَلِک کہلاتے ہیں۔

بغیر سابقہ کے لفظ "کول" کول دراوڑوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ جن کے دو مواضع کولاپ (کول آپ بمعنی کول چشمہ) اور کولان (صیغہ جمع) مغربی بلوچستان میں واقع ہیں۔ یہ دراوڑ قبیلہ انڈیا میں چھوٹا ناگپور، بنگال کے کوہستانوں میں اپنے چند ہمسر ذاتوں جیسے سنتال، اڑاؤں وغیروں کے ساتھ ہم نشین رہے ہیں اور یہ منڈا زبانوں کی فیملی کی ذاتیں سمجھی جاتی ہیں جن کی سماجی حیثیت دیگر دراوڑ ذاتوں جیسے بھیل، کولی، گونڈ وغیرہ سے بالاتر سمجھی جاتی ہیں۔

چھوٹا ناگپور کی سطح مرتفع پر کول ذات کی مخصوص قدیم ترین جنگلی تہذیب حاوی تھی۔ ہندوؤں نے اس پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس مخلوط دراوڑی کلچر کو خاص برہمن کلچر میں بدلنے کے حربے استعمال کیئے۔ لیکن کول ذات نے پوری قوت سے ہندوؤں کی مزاحمت کی۔ اسی مزاحمت کے نتیجے میں کئی کول خاندان کشمیر کی طرف نکل گئے اور چند ایک بلوچستان پہنچ گئے اور مختلف مواضع بسائے جن میں کولاپ، کولان (مغربی مکران) اور کولپور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ انفرادی صورت میں کئی کول گھرانے بلوچستان کے کئی شہروں میں بس گئے جن میں ہندو کول، سکھ کول اور مسلمان کول گھرانے شامل ہیں۔ محمد الدین فوق نے اپنی کتاب "تواریخ کشمیر" میں اس ذات کو ملماسی پنڈتوں میں شمار کیا ہے جب کہ جی-ایم-میر نے اسے برہمن ذات تحریر کیا ہے۔(۲۰)

کشمیر کے ضلع اننت ناگ میں اس ذات کی ایک بڑی آبادی والا گاؤں "کولگام" ہے جو متعلقہ تحصیل کا صدر مقام ہے۔ جی-ایم-میر لکھتے ہیں کہ سنسکرت کتب میں اس گوت کے متعلق تحریر ہے کہ کول اسے کہتے ہیں جو دنیاوی خواہشات کو نیست ونابود کرنے والا ہو۔ یہ گوت وتاتریہ منشیر کی نسل سے ہے۔ یہ زمانہ سلف میں ایک نہایت متبرک ہستی کی شہرت رکھتا تھا۔

مذکورہ مصنف اس گوت کی چھتیس ذیلی طوائف بتاتا ہے۔ جن میں کلم، درابی، حلالی، جوتہ، کاک اور کسو وغیرہ شامل ہیں۔ اس کول کا مرکزی مقام پنجاب کے ضلع جہلم میں "کولپور" رہا ہے۔ بلوچستان میں ضلع بولان میں بھی اس قبیلہ نے کولپور بستی بسائی جو آج بھی موجود ہے لیکن قبیلہ موجود نہیں ہے۔

"تمدن ہند" میں اس کے محقق سید علی بلگرامی لکھتے ہیں:

"وسط ہند کے پہاڑی حصوں میں ہمیں اس ملک کے قدیم ترین باشندوں کا پتہ چلتا ہے جو پروٹو دراوڑی یا خالص حبشی تھے۔ ان میں سے تعداد میں زیادہ کول ہیں۔ یہ چھوٹے ناگپور میں مہاندی کی اونچی گھاٹی میں بود و باش رکھتے ہیں اور ان کی کئی تقسیمیں ہیں جن میں کم و بیش میل ہو گیا ہے۔ لیکن اصلی کول جن کی تعداد تقریباً دس لاکھ ہے اس وقت تک خالص ہیں اور انہوں نے اقوام دراوڑی کی رسومات و عادات اور مذہب کو اخذ نہیں کیا ہے۔ کول اور کولی زبان کا اطلاق ان قدیم باشندوں اور ان کی زبان پر ہوتا ہے جو خلیج کھماج سے گنگا تک کے پہاڑی حصوں میں رہتے ہیں لیکن ان میں سے خالص اقوام جن میں میل نہیں ہوا ہے وہی ہیں جو اس خطے کے مشرق میں بود و باش رکھتی ہیں۔"(۲۱)

بلوچستان کے قبائل میں کول قبیلے کے خاندان یا گھر تو نظر نہیں آتے لیکن ایک کول شخصیت سورج مل کول نے انگریزی دور میں بلوچستان میں اہم عہدوں پر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس نے اپنے دور میں ایک میموریل سوسائٹی کو دو ہزار روپے کا چندہ دیا تھا وہ ایک اہم کاروباری شخص بھی تھا۔ ان کا تذکرہ "تاریخ کشمیر" میں اس کے مصنف محمد الدین فوق نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ راجہ پنڈت سورج کول نے پنجاب اور بلوچستان میں مختلف جلیل القدر عہدے حاصل کیے اور

1888ء سے 1896ء تک کشمیر کے مشیر مال رہے۔ 1901ء میں انتقال کر گئے۔ وہ پنڈت لال کول کے فرزند تھے جو اس فوج میں شامل تھے جسے رنجیت سنگھ نے کشمیر پر حملے کے لیے بھیجا تھا۔ کشمیر میں ان کی جاگیر تھی جسے مہاراجہ گلاب سنگھ نے پنڈت لال کول کی وفات پر ضبط کر لیا تھا۔

واضح ہو کہ بلوچستان میں ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انگریزی دور سے پہلے کے گنج سڑک کا نام ان کے نام پر "سورج مل گنج" روڈ رکھا گیا۔ بعد میں یہ نام آہستہ آہستہ صرف سورج گنج رہ گیا۔ (۲۲) یاد رہے کہ پرانا نام "گنج سڑک" ایک بلوچ قبیلہ "گنج" کے نام پر تھا جن کی قریب ہی بستی ہوتی تھی۔

کولواہ

کولواہ، بلوچستان کا ایک قدیم اور پھیلا ہوا علاقہ ہے۔ جو گندم اور جو کی پیداوار کے لیے مشہور رہا ہے۔ اس میں وہ سارا علاقہ یا موضع شامل ہیں جنہیں اب آواران کے ضلعی نام کے نیچے دبا دیا گیا ہے۔ یہ کولواہ کسی وقت سر مکران کہلاتا تھا اور یہیں سے ملکِ مکران کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ اسی کولواہ کی سرزمین پر عظیم رند قبائل کی مرکزیت "آشال" واقع تھا جہاں پر میر شیہک رند کی بالادستی تھی۔ یہیں پر عظیم رند سردار میر چاکر خان رند پیدا ہوئے تھے۔ ان دنوں یہ علاقہ مکران میں واقع ہوتا تھا۔ رند قبائل کی شاعری دیگر روایتوں اور عسکری کہانیوں میں جہاں جہاں کیچ و مکران کا نام آتا ہے اس سے مراد یہی کولواہ رہا ہے وگرنہ میر شیہک رند اور میر چاکر خان رند کا خاص کیچ سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ انگریزی دور کے منتظم اور "تاریخ بلوچستان" نامی تصنیف کے مصنف رائے ہیتو رام نے اپنے زمانے میں کولواہ کے حدود اس طرح بیان کئے ہیں:

"شمالاً علاقہ مشکئے، غرباً علاقہ پنجگور جنوباً علاقہ کیچ، شرقاً مُلک جاؤ۔"(۲۳)

کولواہ، کے نام سے اور بھی تین مواضع موجود ہیں۔ جن میں ایک موضع مری علاقہ میوند میں ہے۔ ایک موضع ضلع حضدار کے تحصیل باغبانہ میں ہے جس کا نام اب معدوم ہوتا جارہا ہے جب کہ تیسرا موضع ضلع خاران میں ہوتا تھا جو اب وہاں کی ایک ندی کا نام پڑ گیا ہے۔

"کولواہ" نام بنیادی طور پر کورواہ ہے۔ بلوچی لہجہ نے اسے کولواہ بنا دیا ہے۔ یہ ایک قدیم ہندوستانی قبیلہ ہے جو ہندوستان میں اور دراوڑوں میں صدیوں سے موجود رہا ہے۔ سندھ اور بلوچستان کے ایک دو جگہوں پر اس خاندان کے لوگ آج بھی موجود ہیں۔ ہندوستان اور نیپال وغیرہ میں کورواہ زرعی مزدور کے طور پر کرتے ہیں۔ انگریزی دور حکومت میں اس کے کئی گھرانے گوادر میں بود و باش رکھتے تھے۔ جن کی باقیات نے اپنی ذات کو چھپا دیا ہے اور ذات کے لیے مکرانی کا نام استعمال کر چکے ہیں۔ اس قبیلہ کے افراد زمینداروں، سرداروں، حاکموں کے گھریلو خادموں کے طور پر کام کرتے رہے ہیں اور وفاداری کے لیے مشہور رہے ہیں۔ خاص خاندانوں میں خدمات سرانجام دینے کی وجہ سے انہیں خاص خیلی کہا جاتا تھا۔ سندھ کا ٹالپُر بلوچ اور لس بیلہ کے سردار گھرانے لسبیلہ اور کولواہ سے خصوصی طور پر اپنے لیے کورواہوں خدمات کے لیے لے جاتے تھے جو پشت در پشت انہی خاندانوں میں خدمات سرانجام دیتے تھے۔

مذکورہ ہندی دراوڑ ذات نے بلوچستان میں کب اپنی بستیاں بسائیں یا کولواہ کی بستی آباد کی، کوئی نہیں جانتا۔ یہ ذات موجودہ وقت میں مکران کے کئی جگہوں، ضلع آواران اور لس بیلہ میں کم ترین تعداد میں موجود ہے۔ جو اکثر دیگر قبیلوں کے ناموں میں پناہ لیے ہوئے ہیں اور اپنی ذات کو ظاہر نہیں کرتے۔

کوہ سُلیمان

بلوچستان میں مشہور پہاڑی سلسلہ "کوہ سلیمان" ایک تاریخی بلند و بالا اور طویل پہاڑ ہے جس کا دامن بیسیوں بلوچ اور پشتون قبائل کے مساکن سے مالا مال ہے۔ یہ سلسلہ کوہ کشمیر تک پہنچتا ہے۔ اس کے ایک طرف پشتون قبائل رہتے ہیں اور ایک طرف بلوچ قبائل جنہیں سلیمانی بلوچ کہا جاتا ہے۔

طبقات الارض کے ماہرین کے مطابق جب کشمیر میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا تو خشکی کا پہلا سرا جو آتش فشاں جزیرے کی صورت میں نمودار ہوا، کوہ سلیمان تھا اور اس کا پہلا "کوہ ستی سر" تھا، یہ واحد طویل سلسلۂ کوہ ہے جس کا نام بلوچستان سے لے کر کشمیر تک کوہ سلیمان ہے۔ اس پہاڑی کی چوٹیوں پر دور دور فاصلوں سے تقریباً پانچ ہموار میدان یا سطح مرتفع ہیں جو بلوچستان اور کشمیر کے درمیانی خطوں میں "تخت سلیمان" کہلاتے ہیں۔ قدیم پہلوی زبان میں "تھت" پہاڑی چوٹیوں پر واقع ہموار قطعوں کو کہتے تھے۔ تخت اس کی فارسی صورت ہے۔ ان تختوں سے متعلق جو دیومالائی قصے مشہور ہیں اور کتابوں میں بھی درج ہیں وہ خود ساختہ ہیں۔

محققین نے کوہ سلیمان کے نام کو حضرت سلیمانؑ سے منسوب کر کے فرضی قصے گڑھے ہیں۔ اس سلسلہ کوہ کا نام تاریخی قدیم کرد قبیلہ "سلیمان" کے نام پر ہے جو سینکڑوں سال قبل اسی پہاڑ کے دامان میں اپنے بے شمار طائفوں کے ساتھ آباد تھا۔ سلیمان کردوں کے کئی طوائف صدیوں قبل مغرب کی طرف مہاجرت کر چکے تھے۔ جنھوں نے ترکی اور عراق کے خطوں میں "سلیمانیہ" کے ناموں سے اپنے مساکن بسائے جو ابھی تک موجود ہیں۔ کوہ سلیمان سے ہجرت کر جانے والے نئے مساکن میں "سلیمان" پہاڑ کی نسبت سے سلیمانی کہلاتے تھے۔

"سلیمانیہ" اس کی عربی صورت ہے۔ مشرقی خطوں میں اس قبیلے کی آبادکاری کے آثار نظر نہیں آتے جب کہ "سلیمانی" کے نام سے قبیلہ ایران، ترکی اور کردستان میں موجود ہیں۔ ایران کے سلیمانیوں میں کرد اور غیر کرد دونوں شامل ہیں۔ لیکن ترکی اور کرد خطے میں اکثر کرد قبیلہ سے ہیں۔

کوہ کلات

کوہ کلات (ڈیرہ بگٹی ایریا) کے لیے دیکھیے "مول کوہ"۔

کوہلو

"کوہلو" مشرقی بلوچستان میں کوہستان مری میں مری قبیلہ کا ایک قدیم گاؤں ہے جو ایک بڑا موضع ہے۔ بلوچستان میں اس نام کا اور کوئی گاؤں یا موضع موجود نہیں۔ کشمیری اور ہندی قبیلوں کے سینکڑوں ناموں کے بیچ میں بھی یہ نام ناپید ہے۔ سندھ، پنجاب و بلوچستان کے مختلف علاقوں میں قبیلوں کی جستجو کے دوران کراچی میں اس قبیلہ کے چند افراد کا پتہ چلا۔ جن میں ایک ڈاکٹر احمد کوئیلہُو سے رابطہ ہوا جو چند سال قبل مشہور ہسپتال "انکل سریا" میں بطور فزیشن کام کرتا تھا۔ محمد احمد صاحب نے اس نام کی تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ یہ قبیلہ سینکڑوں سال پرانا ہے اور اس کا اصل اور صحیح نام "کوئیلہُو" ہے۔ چوں کہ اس نام کا موضع بلوچستان میں واقع ہے اس لیے سو فیصد یقینی بات ہے کہ بلوچ عوام اس کی صحیح ادائیگی نہ کر سکے ہوں گے اس لیے ان کی زبان میں یہ "کوہلو" بن گیا۔ انہوں نے کہا کہ "کوئیلہو" سے ملتا جلتا اور کوئی نام انہوں نے ہندوپاکستان میں نہیں سنا۔ اس لیے یہ نام سو فیصد کوئیلہو ہے۔ ڈاکٹر محمد احمد کے مطابق ان کا مختصر سا طائفہ اب روئے زمین سے غائب ہونے کے

قریب ہے اور کراچی میں ان کا طائفہ "کاٹھیاواڑ" فیملی کی ذیل میں گنا جاتا ہے لیکن وہ اِس نسل سے نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنے اس قبیلہ کے اصل مرزبوم کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ البتہ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ یہ قبیلہ کم از کم چار ہزار سال قدیم ہے۔ قبیلہ کے نام کے معنی پوچھنے پر ڈاکٹر صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ کوئیلھو قبیلہ کا جد امجد ہو گا لیکن وہ اس کے معنی نہیں جانتا۔

یہ قبیلہ یا اس کا طائفہ کس زمانے میں مری کوہستان میں اپنی بستی بسا چکا تھا یہ کوئی نہیں جانتا، لیکن مریوں، بلیدیوں اور حسنیوں کی اس علاقے میں ورود سے قبل مذکورہ نام کا موضع موجود رہا ہے۔

کھاری

کھاری، بلوچستان کے ضلع کچھی کا پرانا گاؤں ہے جو ایک پنجابی بونے والے قبیلہ کے نام کی یادگار ہے۔ پنجاب میں اس قبیلے کا مرکزی گاؤں ان کے نام پر "کھاریاں" کہلاتا ہے۔ گوجر مصنفین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کے اصل و نسل کے بارے میں کوئی مصدقہ اور متفقہ موقف نہیں ملتا۔ اس قوم کے لوگ مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم گھکڑ ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم گوجر پنوار راجپوت ہیں۔ ان کا مورث کوئی خیر محمد نامی گزرا ہے۔

ان کی قبیلائی اور نجی ملکیتیں جو باسریان، چیچیان دھر، نونانوالی، دِتّے وال، جمّن، کسانہ، چک لشکری اور لادیان وغیرہ میں ہیں۔ یہ ایک قدیم قوم ہے جو اسلام سے پہلے کی ہے۔ تاریخ میں کھاری قوم کا ذکر ہے۔ ممالک متحدہ میں کھاری گوجر کثرت سے آباد ہیں۔(۲۴)

کَٹھان

موضع کَٹھان، خضدار میں ایک بڑا گاؤں ہے جو خضدار شہر کے بالمقابل حلوائی نامی پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ بلوچستان میں اس نام کا کوئی دوسرا موضع وجود نہیں رکھتا۔ یہ ایک قدیم کشمیری قبیلہ ہے جسے بعض مصنفین نے گوجر کا گوت (۲۵) لکھا ہے اور بعض نے اسے راجپوت قبیلہ کہا ہے۔(۲۶)

محمد دین فوق اپنی تصنیف "تواریخ کشمیر" کے صفحہ نمبر 222 پر لکھتے ہیں کہ یہ ایک راجپوت فوجی گروہ ہے جو کشمیر کے کشامرہ اور ریّکہ بوگ میں بود و باش رکھتے ہیں۔

دوسری کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" میں ہے کہ کٹھان قوم کے بارے میں زیادہ تر رائے یہی ہے کہ یہ گجر قبیلے کی ایک شاخ یا گوت ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ گجر قبیلہ میں جتنی ذاتیں یا شاخیں ہیں ان کی اصل یا بنیاد راجپوت ذاتیں ہیں۔ یہی موقف تاریخ اقوام پونچھ اور قدیم تاریخ ہند (وی اے سمتھ) کی بھی ہے۔ دو گوجر تواریخ "شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبد المالک خانصاب" اور "تاریخ گوجراں" از حافظ عبد المالک سیالکوٹی اس قبیلہ کے بارے میں خاموش ہیں۔ دونوں تواریخ میں "کٹھان" کا نام تک نہیں ہے۔ اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ کٹھان، راجپوت ذاتوں سے ہے۔

دیگر چند ایک کتابوں میں اس قبیلے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بہت جھگڑالو قبیلہ رہا ہے اور ہمیشہ سے اپنے ہمسایوں سے لڑتا رہا ہے۔ لڑتے لڑتے اس کی مرکزیت ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہوگئی ہے اور یہ انتشار کا شکار ہوا۔ اس قبیلے نے اپنی

آخری بڑی لڑائی لداخ میں لڑی جو اس قبیلے اور لداخیوں کے مابین "ڈوگرہ" کے مقام پر لڑی گئی۔ اس لڑائی نے انہیں منتشر اور تتر بتر کر دیا ان کے اکثریتی مواضع ان سے چھن گئے۔ مذکورہ لڑائی کا سال معلوم نہیں ہو سکا۔ خیال یہی ہے کہ اسی لڑائی کے نتیجے میں ان کا ایک گروہ خضدار وادی تک پہنچ کر یہیں بس گیا یہ قبیلہ موجودہ وقت میں بلوچستان میں دکھائی نہیں دیتا۔

کُٹھانو

کھٹانو نامی گاؤں ضلع خضدار میں ایک کوہستانی مقام کا نام ہے۔ یہ نام در اصل "کھٹانہ" ہے جسے جتکی یا جدگالی لہجہ نے "کھٹانو" کی صورت دے دی ہے۔ وہ ہر نام کے آخر میں "و" سے ادائیگی کرتے ہیں جیسے گُنگہ سے گنگوُ، رونجہ سے رونجو، لانگہ سے لانگئو، بیزنجہ سے بیزنجو وغیرہ وغیرہ۔

کھٹانہ، ایک گجر یا گوجر طائفہ ہے جو موجود وقت میں انڈیا، کشمیر و پنجاب میں جگہ جگہ موجود ہے۔ گجرات میں ان کے کئی گاؤں میں جو ان کی ملکیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں بھی کٹھانوں کی کثیر آبادی ہے۔ اس طائفے کی کئی اور بڑی بڑی شاخیں بھی ہیں۔ بعض شاخوں نے تو اپنی اکثرت کی بنا پر الگ قبیلہ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ایسی شاخوں میں بانٹھ، ببانیاں، بھنڈ(۲۷)، بھر گڑ، پوڑ، ٹھلہ، جنگل، دہڑ، دھونچک، ڈوییئے، رُلائیٹے، کاہدری، گیگی، لمبُور، مراڑی اور سکر (۲۸)، وغیرہ شامل ہیں۔(۲۹)

کھٹانہ نسلی لحاظ سے اپنے کو تنّور گوجر کہتے ہیں۔ جب کہ ضلع فیروز پور انڈیا کے کھٹانوں کا کہنا ہے کہ وہ پنوار راجپوت ہیں (۳۰) اور بیان کرتے ہیں کہ وہ

ہندوستان کے جنوبی حصّہ دھارانگری کی طرف سے آئے اور پہلے رانیہ واقع سرسہ کے قرب وجوار میں آباد ہوگئے اور پھر وہاں سے قصور کی طرف چلے آئے۔ یہاں سے کوچ کر کے ماکھو کے قرب وجوار میں بس گئے۔ مگر وہاں کے باشندوں سے لڑتے بھڑتے دھرم کوٹ کے نواح میں مستقل سکونت اختیار کر لی جہاں اب وہ صاحب اقتدار زمیندار کی حیثیت سے رہتے ہیں۔(۳۱)

"شاہان گوجر" میں اس گوجر ذات کو سورج بنسی لکھا گیا ہے۔ اس کے مطابق یہ تنور گوجروں سے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب پانڈو تک پہنچاتے ہیں۔

مذکورہ کتاب کے مصنف لکھتے ہیں کہ راجہ کھٹانہ راجہ جے پال کی حکومت کا صاحب سیف تھا۔ جب محمود غزنوی نے راجہ کی حکومت کو تباہ کیا تو راجہ کھٹانہ پنجاب چھوڑ کر چلا گیا اور چھپتے چھپاتے حضرت علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اور حلقہ مریدان خاص میں ان کا شمار ہوا۔(۳۲)

مذکورہ راجہ کھٹانہ گوجر مصنفین کے لکھنے کے متعلق قبیلہ کھٹانہ کا جد امجد ہے۔ جو حضرت ہجویریؒ کی خاص توجہ سے بادشاہ (محمود غزنوی) کا منظور نظر ہو گیا اور جسے بادشاہ نے ایک وسیع عریض جاگیر عنایت کی۔ جس میں انہوں نے موضع شاہ پور واقعہ ضلع گجرات آباد کیا اور راجہ کی اولاد کئی نسلوں تک وہیں آباد رہی۔

یہ قبیلہ اپنی تاریخ میں کئی چھوٹی موٹی ریاستوں میں بر سر اقتدار رہا ہے اور اچھی شہرت کا مالک بھی۔ اس میں کئی مشہور تاریخی شخصیتیں، بزرگ اور عالم دین پیدا ہوئے۔ ڈیرہ غازی خان میں بلوچ حکمرانوں سے پہلے اسی قبیلہ کا حکمران نواب محمود خان کھٹانہ تھا۔ دیگر شخصیتوں میں راجہ جگدیو کھٹانہ، راجہ کھٹانہ، محمد یوسف کھٹانہ، حضرت مولانا نجم الدین المعروف، بہ ملا ہڈا، حضرت قاضی سلطان محمود، حضرت میاں فضل الٰہی و بزرگانِ سیدو شریف سوات شامل ہیں۔

بلوچستان میں اس قبیلہ کی آباد کاری کا زمانہ نامعلوم ہے لیکن گجر قوم کا بلوچ سرزمین سے تعلق بہت قدیم اور گہرا ہے اس کے کئی گھرانے اور طائفے صدیوں سے بلوچ قوم کے اٹوٹ حصے بن چکے ہیں۔ کتاب شاہانِ گوجر اور تاریخ اقوام پنجاب کے مطابق کئی گوجر قبیلے تیسری صدی عیسوی کے دوران سندھ کی طرف اور اس سے نیچے جنوب مغرب کی سمت بڑھنے لگے تھے۔ ممکن ہے انہیں سالوں میں بلوچستان میں انہوں نے اپنی بستیاں بسائی ہوں۔

بلوچستان میں اس قبیلے کے گھرانے کافی تعداد میں ہیں لیکن اپنی شناخت صرف لفظ "گوجر یا گجر" سے کراتے ہیں۔ جہاں ان کے نام کے قدیم مواضع ہیں وہاں اب کوئی گجر نہیں ہے۔

کُھڈان

بلوچستان میں دو مقامات میں کھڈان نام کے مواضع واقع ہیں۔ ایک کیچ کے دشت علاقے میں ہے۔ یہ کافی قدیم اور ہمیشہ آباد گاؤں چلا آرہا ہے۔ اسی نام کا دوسرا گاؤں مغربی بلوچستان میں سرباز ندی کنارے پر واقع ہے۔ "کھڈان" نام در اصل "کُھڈ" کی جمع صورت ہے۔ اور "کھڈ" نام واحد صورت میں کوہستان اور ناچ ضلع خضدار میں ایک قدیم خرابہ کا نام ہے۔ یہ خرابہ ایک قدیم موضع کا پتہ دیتا ہے جو محض ایک چھوٹی سی ڈھیری رہ گئی ہے اور غیر آباد اور برباد ہونے کی وجہ سے بہت کم لوگ ڈھیری کے اس نام سے واقف ہیں وگرنہ اکثر قریبی خانہ بدوش اسے محض "بھُٹی" کہتے ہیں۔ دوسرا ایک "کُھڈ" ضلع لس بیلہ میں واقع ہے جو کہ اب صرف ندی کا نام رہ گیا ہے۔ جو یقیناً اپنے وقت میں ایک موضع ہو گا لیکن یہ موضع

لمبی ندی کے کس مقام پر واقع رہا ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن عام اصول یہی رہا ہے کہ جہاں سے ندی اپنی روانی کی ابتدا کرتا ہے وہی مقام متعلقہ نام کا موضع ہوتا ہے۔

"کھڈ" لوگ کون تھے کہاں سے ہجرت کر کے بلوچستان کے درج بالا مقامات پر بس گئے اور ان ٹکڑوں کو اپنے قبیلہ کا نام دیا ہے کسی تاریخی کتاب میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ گوجر اسے گوجر طائفہ بتاتے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق پنجاب کے کشمیر سائیڈ پر اس کے چند گھرانے ملتے ہیں جن کی کوئی مجتمع آبادی نہیں ہے وہ انہیں قدیم ترین گجروں سے بتاتے ہیں۔

کیچ

مکران کا قدیم تاریخی شہر ہے اور موجودہ مکران ڈویژن کا صدر مقام ہے جو صدیوں تک مشرقی مکران کا مرکزی مقام اور چار سو سالوں تک ملک مکران کا دارالحکومت رہا ہے۔ اسے اکثر کیچ مکران بولتے رہے ہیں۔ متحدہ مکران کا ایک اور ابتدائی دارالحکومت "تیس" رہا ہے جسے عرب مصنفین "تیز" لکھتے رہے ہیں۔ روایت کیا جاتا ہے کہ "مکران" کی قدیم ترین موضع یہی تیس رہا ہے جس کے تباہ شدہ ملبے پر تیس کا موضع بسایا گیا ہے۔ "تیز" یا تیس کو ایک قدیم ترین بلوچ طائفہ بیان کیا جاتا ہے جو سیاہ بلوچ قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔

"کیچ" کا لفظ دراصل کوچ کی مغربی بلوچی ادائیگی میں رہی ہے۔ یہ ادائیگی اب مشرقی بلوچی کو منتقل ہوئی ہے لیکن ساحلی علاقے میں اب بھی وہی لہجہ مستعمل ہے۔ کوچ ایک قدیم ترین نسلی بلوچ قبیلہ ہے جس کا ذکر کرمان و بلوچستان سے متعلق عربی و فارسی تصنیفات میں کثرت سے آیا ہے۔ ان تصانیف میں اسے "کوچ و بلوچ" لکھا گیا ہے۔ اس کا معرب "کوج و بلوص" تحریر میں ملتا ہے۔ مذکورہ تصنیفات میں اس نام کو دو قبیلے مراد لے کر پیش کیا گیا ہے۔ یعنی کوچ اور بلوچ۔

مذکورہ تصنیفات کے مصنفین نے اپنے طور پر اس لفظ یا نام کو فارسی ترکیب کا قیاس کر کے اسے کوچ اور بلوچ کے معنی پہنائے جو کہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اسی غلط فہمی کے زیر اثر انہوں نے کوچ و بلوچ سے متعلق سنی سنائی معلومات کو دو قبیلوں میں تقسیم کر کے بیان کیا۔ کچھ واقعات کوچ سے منسوب کئے اور کچھ بلوچ سے۔ جو حقائق سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔

در حقیقت "کوچ و بلوچ" کا استعمال فارسی میں نہیں بلکہ بلوچی میں ہوا ہے۔ بلوچی میں "و" فارسی کے زیر کا بدل ہے جو "اور" کے نہیں کا، کے، کی، کے معنی دیتا ہے۔ اس طرح "کوچ و بلوچ" کا مطلب "کوچ بلوچ" ہے یعنی بلوچ قوم کا کوچ قبیلہ۔ بلوچی میں سینکڑوں الفاظ اسی ترکیب سے استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر فارسی کے الفاظ، آبِ زمزم، چشمِ ظاہر، خواب خرگوش، دعائے بد، ماہِ نو، خِر نر، شاہِ قلندر، شاہِ جہان، صدقِ دل وغیرہ کے الفاظ بلوچی میں آپ و زمزم، چم و ظاہر، واب و کرگوشک، دعا و بد، کیچ و مکران، ماہ و نوک، حرونر، شاہ و قلندر، شاہ و جہاں، دل و ستک بولے جاتے ہیں۔ بلوچی شاعری ایسی سینکڑوں مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اسی طرح کوچ و بلوچ کی ترکیب بلوچی میں ہوئی ہے نہ کہ فارسی میں۔ اور اس سے مراد صرف "کوچ بلوچ" ہے نہ کہ کوچ اور بلوچ۔ اس کی تصدیق تاریخ سیستان (بہ تصحیح ملک الشعراء بہار) سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ "کوچ ایک گروہ تھا جو کرمان و مکران و بلوچستان کے حدود میں سکونت رکھتا تھا اور غالباً یہ بلوچ کے مترادف تھا۔ یہ طائفہ قدیم ایام سے راہزنی اور سرکشی میں شہرت رکھتا تھا اور بڑے بڑے بادشاہانِ وقت ان سے نبرد آزما رہے ہیں۔ یہ طائفہ محمود غزنوی کی حکومت کے بعد رو بہ زوال ہوا اور بتدریج کوچ کا نام درمیان سے گم ہوا اور فقط بلوچ کا نام باقی رہ گیا"۔

مکران کا مندرجہ بالا تاریخی شہر اسی کوچ قبیلہ کا مرکزی شہر تھا اور آس پاس کے سارے کوہستان اسی کوچ قبیلہ کے زیر اثر تھے ان میں اکثریتی قبیلہ یہی جنگجو قبیلہ رہا ہے۔ جس پر ایرانی بادشاہوں اور عرب افواج کا بار بار یلغار رہا ہے اور کوچ بلوچ بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ کیچ ندی کے کنارے کی قدیم شاہی میری اسی قبیلہ کا تاریخی قلعہ ہے جو ساڑھے سات ہزار سال سے زیادہ قدیم ہے جس پر کئی مرتبہ ایرانی شاہوں اور عرب حکمرانوں کا قبضہ بھی رہا ہے۔

کوچ قبیلہ کا جد امجد کوچ دوئم بن شہنشاہ بیلوص (بلوچ) ہو گزرے ہیں۔ اس کوچ کی نسل سے بیسیوں قبیلے روایت کیے جاتے ہیں۔ کوچ اول کو نوحؑ کا پوتا بتایا جاتا ہے۔ پانچویں صدی عیسوی قبل مسیح میں کوچ بلوچ شہنشاہ ایران کیخسرو کی فوج میں کثیر تعداد میں اہم حیثیت میں تھے۔ ان کے مقابلے میں جنگجو کوئی نہیں تھا اور یہ سر تا پا مسلح ہوتے تھے۔ ابوالقاسم فردوسی اپنے شاہنامے میں کوچ بلوچوں کا تذکرہ بڑے باوقار انداز میں کرتا ہے:

"سپاہِ ز گُردانِ کوچ و بلوچ
سگالیدہ جنگند مانند غوچ
کسے در جہاں پُشتِ ایشاں ندید
ز آہن یک انگشت نامد پدید
سِپہ دارِ شانِ اشکش تیز ہُش
کہ بارائے دل بود بامغز و ہوش
در فشش بیاوردہ پیکر پلنگ
ہمے از در فشش بیارند جنگ
وغیرہ وغیرہ"

ترجمہ: اُن (کیخسرو) کی ایک سپاہ کوچ بلوچ بہادروں پر مشتمل تھی جو بپھرے مینڈھے کی طرح لڑتے تھے۔ دنیا میں انہیں پیٹھ دکھاتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس حد تک آہن پوش مسلح تھے کہ ان کی ایک انگلی بھی زرہ بکتر سے خالی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ ایک پرچم اٹھاتے تھے جس پر چیتے کی تصویر بنی ہوتی تھی جو جنگ و پیکار کی علامت تھی۔

یہ جنگجو قبیلہ صدیوں تک بادشاہوں کے لیے لڑتا بھی تھا اور ان کی ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف بھی لڑتا تھا۔ جتنی ناموری تاریخ میں اس بلوچ قبیلے نے دکھائی ہے کوئی دوسرا قبیلہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اس قبیلے کی باقیات آج بھی کئی عرب ممالک میں کوش کے نام سے سندھ و بلوچستان اور پنجاب میں کوچ اور کوش دونوں نام سے منتشر حالت میں اور اکثر دیگر بڑے قبیلوں کی ذیلی شاخوں کی صورت میں موجود ہیں۔

حواشی

ا۔ تاریخ ادبیات مسلمانان ہندو پاک۔

۲۔ "تاریخ عالم پر ایک نظر" جلد اول، ص 7۔

۳۔ وی۔اے۔سمتھ، اردو ترجمہ از پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن، ص 142۔

۴۔ "ہندو کش کے قبائل" از جون بدلف، اردو ترجمہ جاوید شاہین، مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔

۵۔ "سیستان" از جی-پی-ٹیٹ، اردو ترجمہ از پروفیسر انور رومان، ص 107-109

۶۔ ایضاً

۷۔ واضح ہو کہ "کہہ" کا لفظ بلوچی میں بھی مستعمل رہا ہے جو کہ جگہ کے معنوں میں ہے۔ جھلوان میں سوراب کے نزدیک "حاجی کہہ" اور سندھ میں بلوچ قبیلہ چانڈیو کا علاقہ "چانڈو کہہ" کہلاتا ہے۔

۸۔ "بیٹ" کا لفظ بلوچی "بینٹ" ہے جو اونچی جگہ کے لیے مستعمل ہے۔

۹۔ بلوچستان گزیٹیرز، ضلع کچھی۔

۱۰۔ "سرزمین جھنگ، آثار و ثقافت" صفحات 81-82۔

۱۱۔ واضح ہو کہ بلوچستان میں قدیم اسماء کی ادائیگی میں زبر، زیر اور پیش کی تحریف عام ہے۔ اس لیے بلوچ تلفظ میں کُشان کا کِشان بن جانا عام سی بات ہے۔

۱۲۔ کتاب "شاہانِ گوجر" از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب، ص 219۔

۱۳۔ "تاریخ اقوام کشمیر"، ص 325۔

۱۴۔ ایک پُرتگیزی بحری کمانڈر لوئیس ڈی المیڈا نے 1581ء میں پسنی اور گردونواح پر حملہ کر کے پسنی شہر کو لوٹا اور اسے نذرِ آتش کر دیا۔ دیکھئے "پرتگیز ایشیا" حصہ دویم، ص 373۔

۱۵۔ ملاحظہ کیجیے، فتوح البلدان، ص 435۔

۱۶۔ صفحات 645-644۔

۱۷۔ کتاب ایضاً 615-616۔

۱۸۔ عیسئ، کا اصل نام "عیسائی کلات "یعنی عیسائی قلعہ ہے۔ یہ قلعہ پنجگور کے گچکی سردار میر عیسی گچکی نے تعمیر کرائی تھی۔ جسے انگریزی حکومت نے اپنا سرکاری دارالخلافہ بنایا تھا۔

۱۹۔ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیرز ، مکران ڈسٹرکٹ، مطبوعہ گوشۂ ادب کوئٹہ، 1997ء، ص 681۔

۲۰۔ جموں وکشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، ص 49۔

۲۱۔ صفحہ نمبر 131۔

۲۲۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ پہلے "گنج" کہلاتا تھا۔ جو ایک چھوٹا سا موضع ہوتا تھا۔ یہ موضع کسی نادر شاہی لشکر کے حملے میں کھنڈر بن گیا۔ جسے کئی عرصے بعد اناجوں کا جوہان بنایا گیا جہاں پر زمیندار اپنی فصلیں کاٹ کر لا کر صاف کرنے کے واسطے رکھتے تھے۔ اس جوہان ڈن کے بیچوں بیچ گھوڑے اور گدھے گاڑیوں کا راستہ ہوتا تھا جو سیدھا شال قلعہ کو جاتا تھا۔ یہ گنج سڑک کہلاتا تھا۔ واضح ہو کہ "گنج" ایک بلوچ قبیلہ ہوتا تھا۔ جس کے نام پر آج بھی کئی موضعات موجود ہیں۔ اس قدیم قبیلہ کے چند گھرانے آج بھی کہیں کہیں موجود سننے میں آتے ہیں۔ تاریخ بلوچستان میں

ہیتورام نے کیچ کے قدیم نام کے بارے میں روایت لکھا ہے کہ پہلے اس کا نام "گنج آباد" ہوتا ہے۔

۲۳۔ تاریخ بلوچستان از رائے بہادر ہیتورام، مطبوعہ گوشۂ ادب کوئٹہ 2009ء، ص 320، ہیتورام کے زمانے سے پہلے "جاؤ" بھی کولواہی کا حصہ رہا ہے۔

۲۴۔ کتاب "شاہانِ گوجر" از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب، ص 168-169۔

۲۵۔ دیکھیے موضوع "گُجّر" اور "کھٹانو"۔

۲۶۔ تقریباً ہندی و کشمیری بیشتر مصنفین اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں کہ بذاتہہ راجپوت کوئی نسل یا نسلی قوم نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں جتنے راجے اور مہاراجے گزرے ہیں چاہے ان کا تعلق کسی بھی قبیلہ یا ذات سے رہا ہو، ان کی اولاد راجپوت کہلاتی رہی ہیں یعنی راجا یا بادشاہ یا حاکم کی اولاد۔ اکثر راجپوت طائفے یا گھرانے اپنے راجا جد امجد کا نام نہیں جانتے، بس وہ راجپوت ہیں۔

۲۷۔ "بھنڈ" قبیلہ موجودہ وقت میں اور صدیوں سے بلوچ قوم میں ایک بلوچ قبیلے کی حیثیت سے موجود ہے۔ جو بلوچستان میں ضلع کیچ، کچھی و نصیر آباد میں کثیر تعداد سے آباد ہے۔ مکران کے بھنڈ اپنے آپ کو مشہور بلوچ قبیلہ "جمالی" سے منسلک اور اس کی ایک شاخ بتاتے ہیں۔ نصیر آباد وغیرہ میں یہ صورت حال نہیں ہے ماسوائے چند ایک گھرانوں کے جو اپنے کو جمالی کہتے ہیں۔ زیادہ تر ایک الگ قبیلہ کی حیثیت سے رہتے آرہے ہیں۔ گوجر مورّخ اس قبیلہ کو گوجر کا قبیلہ لکھتے ہیں۔

> "یہ کھٹانوں کی شاخ اور کامل معروف کی اولاد سے ہیں۔ بھنڈ، پنجابی میں شور و شر اور جھگڑے کو کہتے ہیں، چوں کہ ان کا مورث اکثر لوگوں سے لڑتا رہتا تھا اور چھوٹی چھوٹی بات پر جھگڑے اٹھاتا تھا، اس لیے اس کا نام

"بھنڈ" مشہور ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بھنڈ، نقال کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگوں کی نقل کرتا تھا، اس لیے اس کو بھنڈ کہنے لگے۔ اس قوم کے نام پر فتا بھنڈ، کملا بھنڈ راجو بھنڈ وغیرہ مواضع ہیں۔ یہ لوگ جنگجو، ناعاقبت اندیش ہیں، مگر محنت اور جرأت و تہور کی وجہ سے اچھے سپاہی ہیں۔"°

۲۸۔ مُکر، ایک نہایت قدیم قبیلہ ہے جو قدیم زمانے سے پنجاب، افغانستان اور بلوچستان میں آباد رہا ہے۔ مکران کا نام اسی "مُکر" قبیلہ کا صیغہ جمع میں مروج ہوا ہے۔ مورخین نے اسے قدیم ترین تُرک قبائل سے بتایا ہے۔ شاہان گوجر کے مصنف کا اسے کھٹانہ گوجر کی شاخ بتانا یقیناً نسلی معنوں میں نہیں ہے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں اس کا کوئی طائفہ، کھٹانہ گوجروں میں شامل ہوا اور غمی خوشی میں کھٹانہ کے ساتھ بندھ گیا ہو۔ ویسے بعض گوجر مصنفین، گوجر قوم کو بھی نسلاً ترک لکھتے ہیں اور بعض اسے سکندر اعظم کے بیٹے سکندروس کی نسل سے بتاتے ہیں۔

مولوی عبدالمالک خانصاحب لکھتے ہیں کہ مُکر اپنے کو کٹھانہ خاندان سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کا مورث مکر تھا، جس کی اولاد ملک دکن سے پنجاب آئی۔ اس خاندان کے کچھ لوگ قصبہ ڈنگہ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔♦ مذکورہ موضع پر مزید "مُکران" کی ذیل میں دیکھیں۔

۲۹۔ "شاہان گوجر" از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب، مطبوعہ انجمن مرکزیہ گوجران پاکستان (رجسٹرڈ) لاہور۔

°"شاہانِ گوجر" از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب، ص144۔

♦"شاہانِ گوجر" ص177۔

۳۰۔ راجپوت کون تھے؟ اس بارے میں تاریخ گوجران میں لکھا ہے کہ ان کا اپنا دعوی یہ ہے کہ ہم کشتری ہیں۔ رامچندر جی اور سری کرشن جی سے اور قدیم زمانے کے کشتری خاندان سے ہمارے نسب نامے ملتے ہیں اور بعض عالموں کا خیال ہے کہ ان کا یہ دعوی صحیح ہے۔ لفظ راجپوت کے معنی ہیں راجاؤں کے بیٹے یا راجاؤں کی اولاد۔ زمانہ سلف کے کشتری واقعی راجاؤں کے بیٹے پوتے ہوتے تھے۔ لیکن ایسا بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ دفعتاً کشتریوں کی طاقتور قوم کا خاتمہ ہو گیا ہو۔•

یہی مصنف کافی تجزیوں کے بعد لکھتے ہیں:

> "گوجر قوم میں سے جو خالص شاہی خاندان کے لوگ تھے وہ تو اپنے آبائی مذہب و آبائی لقب کو ہی اختیار کیے رہے لیکن جو گوجروں کی ہندی عورتوں کے بطن سے اولاد پیدا ہوئیں اور جن کو خالص گوجر لوگ خطاب گوجر سے مخاطب نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کو اختیار کر کے راجپوت کہلانا شروع کیا اور اپنے نسب ناموں کو سری رامچندر اور سری کرشن جی کے نسب سے منسلک کر کے اپنے کو ان کی سنتان یا اولاد کہنا شروع کیا کیوں کہ ہندوؤں میں کسی شخص کی سری رامچندر اور سری کرشن جی کی اولاد ہونا ایک فخر اور بزرگی سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے گوجر قوم کے اس طبقے کے لوگوں نے اس عزت اور بزرگی کو برہمنوں کی مہربانی اور خدمت کرنے سے حاصل کر لیا۔"°

مندرجہ بالا بیان کے برعکس ٹی، ڈبلیو، ٹامس اپنی "تاریخ ہند" میں لکھتے ہیں:

> "واضح نہیں کہ راجپوت قومیں کہاں سے پیدا ہوئیں، ان میں سے بعض آریہ اقوام سے ہیں جیسے کھتری اور دیگر راجپوت اقوام اغلباً سیتھن

• تاریخ گوجران از حافظ عبد الحق سیالکوٹی، ص 340۔

° کتاب ایضاً ص 341-340

جیسے ہُن اور دراوڑ نسل سے ہیں، گو بہت جلد ہی وہ برہمن تہذیب کے پیرو ہو گئے تھے۔ گوجر انہیں طاقتور اور کثیر التعداد اقوام کے افراد سے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان میں ساکا اور ہُن کے حملوں کے وقت داخل ہوئے تھے اور شمال اور جنوب میں ملک پر قابض ہوئے۔"◆

راجپوتوں کی ایک عام تعریف یا وجہ تسمیہ جو پاکستان اور ہندوستان میں کی جاتی ہے، یہ ہے کہ یہ ہندوستان کے قدیم راجے مہاراجوں کی اولاد سے ہیں جو کسی ایک نسل یا قوم سے نہیں ہیں۔ جنہیں کسی ایک نسل سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔

۳۱۔ "شاہانِ گوجر" ص 415۔

۳۲۔ ایضاً۔

◆ تاریخ ہند، ایڈیشن پنجم، ص 89-86، مطبوعہ 1912

گاج

بلوچستان میں گاج نام کے کئی مواضع مختلف علاقوں میں وجود رکھتے ہیں۔
دو موضع بالترتیب ضلع خضدار اور سراوان کے کوہستان میں واقع ہیں۔ خضدار ضلع میں گاؤں زیدی کے مشرقی پہاڑوں میں گاج نامی قدیمی موضع ہے جہاں سے ندی گاج نکل کر آگے کولاچی موضع سے گزر کر جاتی ہے۔ وہاں سے یہ نام بدل کر کولاچی ندی بن جاتا ہے۔

گاجان کے نام سے دوسرا گاؤں ضلع کچھی میں مولہ ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ اس کی موجودہ آبادی لاشاری بلوچوں کی ہے۔ گاجان، گاج نام کی جمع صورت ہے۔ جس کے معنی "گاج لوگ" کے بنتے ہیں۔

ایک اور گاج موضع گوادر میں واقع ہے جسے بہت ہی قدیم مانا جاتا ہے۔
اس کے علاوہ ایرانی بلوچستان کے علاقہ چامپ کے قریب بھی گاج کا موضع ہے۔ گاج نام کی متعدد جگہوں میں یادگاریں ثابت کرتا ہے کہ یہ کوئی قبیلائی گروہ تھا جو وسیع و عریض بلوچستان کے کونے کونے میں بس گیا تھا۔ لیکن ایسے معدوم ہو گیا ہے کہ نہ اس کا کوئی گھر کہیں پایا جاتا ہے نہ تاریخی کتب میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہ ایک نہایت قدیم قبیلہ تھا جو زمانے کا ساتھ نہ دے سکا جو یا تو مقامی قبائل میں جذب ہو گیا یا پھر قحط اور جنگی یلغاروں کی زد میں آکر بے نشان ہو گیا۔ فقط مواضع کے ناموں کی شکل میں اپنی یادگاریں چھوڑ گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ ہندی، کشمیری، تورانی و ایرانی و عربی قبائل کی فہرستوں میں بھی یہ نام نہیں ملتا اور اس کی تمام تر آبادکاری صرف بلوچستان میں نظر آتی ہے۔ جب کہ یہ نام مقامی زبانوں کا بھی نہیں ہے۔

گجّر

ضلع کچھی میں "گُجر" نام کا قدیم آباد موضع ہے۔ جسے مقامی لوگ گجر اور غیر مقامی خصوصاً پنجاب سے آنے والے گوجر تلفظ کرتے ہیں۔ پنجاب میں دونوں تلفظ کے گاؤں آباد ہیں اور مراد ایک ہی قبیلہ ہے۔

گُجر یا گوجر کشمیر، پنجاب، صوبہ سرحد اور انڈیا میں بڑی قوم گنی جاتی ہے۔ گوجر مصنفین نے تو آدھی دنیا کو گوجر بنایا ہوا ہے۔ قدامت کے لحاظ سے بھی یہ ایک قدیم قوم ہے اور قبل مسیح سے موجود رہی ہے۔ گوجر اصل و نسل کے بارے میں محققین کی مختلف رائے ہیں۔ "تاریخ راجستان" میں اس کے مصنف ٹاڈ لکھتے ہیں کہ گوجر ہندوستان کے قدیم باشندے ہیں اور کئی ہزار سال سے ہندوستان میں موجود رہے ہیں۔ یہی کچھ بمبئی گزیٹیئر لکھتا ہے۔ ایک اور مصنف مینجر اے-اچ بنگلے لکھتے ہیں کہ گوجر سیتھین قوم کی شاخ یوچی سے ہیں۔ وہ جاٹوں کو بھی گوجروں کی ہم نسل قرار دیتے ہیں۔(۱)

"تاریخ اقوام پنجاب" میں سر ڈینزل ابسٹن لکھتے ہیں کہ پنجاب کے اعلیٰ اقوام میں گوجر آٹھویں نمبر پر ہیں۔ جو مشرقی تاتار کے یوچی یا ٹوچاری لوگ تھے جن کے سردار نے اول صدی قبل مسیح میں کابل اور علاقہ پشاور فتح کیا اور اس کے لڑکے کڈفائسس نے جو پنجاب کے طبقہ نساب (لوگوں کا شجرۂ نسب رکھنے والے مراسی یا بھاٹ) سے تھے، دریائے چناب سے دریائے جمنا کے کنارے متھرا تک اپنی حکومت قائم کی۔

حافظ عبدالحق سیالکوٹی گوجروں کو سکندر اعظم کی نسل سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شہزادہ گُرجی سکندر اعظم کا بیٹا اور قوم گوجر کا جد امجد ہے۔ یہ تمام قوم گوجر جو آج ہندوستان میں ہر جگہ نظر آتی ہے یہ سب اسی شہزادہ گُرجی کی نژاد اور اولاد ہے، اس شہزادہ کا اصل نام اکسندارلس تھا اور شہزادہ گُرجی اس کا اعزازی اور صفاتی لقب تھا لیکن مشرق میں اس شہزادہ کو مشرق زبانوں میں اور تاریخوں میں شہزادہ اسکندروس کے نام نامی سے نامزد کیا جاتا تھا۔"(۲)

یہی مصنف گوجروں کے اصلی وطن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"گوجروں کے مورث اعلی شہزادہ اسکندروس گُرجی نے مقدونیہ کے بعد جس علاقہ کو اپنا جدید وطن قرار دیا تھا۔ اس کا نام گرجستان ہے اور یہ علاقہ ملک کوہ قاف میں واقع ہے۔ شہزادہ اسکندروس نے اس علاقہ کو اپنا جدید وطن قرار دینے کے بعد اپنے خطاب گُرجی سے اس کو مخاطب کر کے اس کا جدید تاریخی نام گرجستان رکھا تھا جس کے بعد پھر اس کی تمام اولاد یعنی زمانہ قدیم کے تمام گوجر بھی اس علاقے کو اپنا آبائی وطن تسلیم کرتے رہے۔ موجودہ گوجروں کے آباواجداد بھی اسی علاقہ سے ہجرت کر کے یا بطور فاتح کے ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں جاکر آباد ہوئے۔ اسی لیے اب ہم اس علاقہ کو گوجروں کا آبائی وطن قرار دیتے ہیں۔"(۳)

"تاریخ ہزارہ" میں اس کے مصنف ڈاکٹر شیر بہادر خان اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۳ پر لکھتے ہیں کہ گوجر، ضلع ہزارہ کی قدیم ترین قوم ہے۔ ماضی بعید میں اس ملک پر ان کا قبضہ واقتدار کافی مدت تک رہا ہے۔ وہ کتاب "تواریخ رحمت خانی" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ پانچویں صدی عیسوی میں گوجر قوم ہندوستان آئی، ان کا اصلی وطن ایرانی سلطنت میں دریائے سندھ کے مغربی پہاڑیوں میں تھا۔ وہاں سے یہ پانچ

سو صدی عیسوی میں آکر پہلے پنجاب، پھر راجپوتانہ ہوتے ہوئے گجرات، پُونا اور دکن پہنچی جہاں انھوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں۔

کشمیری مصنفین، ہندو کی بولنے والے گجروں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مظفر آباد اور آس پاس کے گوجروں کو ڈنڈس کہتے ہیں اور جو گوجر ہزارہ سے آکر کشمیر میں آباد ہوئے انہیں ترک گوجر کہا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک کافی قدیم قوم ہے جو صدیوں پہلے وسطی ایشیا کے جنوبی خطے میں ایشیا اور یورپ کے ساحلی پٹیوں میں رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں یہ لوگ چھٹی صدی عیسوی اور دسویں صدی عیسویں کے درمیانی عرصے میں وارد ہوئے تھے اور اسی زمانے میں انھوں نے ہندو دھرم اپنایا۔ گجرات، گوجر سنگھ، گجرانوالہ اور گوجرا نہی گوجروں کے آباد کردہ گاؤں ہیں۔

"تاریخ گُجراں" اس قوم کے نسبی سلسلے کو حضرت اسحاقؑ تک پہنچاتے ہیں جن کی دسویں پشت پر امران تک یہ قوم شام میں سکونت پذیر تھی۔ پھر وہاں سے وہ یونان گئے تھے جہاں پر ان کی نسل سے ارغوس پیدا ہوا۔ ارغوس کی انیسویں پشت سے فیلقوس، بیسویں پشت سے سکندر اعظم پیدا ہوئے۔ سکندر کے دس بیٹوں میں سے اشکانیس نامی بیٹے کی نسل سے بتّیس گوت نکلے جو جموں، پونچھ اور کشمیر کے کوہستانوں میں خانہ بدوشی کرتے ہیں۔

بلوچستان میں گجر قدیم زمانوں سے موجود رہے ہیں اور خصوصاً بلوچ قوم کے درمیان موجود رہے ہیں۔ کئی مقامات پر ان کے قلعے موجود ہیں اور ان کی حاکمیت اور سرداریاں قائم رہی ہیں۔ جن میں لس بیلہ، سوراب، زہری وغیرہ شامل ہیں۔(۴) ان کے کئی اہم قبیلے صدیوں سے بلوچ قوم کے حصے رہے ہیں۔ جیسے کھٹانہ گجر، زہریجہ گجر، میہاڑی گجر، بالا گجر، بیلا گجر، مہیر گجر، کسانہ گجر، سیاں گُجر،

سیال گجر، بالیچہ گجر وغیرہ۔ دیگر کئی پھلیاں مختلف بلوچ قبیلوں میں بطور ان کی شاخ کے موجود ہیں۔ لیکن وہ اپنی اصل شناخت کھو چکے ہیں اور اب متعلقہ قبیلہ کا اٹوٹ انگ ہیں۔ اسی طرح پنجاب میں گجر اکثریتی مواضع میں کئی بلوچ طائفے گجر قبیلہ کے حصے بن گئے ہیں۔

گُرک آنی سیچی

"گُرک آنی سیچی" مکران کے ضلع کیچ میں دشت کے علاقہ کا ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ مکران کے قدیم ترین مواضع میں اس موضع کا شمار ہوتا ہے۔ "گرک" ایک ترک ذات کا نام ہے جسے ترکی زبان میں "گُرق" لکھا جاتا ہے۔ "سیچی" بھی ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چھوٹے موضع یا چند گھروں کے مجموعے کے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ قبیلہ یا ذات اسی مقام پر آباد رہا ہے۔ موجودہ وقت میں اس گاؤں کے باسی دیگر بلوچ ذاتوں کے لوگ ہیں۔ لیکن علاقے میں اور تربت میں گُرک ذات کے چند گھر اب بھی ہیں جنہوں نے بلوچ نام کے تحت اپنی نسلی شناخت کھو دی ہے۔ اکثر کو اپنی قدیمی ذات کا پتہ بھی نہیں ہے گُرگ قبیلہ کے گھرانے موجودہ وقت میں ترکی کے علاوہ ایران اور افغانستان میں ہیں۔ لیکن ان کی کوئی مجموعی آبادی وجود نہیں رکھتی۔ البتہ ماضی میں یہ ایک بڑا قبیلہ ہوتا تھا اور ایران میں "گورگاں" ان کا مرکزی شہر ہوتا تھا اس کے علاوہ ان کی ایک بڑی اکثریت کرمان اور ہرات کے درمیانی صحرا میں پھیلی ہوئی تھی جو ان کے نام پر "صحرائے گُرگ" کہلاتا ہے۔

تُرکمانستان کے ترکمن "گُرگ" کو اپنی تاریخی قومی شناخت کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ترکمن قوم اوغوز نسل سے ہے اور تاریخی اوغوز اپنے کو گُرگ خون سے مانتے ہیں۔(۵)

گُرگٹ

ضلع قلات کے گاؤں سوراب کے قریب آر سی ڈی شاہراہ کے ساتھ مشرقی سائیڈ پر واقع بستی کا نام ہے۔ یہ بستی بھی سوراب کی ہم عصر اور بہت پرانی بستی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ زمانہ بعید میں قدیم ملک توران میں واقع ہوتا تھا جس کا مرکز خضدار ہوتا تھا۔ خود توران ترک قبائل میں قدیم ترین ترکوں سے سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بیسیوں شاخیں ہوتی تھیں۔ جن کے ناموں پر مواضع مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔

"گرگٹ" نام ترکمان قبیلہ "قور قورد" کا بگڑا ہوا غلط العوام تلفظ ہے۔ ترکمانستان کے امول، دہستاں اور بالکان کے پیشتر لوگ اس نام کو لکھتے تو قور قورد ہیں لیکن اسے بولتے "غور غورت" ہیں۔ اسی غور غورت کو بلوچستانی لہجے میں گُرگٹ بنادیا ہے۔

کتاب "روح نامہ" میں اس کے مصنف نے قور قورت قبیلہ کو ترکمن اوغز نسل(۶) سے بتایا ہے جس کا مادر قبیلہ اوغز کی ذیلی شاخ ہئیت ہے جسے بائیت بھی لکھا جاتا ہے۔ اس قبیلہ کی مشہور حکمران شخصیت قور قورت اَتا، قور قورت قبیلہ کا جد امجد بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قور قورد اَتا حضورؐ کا ہم عصر رہا ہے۔ ترکمن ادب و شاعری میں اس شخصیت کا بڑا مقام بتایا گیا ہے اور ترکوں کے بڑے

بڑے دانشوروں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ روحانی طور پر ایک پہنچا ہوا شخص تھا اس کے منہ سے جو نکلتا وہی کچھ ہو جاتا تھا۔

قور قورد قبیلہ زیادہ تر مرو کے خطے میں بود و باش رکھتا تھا اور دیگر ترکمن قبیلوں کے برعکس جنگ وجدل سے دور رہتا تھا اور کبھی کسی خانہ جنگی کا حصہ نہیں بنا تھا۔ قبیلہ کی اس صفت کو قور قورت اتا کی قبائلی اور سیاسی تربیت کا نتیجہ کہا گیا ہے۔ یہ قبیلہ زیادہ تر مال چرائی میں مشغول رہا ہے۔ ملک کے جس حصے میں لڑائی ہوتی یہ قبیلہ اپنے مال مویشیوں کے ہمراہ کسی دوسرے علاقے میں چلا جاتا اور اپنے خیمے گاڑھتا۔ بلوچستان کے اس خطے میں مذکورہ قبیلہ کی آبادی کا زمانہ نامعلوم ہے۔

گنجہ ڈور / گنجہ ڈوری

ضلع مستونگ کے علاقہ کھڈ کوچہ میں ایک قدیم نالہ "گنجہ ڈور" کے نام سے ہے۔ پر یہاں دور مستونگ شہر سے قدرے فاصلے پر ایک گاؤں آباد ہے جو گنجہ ڈوری کہلاتا ہے۔ گاؤں کے رہنے والے اپنے گاؤں کی وجہ تسمیہ کے بارے میں نہیں جانتے کیوں کہ موجودہ آبادی زیادہ پرانے گھروں پر مشتمل نہیں ہے۔ بلکہ ایک جدید آبادی ہے اس کے پرانے باسی دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے ہیں۔

مذکورہ نام ایک سندھی قبیلہ سے بھی منسوب معلوم ہوتا ہے جو اب تقریباً معدوم ہو گیا ہے۔ سنا ہے کہ چند گھر اس قبیلہ کے سبی اور متصل علاقوں میں موجود ہیں جو خاص شہرت نہیں رکھتے۔ کہتے ہیں کہ جیکب آباد علاقے میں انگریزی دور میں یہ قبیلہ ایک چھوٹے طائفے کی حیثیت سے موجود رہا ہے۔ ان کا ایک معمولی

ساسردار طائفے کی نمائندگی کرتا تھا اور سرکاری سطح پر متعارف تھا جو مراد گنجہ کے نام سے مشہور تھا۔

"گنجہ ڈور" کا مقام اسی قبیلہ کے کسی طائفے بسایا ہوا ہے۔ موضع کا بنیادی نام یقیناً طائفے کے نام پر صرف "گنجہ" ہوگا۔ جب موضع لوگوں سے خالی ہو گیا اور موضع کی جگہ سیلابی نالہ بن گیا تو جگہ کا نام بھی تبدیل ہو کر نالہ پر چسپاں ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گنجہ ڈورہ کا مقام پھر سے آباد ہو گیا ہو گا اور پھر نامعلوم وجوہات کی بنا پر "گنجہ ڈورہ" کی آبادی مستونگ جا کر آباد ہو گئی۔ وہاں گنجہ ڈورہ کی نسبت سے "گنجہ ڈوری" کہلائے یعنی "گنجہ ڈورہ" سے آکر بسنے والے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان گنجہ ڈوریوں میں گنجہ قبیلہ کے بھی گھرانے شامل تھے یا نہیں۔ لیکن موضع گنجہ ڈوری میں ایک بھی گنجہ گھر موجود نہیں ہے۔

گوادر

موضعی نام "گوادر" قدیم ناموں میں سے معلوم نہیں ہوتا حتی کہ سولہویں صدی عیسویں کے اختتامی عشروں میں لکھی گئی نگارشات میں بھی یہ نام نہیں ملتا۔ ایک بلوچ دانشور نے گوادر کو ایک لفظ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے معنی ہواؤں کا دروازہ کے ہیں۔ اس نے "گوا" سے مراد "گوات" لیا جس کے معنی "ہوا" کے ہیں اور "در" سے "دروازہ" مراد لیا۔ گوادر کے مقامی لوگوں نے خصوصاً پڑھے لکھے افراد نے اس تشریح کا خوب مذاق اڑایا اور کہا ہے کہ ہمیں پہلی دفعہ معلوم ہوا ہے کہ ہواؤں کے بھی دروازے ہوتے ہیں۔

مواضع کے نام من گھڑت تشریحات سے نہیں رکھے جاتے بلکہ از خود اپنی جگہ اپنے رہائشیوں کی نسبت سے بنتے ہیں اور اقوام و قبائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مواضع کے اکثر نام تاریخی آثار قدیمہ ہوتے ہیں اور قبائلی طوائف کے نام پر ہوتے ہیں۔

"گوادر" بھی ایک قبیلائی طائفے کا نام ہے جو کسی زمانے میں اس سرزمین پر رہائش پذیر تھا۔ یہ نام ہمیں کتاب "شاہانِ گوجر" میں گوجر قبیلائی طائفوں کی فہرست میں ملا۔ جس کی اصل صورت "گُوَدِر" تحریر ہے یعنی "آ" حرف ہیچ میں نہیں ہے بلکہ "و" پر زبر کی آواز ہے۔ مذکورہ کتاب ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب (گجرات) کی تالیف ہے۔ واضح ہو کہ گوجر مصنفین گوجروں کو نسلاً ترک بتاتے ہیں۔ ممکن ہے "گوئدر" براہ راست ایک ترک طائفہ ہو جس کی باقیات گوجروں میں مدغم ہو چکی ہوں۔ کیوں کہ مکران میں کئی مواضع ترک قبائل اور ان کے طائفوں کے نام پر ہیں اور متعدد قلعے، جن کے اب صرف خرابے رہ گئے ہیں، ترکوں سے منسوب ہیں۔ مثلاً ترک جمپ پلیری گوادر، ترکءِ فیصل کوہاڑ ضلع کیچ، ترکءِ کلات زامران، گوئنک وغیرہ خود نام مکران بھی، قبیلہ تُرک مُکّر کے نام پر ہے جنہوں نے صدیوں قبل بلوچ ملک کے دو مقامات پر آبادکاری کی۔ ایک کیچ دشت میں دوسرا مغربی بلوچستان میں تیس یا تیز کے مقام پر۔ دونوں مقامات "مکرانات" کے نام سے شہرت پاگئے۔ یہ آبادکاری مکران میں سکندر اعظم کی واپسی کے وقت نظر نہیں آتے کیوں کہ اس زمانہ میں یہ خطہ گڈروشیا کے نام سے مشہور تھا۔(۷)

مذکورہ مُکّر قبیلہ یا طائفہ موجودہ وقت میں پنجاب اور ہند کے گوجروں میں ایک طائفے کی حیثیت سے موجود ہے۔ گوجر مصنفین نے اسے خالص گوجر ذاتوں میں لکھا ہے اور اس کا سلسلہ نسب سکندر اعظم کے ایک بیٹے شہزادہ سکندروس گرجی سے بتایا ہے۔(۸)

گور

بلوچستان میں چند ایک مواضع "گور" نام کے ملتے ہیں۔ جن میں سے ایک قدیم مقام ڈیرہ بگٹی میں ہے جب کہ دوسرا موضع آواران ضلع کی تحصیل مشکے میں واقع ہے۔ ایک قدیم ڈھیری سوراب ضلع قلات میں بھی واقع ہے جو ایک میدان میں ہے۔ یہ ڈھیری پرانے وقتوں میں گور کہلاتا تھا لیکن موجودہ وقت میں میدان "گورپٹ" کہلاتا ہے۔ جب کہ ڈھیری بے نام ہو گیا ہے۔ ایران و افغانستان اور ہندوستان میں اس نام کے گاؤں اور مقامات ہیں۔ فارس میں شہر فیروز آباد کا پرانا نام "گور" رہا ہے۔ افغانستان میں مشہور شہر "غور" اسی نام کا فارسی اور دری لہجہ ہے۔ ہندوستان میں موجودہ "گونڈ" علاقے کا قدیم نام بھی گور رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوکش سلسلے کی وادیوں میں سے ایک "گوروادی" ہے۔ ایرانی بلوچستان میں بھی گورناگ کے نام سے گاؤں ہے۔ ایک وسیع و عریض خطے میں گور مواضع کے بے شمار تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک کافی بڑا قبیلہ ہوتا تھا۔ جو زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں بود و باش رکھتا تھا۔ یہ بڑے تنومند اور پہلوان قسم کے جفاکش لوگ ہوتے تھے۔ بلوچستان کے کوہستانوں میں سینکڑوں بندات کے آثار ہیں جنہیں بڑے بڑے دیو ہیکل پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے جو اکثر پہاڑی ڈھلانوں پر ہیں۔ ان ڈھلانوں کو کئی قطعوں میں تقسیم اور ہموار کر کے قابلِ کاشت بنایا گیا ہے۔ یہ بندات گوروں کی نسبت سے گوربند کہلاتے ہیں۔ بعض علاقوں میں انہیں گبر بند بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اس وجہ سے بھی کہ افغانستان، ایران اور بلوچستان کے گور، مذہباً آتش پرست ہوتے تھے اور اس خطے میں آتش پرستوں کو گبر کہتے تھے۔

تاریخی حکمران بہرام گور کا تعلق بھی اسی قوم سے رہا ہے۔ بعض مصنفین نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ چوں کہ وہ گور جانور کے شکار کا شوقین تھا۔ اسی لیے بہرام گور کہلاتا تھا جو ایک جاہلانہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ دنیا میں بادشاہوں نے قسم قسم کے شکاری جانور شکار کیے ہیں۔ لیکن کوئی جانور کسی کی قبیلائی شناخت نہیں بنا ہے۔ اقوام میں ایسے سینکڑوں مفروضات گھڑے گئے ہیں جن کی تاریخی اہمیت کوئی نہیں ہے۔

گور کو مصنفین نے ایک ہندی قبیلہ کہا اور لکھا ہے جو ہندوستان کے دہلی، گوڑ گاؤں، کرنال، روہتک اور پنجاب کے فیروز پور میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دی کاسٹس آف پنجاب میں اس کے مصنف ڈینزل ابسٹن لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ اُن چھتیس شاہی قبیلوں میں سے ایک ہے جس سے بنگال کے راجپوت حکمران ہوئے ہیں۔ ابسٹن نے انگریزی حکومت کے زیر کنٹرول علاقوں میں ان کی تعداد دو لاکھ ستانوے ہزار سات سو نواسی بتائی ہے۔ یہ تعداد 1881ء کی مردم شماری رپورٹ میں درج شدہ ہے۔

جنرل بکنگھم انہیں برہمن لکھتا ہے اور ان کے قدیم شہروں کے نام جہاں وہ بستے تھے، علی گڑھ، متھرا کے مغربی اور مشرقی علاقے اور پنجاب کے کچھ علاقے لکھتا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ پنجاب کے برہمن اور جمنا کے جنوب مشرقی اضلاع اور مشرقی کوہستانوں کے برہمن تمام "گور" ہیں۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ "گونڈ" کا پرانا نام بھی "گور" رہا ہے۔

ہندوکش سلسلے کی وادیوں میں سے ایک "گور وادی" ہے۔ جسے گور قبیلہ نے نامعلوم زمانے میں بسایا ہے جو یاغستان قبیلے کی آخری بستی ہے۔ یہ دو میل اونچی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہاں بت پرستی کی روایات سب سے زیادہ قدیم ہیں اور اب بھی کہیں کہیں ان کے نشانات مل جاتے ہیں۔ گور کے لوگ زمانہ قدیم میں

"تائبان دیوتا" کی پوجا کرتے تھے۔ پوجا کا یہ سلسلہ ایک دو دہائی قبل ختم ہو گیا ہے۔(۹)

موجودہ وقت میں "گور" میں تین قبیلے بستے ہیں جن کے نام لوسونونات کوٹ، دولت کوٹ اور ٹُونل کوٹ ہیں۔ گور کے بسائے ہوئے اس بستی میں اب کوئی گور نہیں ہے۔

بلوچستان میں موجود جگہ جگہ کوہستانی گور بند یا گور بستیوں کی موجودگی ظاہر کرتی ہے کہ ماضی میں ان کی بہت بڑی تعداد ان کوہستانوں میں بود و باش رکھتی رہی ہے۔ لیکن اس کے نام کے مواضع ان کے آثار کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کی آباد کاری زیادہ تر کچھی کے علاقے میں رہی ہے۔ یہاں وہ ڈیرہ بگٹی کے گاؤں "گور" سے چلے آئے ہیں۔ جو اس قبیلے کی قدیم مرکزی گاؤں کہا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں نہ ڈیرہ بگٹی میں ملتے ہیں اور نہ مشکے میں جہاں ان کے نام کے مواضع موجود ہیں البتہ کچھی اور نصیر آباد کے موضعات میں ان کے گھرانے آج بھی موجود ہیں۔

بلوچستان کی روایتوں میں گور کو ایک ترک قبیلہ مانا جاتا ہے جو قدیم ٹُوران (موجودہ جھلاوان اور قرب وجوار) میں بڑی اکثریت سے موجود رہا ہے اور موجودہ گوروں کو ترک نسل کی باقیات سمجھا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ تورانی گوروں نے کسی قدیم زمانے میں ہندوستان کی طرف ہجرت کی ہو اور وہاں بستیاں بسا چکے ہوں۔ یاد رہے کہ ہندوستان کے چپّے چپّے پر ترک حکمرانی تاریخ کا حصہ ہیں۔

"گور" قبیلہ موجودہ وقت میں بھی ترکی میں پایا جاتا ہے۔ ان میں کئی مشہور شخصیات گزرے ہیں۔ اس قبیلہ کا ایک مشہور سیاست دان کمال گور ہیں۔ جو 2004ء میں ترکی کی طرف سے پاکستان میں سفیر تھا۔

گورُو

گورو کے نام سے بلوچستان میں دو موضع موجود ہیں۔ ایک موضع ضلع مستونگ کے کھڈ کوچہ میں مشرقی پہاڑی سلسلہ کے دامن میں ہے۔ دوسرا ضلع خضدار کے کوہستان میں ہے۔

گورو ایک نہایت قدیم ہندو قبیلہ ہوتا تھا۔ جس نے مذکورہ مواضع بسائے اورانہیں اپنانام دیا۔ ہندوستان میں یہ قبیلہ اب بھی بڑی تعداد میں موجود ہے۔ کھڈ کوچہ کے گورو موضع والے اپنے اس مقام کو چھ سوسال قدیم بتاتے ہیں۔ ہندوستان میں اس قبیلہ میں ہندو بھی ہیں اور سکھ بھی۔ کشمیری مورخین نے اس ذات کو "قبیلہ ہانجی" کی ایک شاخ بتایا ہے جو 162ء کے لگ بھگ لنکا سے ہجرت کر کے کشمیر میں آباد ہوااور اس کے افراد زیادہ تر سوپور، بارہ مولا، اسلام آباد اور ولر جھیل کے علاقوں میں آباد ہیں۔ ان کشمیری مسلمانوں کی چند نامور شخصیتیں کشمیری مجاہدین میں شامل رہی ہیں۔ ایک نامور عالم، مصنف اور دین کا شیدائی افضل گورو شہید ہیں۔ جن کی کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں ایک مشہور کتاب "آئینہ" ہے۔

زمانہ قدیم میں گورو ایک ایسی زبان بولتے تھے جس کی بنیاد سنسکرت پر تھی۔ یہ زبان قبیلہ کے نام پر گورو کہلاتا تھا۔ اب یہ زبان ہندوکش کے کوہستان کے علاقہ کولی میں بولی جاتی ہے جس کے بولنے والے علاقے بھیم کوٹ، مہرین اور جمرا کے دیہات ہیں اور زبان کا نام "گورو" ہی ہے۔ جب کہ ان دیہات کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ وادی سوات کے علاقے راشنگ سے تعلق رکھتے ہیں۔(۱۰)

گوڈ

یہ نام بلوچی سیستان میں ایک قدیم موضع کا نام ہے۔ اس کے علاوہ علاقہ زہری بلوچستان میں ایک میدان "گوڈ میدان" کہلاتا ہے۔ ضلع کیچ کے گاؤں بلیدہ میں ایک قدیم قلعہ کا خرابہ "گوڈءِ کلات" یعنی گوڈ کا قلعہ موجود رہا ہے۔ اس قدیم قلعہ کا مقام بلیئدہ کے مرکزی مواضع سے قدرے دور افتادہ ہے۔ اگرچہ موضع اب بھی اپنے قدیم ترین نام "گوڈءِ کلات" سے مشہور ہے مگر اب وہاں کوئی قلعہ وجود نہیں رکھتا۔ زمانے کے حوادث نے کلات (قلعہ) اور اس کے مالک "قبیلہ گوڈ" دونوں کو اپنے مقام سے بے نشان کر دیا ہے مگر مشرق میں یہ قبیلہ موجود ہے اور موجودہ وقت میں ہندوستان کے کئی اضلاع میں بود و باش رکھتا ہے۔ لکھنؤتی جو کبھی ایک طویل عرصے تک بنگال کا دارالحکومت ہوتا تھا، کا قدیم نام بھی گوڈ ہوتا تھا اور اس کی بیشتر املاک گوڈ قبیلہ کی ملکیت ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہندہی کے چوپلہ میں اس قبیلہ کا ایک مشہور قلعہ بھی ہوتا تھا۔

"گوڈ" ایک نہایت ہی قدیم ہندی قبیلہ رہا ہے اس قبیلہ کا قدیم مرکز ہندوستان کا گوڈ گاؤں ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو ہزار سال پرانا گاؤں ہے۔ راجپوت تواریخ میں اس قبیلہ کو راجپوت لکھا گیا ہے۔ واضح رہے کہ راجپوت کوئی نسلی قبیلہ نہیں ہے۔ یہ راجے مہاراجوں کی اولاد سے منسوب ہے۔ ہندوستان میں کسی بھی قبیلہ اور مذہب کا کوئی بھی شخص اگر کسی علاقے کا راجہ یا حاکم رہا ہے تو اس کی اولاد راجپوت کہلاتی تھی۔ اس میں اصیل اور کمین کا بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب نے اپنی تصنیف "شاہانِ

گوجر" میں گوڈ کو گوجر قوم کی شاخ تحریر کرتے ہوئے اسے گوجروں میں واحد ذات لکھا ہے جس میں برہمن موجود ہیں۔(۱۲)

موجودہ وقت میں بلوچستان کے کسی علاقے اور قبیلہ میں یہ ذات موجود نہیں ہے۔ البتہ قدیم سیستان کے علاقے چکنسُور میں اس قدیم ذات کے گھرانے زمانہ بعید سے موجود بتائے جاتے ہیں۔ جو زرعی مزدوروں کی حیثیت سے بود و باش رکھتے ہیں۔

گونڈپاس

"گونڈپاس" کے معنی ہیں گونڈ گزر گاہ۔ یہ گزر گاہ بلوچستان میں لس بیلہ کے گاؤں حب کے قریب رئیس گوٹھ اور لکّی موضع کے درمیان واقع ہے۔ چند وقت پہلے تک اس گزر گاہ کا مشرقی سائیڈ کا علاقہ "گونڈ" کہلاتا تھا۔ جو نئی آباد کاریوں کے نتیجے میں پس پردہ چلا گیا اور موضع کا نام صرف پہاڑی درے پر چسپاں ہو کر رہ گیا۔ اب یہ نام بھی متروک ہوتا جارہا ہے۔

تاریخی نام دراصل تاریخی آثار قدیمہ ہوتے ہیں جن کے پس منظر میں قوموں اور آباد کاروں کی ماضی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ان کو تبدیل کرنا اور نئے ناموں سے منسوب کرنا تاریخ کے ساتھ زیادتی ہے۔

گونڈ سنٹرل انڈیا کے ریواہ ریاست میں ایک بڑا اور موثر قبیلہ ہوتا تھا جسے جنگل قبیلہ کہا جاتا تھا اس کے اپنے ہم وطن اور جنگجو قبیلہ کول کے ساتھ مسلسل لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ ہمیشہ لڑتے رہتے اور صلح پر کبھی آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ معاشرتی طور پر گونڈ کا شمار زمینداروں اور لینڈ لارڈوں میں ہوتا تھا جب کہ

اس کا حریف قبیلہ کول بھی اس کی ہمسری کرتا تھا اور گونڈ مقبوضات میں دست اندازی کرتا رہتا تھا۔ انگریزی دور حکومت میں ریاست مذکورہ میں دونوں کی آبادی قریب قریب برابر ہوتی تھی۔ کول ایک لاکھ چھتیس ہزار پانچ سو اور گونڈ ایک لاکھ ستائیس ہزار تین سو کی افراد قوت رکھتے تھے۔ یہ قبیلے اکثریت ہندو مت مذہب کے پیرو کار چلے آرہے ہیں۔(۱۳)

پندرہویں صدی میں گونڈوں نے اپنی ایک قومی مرکزیت قائم کی جو گونڈوانہ کہلاتا ہے۔ چند سال بعد انہوں نے پوری قوت سے چھتیس گڑھ پر ہلہ بول دیا بھوئیا اور منڈا قبیلوں کو ان کے مساکن سے نکال دیا۔ جنہوں نے دور دراز پہاڑیوں میں پناہ لے لی۔ اس نئے مفتوح ریاست میں انہوں نے چند مہینوں کے دوران اپنی آبادی دو لاکھ سولہ ہزار تک پہنچادی اور ریاست پر اپنا اقدار جمایا اس کے علاوہ مزید علاقوں تک گونڈوانہ کو وسعت دی۔

مولوی عبد المالک خانصاحب لکھتے ہیں کہ اس ریاست کی حد دریائے جمنا سے لے کر نرُبدا تک اور ندی بیتوا سے شروع ہو کر بگھیل کھنڈ تک وسیع تھی۔(۱۴)

"دی نیٹیو ریسز آف نارتھرن انڈیا" میں ڈبلیو-کروک نے انہیں دراوڑوں میں شمار کرتے ہوئے ایک رائل قبیلہ تحریر کیا ہے۔

گوئک

مذکورہ بالا نام مکران کے علاقہ مند میں ایک قدیم گاؤں کا نام ہے۔ بعض بوڑھوں کا کہنا ہے کہ یہ گاؤں سات سو سال پرانا ہے اور اسے سات آدمیوں پر مشتمل خاندان نے آباد کیا تھا۔ یہ خاندان کس قوم و قبیلہ سے تھا اس کے بارے

میں وہ نہیں جانتے۔ اسی نام کا ایک پرانا موضع پنجگور کے گرمکان کے قریب ہوا کرتا تھا۔ جس کا خرابہ ایک ڈھیری کی شکل میں موجود ہے۔ جس کا کوئی موجودہ نام نہیں ہے۔ لیکن اس کے اردگرد کی قطعہ زمین "گوئک ءِ دُمب" یعنی گائے یا بیل کی دم۔ بلوچی میں گوک، بیل اور گائے کی ذات کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ اس کی مادہ کا نام الگ ہے اور نر کا نام الگ ہے۔

مذکورہ نام لوگوں نے مذاق کے طور پر بول بول کر مشہور کر دیا ہے جو اب اس مقام کا مستقل نام پڑ گیا ہے۔ بنیادی اور اصل نام "گوئک ءِ دَمب" ہے یعنی "گوئک کا خرابہ یا ویران جگہ"۔ گوئک نام کی ایک قدیم بستی سیستان میں بھی موجود رہی ہے۔ جس کا نیا اور موجودہ نام "ماشی" ہے۔ فارسی کی کتابوں میں اسے "گاوک" لکھا گیا ہے۔ گوئک کا ایک قدیم قلعہ بھی ہوتا تھا جس کے محض کھنڈرات رہ گئے ہیں لیکن قلعہ گوئک کا نام سابقہ مقام کے لیے مستعمل ہے۔ جو "ساروتر" میں ہوتا تھا۔

گوئک، ترکمان ترک قبیلہ ہے اس قبیلہ کے جد امجد کا نام "گوئک خان" تھا۔ جو ریاست ہُن کے حکمران میتے خان کا بیٹا تھا۔ چین کے کئی علاقے ہُن ریاست کے حصے تھے، چین کے لوگ میتے خان کو "ماؤتن" کہتے تھے۔ جس کا ذکر چین کی تواریخ میں ملتا ہے۔ میتے خان کا سلسلہ نسب اوغوز خاندان سے ہے۔ میتے خان کی حکمرانی کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ سے دوسو نو (۲۰۹) سال قبل رہا ہے۔

گوئک قبیلہ سے کئی شخصیتوں نے لمبے عرصے تک ایک ایسے خطے پر بادشاہت کی ہے جس کی سرحدیں ایک طرف کیپین بحر سے بحر ہند تک، دوسری طرف ہمالیہ سے سائبیریا تک وسیع تھیں جو چوراسی صوبوں میں تقسیم تھا۔(۵)

گوئنک ترکمن قبیلہ 552ء میں بوہین خان گوئنک کی سرکردگی میں اپنی ایک "گوئنک" ریاست تشکیل دینے میں کامیاب ہوئی۔ جو تقریباً دوسو سال تک قائم رہی پھر ایغور (اگور) اور کارک ترکمنوں نے اس ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ 745ء میں یہ ریاست بے وجود رہا اور اس کے ہم نسل قبائل خانہ جنگی میں الجھ گئے۔

مذکورہ قبیلہ کے نام آور حکمرانوں میں بلگے خان، بوہین خاں، مظفر الدین وغیرہ شامل ہیں جنہیں ترکمان ہیروز کا درجہ حاصل ہے۔ بلگے خان کا دور حکومت پورے ترکمانستان میں ایک مثالی حکومت رہی ہے۔ ترکمن مصنفین بلگے خان کی رہنمائی میں گوئنک ریاست کی خوشحالی کے تذکرے کرتے رہے ہیں اور بلگے خان کا مقام دیگر تمام گوئنک حکمرانوں سے اعلیٰ اور ارفع بیان کرتے ہیں۔ "روح نامہ" میں ترکمانستان کے صدر سپر مراد ترکمنباشی بلگے خان کے دور حکومت کو سب سے بہترین دور حکمرانی لکھتے ہیں۔

بلگے خان 683ء میں پیدا ہوا تھا اس کے والد کا نام التیرش قوتلوق خان تھا۔ وہ گوئنک ترکمن ریاست میں تینتیس برس کی عمر میں برسرِ اقتدار آیا تھا۔ اس نے حتی الوسع ریاست کو بچانے کی تگ و دو کی لیکن بیرونی اور اندرونی سازشوں نے آخر کار گوئنک ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ گوئنک قبیلہ ارد گرد منتشر ہو گیا اور اپنے اپنے ریوڑوں کو لے کر پر امن علاقوں کی طرف چل پڑا۔

ساتویں صدی عیسوی کی شروعات میں گوئنک قبیلہ کے سردار بلخ پر بھی حکمران تھے۔ جب اسلامی افواج حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں بلخ پر حملہ آور ہوئے تو گوئنک عوام کی اچھی خاصی اکثریت نے بلخ میں اپنے مساکن چھوڑ دیئے اور مختلف سمتوں میں چلے گئے سینکڑوں قتل ہوئے۔ مذکورہ حملہ 653ء (۳۲ ہجری) میں ہوا تھا۔(۱۶)

تیمور لنگ بھی اس گوک خاندان سے تھا۔ جو اس زمانے میں اپنی سابقہ قبیلائی حیثیت کھو چکا تھا اور قبیلہ برلاس کا ایک ذیلی طائفہ بن چکا تھا۔ اسی سبب سے تیمور اپنے کو برلاس کہتا تھا جب کہ برلاس قبیلہ میں مغول خون ملا ہوا تھا اور تیمور اس پر فخر کرتا تھا۔

سیستان اور بلوچستان کے ان دور دراز علاقوں میں اس ترکمن قبیلہ کے طائفے کس دور میں آ کر بس گئے تھے اس کا تذکرہ کسی تحریر میں نہیں ملتا۔ موجودہ وقت میں اس قبیلہ کے گھرانے بلوچستان کے کسی علاقے میں وجود نہیں رکھتے۔

گھوڑاواہ

"گھوڑاواہ" ایک اندرون پہاڑ قدیم موضع ہے جو ضلع خضدار کے گاؤں باغبانہ کے جنوبی کوہستان میں واقع ہے۔ مقامی لوگ اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ چھوٹی وادی خان قلات کے گھوڑوں کی مخصوص چراگاہ ہوتی تھی۔ وہ یہ تعریف لفظ گھوڑے سے اخذ کرتے ہیں۔ اکثر مقامی لوگ جب کسی نام کی اصلیت سے ناواقف ہوتے ہیں تو کوئی نہ کوئی من گھڑت بات پھیلا دیتے ہیں۔

مذکورہ نام دراصل گھوڑیواہا ہے جسے راجپوتوں کا ایک گوت کہا گیا ہے۔ جس کا مرکزی مقام ہندوستان کا جالندھر ہے اور یہ جالندھر کے ملحقہ اضلاع میں کم و بیش پائے جاتے ہیں۔ کتاب "شاہانِ گوجر" میں لکھا ہے کہ

> "ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کے کسی بزرگ نے غازی شہاب الدین غوری کے حضور میں گھوڑا نذر کیا تھا۔ غازی شہاب الدین نے اس کو اس قدر وسیع علاقہ دیا جس کو ایک دن میں گھوڑا طے کر سکے۔ غالباً چالیس

میل محیط دائرہ کا علاقہ ہو گا۔ مسٹر بار کلے نے لکھا ہے کہ گھوڑے واہ
کے مقبوضات پانچویں صدی کے مفتوحہ ہیں۔"(۱۷)

اس قدیم قبیلہ کے بارے میں مزید معلومات تاریخی کتب میں مذکور نہیں ملے۔ اسی طرح بلوچستان میں ان کی آباد کاری کے سن و سال معلوم نہیں ہیں اور موجودہ وقت میں بلوچستان میں ان کے گھرانے موجود نہیں ہیں۔

حواشی

ا۔ ان کی کتاب کا نام ہے "گوجر، جاٹ، اہیر"۔

۲۔ تاریخ گوجران، ص 107۔

۳۔ ایضاً صفحات 455-456۔

۴۔ زہری قبیلہ کے مسکن کا نام قبیلے کے نام پر زہری ہے جو کہ زہری ولد زیرک رند کے نام کی نسبت سے ہے۔ زیرک رند نے "جدگال وریئس جنگ" سے قبل علاقے کے گجر حاکم یا سردار کو قتل کر کے اس کے قلعے پر قبضہ کر لیا تھا۔ جدگالوں نے بعد میں اپنے گجر اتحادیوں سے مل کر زیرک رند کو قتل کر ڈالا۔ باپ کے قتل کے بعد زہری مقامی حاکم بن گیا جو قلعہ پہلے گجروں کے قبضے میں تھا پھر زہری قلات کہلایا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سارا علاقہ اس کے نام پر زہری مشہور ہو گیا۔ زہری کا خاندان اور قبیل کے لوگ ایک چھوٹی مگر مضبوط اتحادیہ کی شکل میں علاقے پر تصرف رکھتے تھے۔ جس کا مرکز یا نقطہ اتصال موسیانی قبیلہ تھا۔ جس کا جد امجد موسیٰ رند ولد زہری رند تھا۔ اس بارے میں بہادر ہیستورام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

> "پہلے سرداری جھلاوان کی اقوام موسیانی کے خاندان میں تھی، زہری نام، سردار موسیانی کا تھا جس سے ملک اور قوم کا نام بھی زہری مشہور ہو گیا۔" (تاریخ بلوچستان، ص 352، طبع 1907)

۵۔ "روح نامہ" از سپر مراد ترکمنباشی (صدر ترکمانستان)

۶۔ عربی نگارشات میں اور دائرۃ المعارف میں اوغز کو "غز" لکھا گیا ہے جو معرّب ہے۔ ان کے مطابق ان غزوں کو ترکمان کہا جاتا ہے جو دارالسلام کے قریب رہائش رکھتے ہیں اور بحیرہ خزر کے علاقوں جُرجان، فاراب اور سیحون کے ابسیجاب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

انہوں نے دسویں صدی عیسویں میں اسلام قبول کیا تھا۔ مشہور خلیفہ مہدی اس غز ترکمان قبیلہ سے تھے۔ سلجوق اور ترکی بھی اسی غز قبیلے کی شاخیں اور طائفے ہیں۔

۷۔ قدیم بلوچستان میں ایک بڑے خطے کا نام "گدروشیہ" تھا جس میں ضلع لسبیلہ کا ایک حصہ، تمام مکران کا خطہ اور تمام بلوچ ساحلی بیلٹ اس کا حصہ ہوتا تھا۔ اس کا مرکزی شہر "پہرہ" ہوتا تھا جسے سکندر اعظم کے زمانے کے نقشوں میں "پُھرا" نام دکھایا گیا ہے۔ یہ مقام ایرانی بلوچستان کا دارالحکومت "بمپور" ہی ہوتا تھا یا اسی سے متصل ہوتا تھا۔ ایرانی بلوچ اپنے اس قدیم مرکزی شہر کو آج بھی "پہرہ" کہتے ہیں جو سینکڑوں سال پرانا نام ہے۔ گدروشیہ کے رہنے والوں کو سکندر کے سفر ناموں کے مصنفین نے "گدروشی" کہا ہے اور کسی نسلی قبیلہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن معروف عالمی شہرت یافتہ مورخ ہیروڈوٹس نے "گدروشیا کے گندمی رنگ کے بلوچوں" کا ذکر کر کے بتا دیا ہے کہ گدروشیا میں بلوچ قوم ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے موجود تھی اور اس کے قبائل اس خطے کے صدیوں سے وارث چلے آرہے تھے۔ جن کی ایک بڑی فوج، شاہ ایران زرکس کے افواج میں شامل تھی۔ جسے ہیروڈوٹس نے "چیتے کی کھالوں میں ملبوس گندمی رنگ کے گدروشیائی بلوچ دستہ" لکھا ہے۔ یاد رہے کہ یہ زمانہ 485-465ء قبل مسیح کے سال ہیں۔ اسکندری مہم کے تذکرہ نگار ایریئن نے گدروشیا کے چند مقامات کا ذکر کیا ہے جو بلوچ قبیلوں کے نام پر تھے جن میں ایک اہم قبیلہ "کوفص" تھا جو آج بھی مغربی اور مشرقی بلوچستان اور سندھ میں "کوپچ" کے نام سے موجود ہے اور اس کی توسیعی شکل کو پچانی کے نام سے موجود ہے۔ سکندر کے زمانے میں یہ نام موجودہ پشکان کا نام تھا جسے عربی مصنفین نے معرّب کر کے "کوفص اور قفص" تحریر کیا ہے جسے بلوچ "کوپچ" تلفظ کرتے ہیں۔ اس قبیلہ کے نام پر ایرانی بلوچستان میں ایک موضع بھی ہے۔

گدروشیا لفظ یونانی ترکیب ہے جس کے معنی گدرو کا علاقہ یا خطہ۔ اگر ہم اس نام کو فارسی میں لکھیں تو یہ گدروستان ہوگا اور یہ اپنے معنی کا خود اظہار کرے گا۔ گدرا یا گدرو

بلوچستان کے ساحلی علاقے کے قدیم ترین قبائل میں سے ایک ہے جو موجودہ وقت میں لس بیلہ ڈسٹرکٹ اور قرب وجوار میں موجود ہے اور لاسی لہجے کی وجہ سے "گڈرا" اور "گڈرو" کہلاتا ہے۔ یہ حبشی شکل وشباہت رکھنے والا سیاہ فام نسل ہے۔ اس قوم کی ساحلی آبادی نے اپنا مخصوص قبیلائی نام پس پشت ڈال کر "مکرانی" کا علاقائی نام اختیار کیا۔ یہ سندھ وکراچی کے علاوہ انڈیا اور سری لنکا تک جابسے ہیں۔ لس بیلہ میں یہ قبیلہ اپنے سینکڑوں سال قبل کے نام سے موجود ہے۔ مذکورہ ڈسٹرکٹ کا گزیٹئر اس بارے میں لکھتا ہے:

> "لس بیلہ کی غلام آبادی کی اولاد ہیں۔ ان کے افریقی خدوخال اظہر من الشمس ہیں اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ غلاموں کی اولاد ہیں۔ جنہیں سونمیانی کے میمن یا خوجے ماضی میں درآمد کرتے تھے۔ گڈرا اپنے وطن کی زبان سراسر بھول چکے ہیں اور اب جدگالی بولتے ہیں۔ خادم گولو اور خادمہ گولی کہلاتی ہے۔"♦

1901ء میں گڈرا قوم کی آبادی 7898 نفوس پر مشتمل تھی۔ سینکڑوں سالوں بعد کی اتنی بڑی باقیات اس خیال کو تقویت دیتی ہے کہ ماضی بعید میں ان کی کثرت تعداد نے ایک بڑے خطے کو اپنا نام دیا تھا۔ جو صدیوں تک گڈروشیہ کہا جاتا تھا۔

۸۔ کتاب "تاریخ گوجراں از حافظ عبدالحق سیالکوٹی"، ص 345-344۔

۹۔ "ہندوکش کے قبائل"، از جون بدلف، اردو ترجمہ جاوید شاہین، ص 26-27۔

۱۰۔ ایضاً، ص 23۔

۱۱۔ "تاریخ راجپوتانِ پنجاب" از ٹھاکر کاہن سنگھ۔

۱۲۔ "شاہانِ گوجر"، طبع انجمن مرکزیہ گوجران پاکستان، لاہور ص 133۔

۱۳۔ امپیریل گزیٹئر آف انڈیا، والیوم XXI، مطبوعہ 1908ء، صفحات 280-284۔

♦ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر، لسبیلہ ڈسٹرکٹ، مطبوعہ گوشۂ ادب کوئٹہ 1999ء، ص 465۔

۱۴۔ کتاب "شاہانِ گوجر" طبع انجمن مرکزیہ گوجران پاکستان، لاہور، ص 64، 379، 394۔

۱۵۔ "روح نامہ" تصنیف صدر ترکمانستان سپر مراد ترکمنباشی۔

۱۶۔ "دی بدِ وینز" از ڈبلیو کاسکل۔

۱۷۔ شاہانِ گوجر از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب، ص194۔

گیرشوغان / گیشتگان

گیرشدغان اور گیشتگان، ایک ہی نام کے دو لہجے ہیں۔ گیرشدغان ضلع قلات کے سوراب کا ایک قدیم موضع ہے جب کہ اس کا دوسرا مکرانی لہجہ "گیشتگاں" مکران کا ایک قدیم موضع ہے۔ دونوں نام جمع کے صیغے میں ہیں۔ ان کا واحد "گیشتہ" اور گیرشدہ ہے۔ یہ ایک قدیم قبیلہ کا نام رہا ہے جس کے نام پر دونوں موضع ہیں۔ اس لفظ یا نام کا طرز بلوچی ہے۔ کہتے ہیں کہ بنیادی نام "گیشتگان" رہا ہے۔ یعنی گیشتہ لوگ۔ جب ان لوگوں نے سوراب کے علاقے میں بستی بسائی تو مقامی لہجے کی مناسبت سے نام میں تبدیلی آئی۔ ویسے بلوچی زبان میں بھی کئی جگہوں پر "ش" کی آواز "ژ" میں بدل جاتی ہے جیسے "ہشت دہ"، ہشتو، ہوشنود، ہشیار، ہونش وغیرہ ہژدہ، ہژتو، ہوژنود، ہژار، ہونژ میں بھی تلفظ کیے جاتے ہیں۔

عربی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب گیرشدہ بستی بسائی گئی تھی تو سوراب کا نام وجود نہیں رکھتا تھا۔ جو ایک گجر قبیلہ کا نام ہوتا تھا۔ کیوں کہ اگر سوراب کا موضع موجود ہوتا تو کتابوں میں "گیرشدہ" کا نام نمایاں نہ ہوتا یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ سوراب موجود رہا ہوگا لیکن غیر اہم ہوگا اور بڑا اور نمایاں موضع "گیرشدہ" ہوگا۔ نام کا جمع صیغہ میں مروج ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہ علاقے میں فارسی زبان کے مروج ہونے کے بعد "گیرشدغان" کی صورت میں معروف ہوا ہے اور یہی صورت مکرانی لہجے کی "گیشتگان" کی بھی ہے۔

عربی مصنفین ابوالفدا، اصطخری وغیرہا نے طوران کے شہروں کے تذکروں میں "کژد" اور جژد" (گژد معرب) کے نام اس کا تذکرہ کیا ہے اور مفرد صورت میں کیا ہے:

"طوران کا یہ علاقہ گرم وخشک تھا۔ موسم سرما میں یہاں سردی کے ساتھ ساتھ برف باری بھی ہوتی تھی اور درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے گر جاتا تھا جس کی وجہ سے پانی جم جاتا تھا۔ یہاں کنویں اور ندیاں تھیں جن سے آبپاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس لیے یہاں کھیتی باڑی اچھی ہوتی تھی۔"[۱]

عرب مصنفین نے صرف شہر یا موضع کے نام کا تذکرہ کیا ہے اس میں رہنے والوں کے بارے میں ان کی کتابوں میں کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ان دنوں میں موضع کے نام والا قبیلہ یقیناً وجود رکھتا ہوگا۔ ایرانی بلوچستان سے شنید میں آیا ہے کہ وہاں "گیشتگ" نام کے افراد ہوتے تھے جو بطور طائفہ یہ نام استعمال کرتے رہے ہیں۔

---

[۱] حوالہ: "بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں" از ڈاکٹر عبدالرحمن براہوئی، صفحہ 47۔ مصنفِ کتاب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ سوراب کا پرانا نام تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ دونوں مقام اپنے اپنے حدود میں الگ الگ موجود ہیں اور فاصلے سے ہیں اور مقامی لوگ بھی اسے سوراب سے الگ گاؤں کہتے ہیں۔

لالئیان

"لالئیاں" پنجگور میں ایک قدیم موضع رہا ہے جسے علاقے کی قدیم ترین مواضع میں سے ایک موضع کہا جاتا ہے۔ لالئیان جمع صورت ہے "لالئ" کی۔ مذکورہ مقام اب کھنڈر کی شکل میں تباہ شدہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پنجگور علاقے کی قدیم ترین جگہ یہی رہی ہے۔ اُن دنوں پنجگور کے نام سے کوئی جگہ وجود نہیں رکھتا تھا۔ آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ گنجان مقام یہی تھا۔ یہاں کے لوگ بڑے جنگجو اور باغی قسم کے ہوتے تھے۔ علاقے پر ایران کی بالادستی تھی لیکن لالئیان کو ایران کی بالادستی کسی صورت قبول نہیں تھی وہ بار بار بغاوت کرتے تھے اور اندرون ایران لوٹ مار اور قتل و غارت گری کرتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ایرانی حکومت ان پر بار بار حملے کرتے اور تباہی پھیلا کر جاتے تھے۔ رائے ہیتورام نے بھی اپنی تاریخ بلوچستان میں لالئیان پر ایرانی تاراجیوں کی روایتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پنجگور کی وجہ تسمیہ کی ذیل میں وہ لکھتے ہیں کہ ایرانی افواج نے لالئیان پر بڑا حملہ کیا جس کے نتیجے میں کئی لوگ تہہ تیغ ہوئے لیکن منجملہ فوج کے بھی پنج نفر معتبرین مارے گئے جن کی قبریں اس جگہ بنائی گئیں جس کے سبب پنجگور (یعنی پانچ قبر) اس جگہ کا نام پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ غلط العام میں پنجگور مشہور ہوا۔(۱)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجگور نام سے قبل "لالئیان" وجود رکھتا تھا۔ اس شہر یا مقام کی آخری تباہی کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بڑے قحط کی زد میں آکر لوگ کھانے کی اشیاء کو ترس رہے تھے کہ ایک بڑے ٹڈی دل نے شہر پر حملہ کر دیا اور بچے کھچے فصلات کو چٹ کر گیا حتیٰ کہ کھجور کے درختوں

پر پتوں کا بھی نام و نشان نہ رہا اور نہ کہ دیگر درختوں پر پتے بچے۔ لاکھوں کے ٹڈی دل نے انسانوں پر بھی حملہ کیا اور بچوں تک کو کھا گئے۔ کئی لوگوں نے بشمول عورتوں کے خوف کے مارے اپنے کو کنوؤں میں گرا دیا اور مر گئے۔ اس طرح لالئیاں کی آبادی نیست ہو گئی۔ جو اپنے کو بچا سکتے تھے وہ بھاگ گئے۔ تب سے لالئیاں کا مقام "ڈمب" (کھنڈر، ویران مقام) کہلاتا ہے۔

قبیلہ لالئی کے گنتی کے گھر موجودہ وقت میں سندھ اور صوبہ سرحد کے ڈیرہ اسماعیل خان سے آگے خوست کے قرب وجوار میں نظر آتے ہیں، سندھ میں ان کے چند گھرانے بکھرے ہوئے ہیں اور ان کی کوئی اجتماعی آبادی نظر نہیں آتی۔ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں اس قبیلہ کے ایک گروہ نے خوست کے نزدیک ایک بستی بسائی اور وزیری قبیلے کا حصہ بنے۔ زیادہ دیر نہیں گزرا کہ قبیلہ بنوچی نے انہیں اس جگہ سے بے دخل کیا اور پھر وہ نقل مکانی کر کے کوہ سفید کے مغربی دامان " ننگرہار " میں بس گئے۔ جہاں پر وہ وزیریوں کے ایک طائفے کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نسلی لحاظ سے یہ لالئی کون تھے کوئی نہیں جانتا، نہ کسی تحریر و تاریخ میں ان کا کوئی تذکرہ ملتا ہے۔ ان کی قدامت کے پیش نظر انہیں قدیم نسلی بلوچوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

لکّی

بلوچستان کے ساحلی ضلع لس بیلہ میں حب اور کراچی کے درمیان لکّی نام کا قدیم موضع ہے۔ اس نام کا ایک قدیم گنبد پنجگور کے گاؤں گرمکان میں تھا جو اب گر کر ایک ملبے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ پنجگور کے علاقہ گچک میں لکّی موضع ہے

ان کے علاوہ ضلع بولان سے گنداوہ میں بھی لکی کے نام سے چڑھائی ہے۔ سندھ کے سیہون بھی لکّی گاؤں ہے۔

لکی ہے تو ایک قبیلہ لیکن ان کا بنیادی اور اصلی وطن کہاں تھا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ پاکستان وہندوستان میں موجودہ وقت میں قبیلائی حیثیت میں اس کا وجود نہیں ہے۔ البتہ ایران اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں اس کے گھرانے پھیلے ہوئے ہیں۔ لُرستان، سیمرہ، رودہائے کشغان، خرّم آباد کے علاقوں میں یہ قبیلہ آباد ہے جہاں ان کی حیثیت قبیلائی کم اور مذہبی زیادہ ہے۔ یہ اپنے اجتماعات مختلف موقعوں پر منعقد کرتے ہیں اذکار پڑھتے ہیں اور شدید جوش و مستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگ پر ناچتے ہیں۔

لُوط

لوط، بلوچستان میں ایک بڑے خطے اور صحرا کا نام ہے۔ اس صحرا کا ایک حصہ ایرانی حدود میں ہے جب کہ دوسرا حصہ بلوچستان کے ضلع خاران میں واقع ہے۔ تاریخی نام آثار قدیمہ ہوتے ہیں اور قدیم اقوام یا قبائل کی بود و باش کی نشانیاں اور شہادتیں ہوتی ہیں۔

یہ ایک قدیم قوم تھی جس کی نسبت یقیناً حضرت لوطؑ ولد حاران سے ہے۔ جنھوں نے اپنی زندگی کے شب و روز اپنی قوم کو راہِ حق پر لانے کی جدوجہد میں صرف کی لیکن یہ قوم سدھر نہ سکی۔ قوم کی اکثریت لواطت کے مرض میں مبتلا تھی اور اس کے بڑے بڑے لوگ لڑکوں سے اپنی جنسی خواہشات پوری کرتے

تھے۔ جب لوطؑ کی تمام تر تبلیغ اور جہد مسلسل ان کو راہ راست پر لگانے میں ناکام ہوئی تو انہوں نے خدائے واحد سے دعا کی کہ ان پر اپنا عذاب نازل کرے۔

حضرت لوطؑ کی دعا قبول ہوئی اور انہیں حکم ہوا کہ راتوں رات اپنے گھر والوں (علاوہ بیوی) کو لے کر علاقہ سے نکل جائے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے کہ اب عذاب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک زبردست پتھروں کی بارش کے نتیجے میں یہ نافرمان قوم نیست و نابود ہو گئی۔ نہ صرف یہ کہ عذاب پتھروں کی بارش تک محدود تھا بلکہ پوری زمین جس پر یہ قوم ایک آن و شان سے بس رہی تھی الٹ دی گئی۔ قرآن پاک کی مختلف صورتوں میں یہ قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حضرت لوطؑ اپنے لوگوں اور پیروکاروں کے ساتھ کس علاقے کی طرف نکل گئے اس بارے میں تفاسیر میں مختلف جگہوں کے نام آتے ہیں جن میں ایک نام حاران کا آتا ہے۔ اس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت لوطؑ اپنے پیروکاروں کے ساتھ کچھ عرصہ اس صحرا کے کسی مقام پر قیام کر چکے ہوں گے۔ پھر وہ مقام ان کے نام پر پر مشہور ہو گیا ہو گا۔ یا ممکن ہے کہ حضرت خود چند پیروکاروں کے ہمراہ اپنے نئے منزل کی طرف چل دیئے اور قبیلہ کا کوئی طائفہ مذکورہ علاقے میں بس گیا جس سے ان کی نئی بستی کا نام لوط پڑ گیا۔

کچھ تحریروں میں آتا ہے کہ قبیلہ لوط، عذاب آنے سے قبل اسی صحرا میں آکر آباد ہوئے تھے اور پھر یہیں سے ملک کنعان چلے گئے تھے۔ اس سلسلے میں میر عبدالقادر بلوچ حارانی اپنی تصنیف "مجموعہ بلوچ تاریخ خاران" کے صفحہ نمبر 27 پر کتاب مقدس انجیل کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کتاب مقدس ترجمہ انجیل صفحہ 13، ب ۱۱، پیرا نمبر 31، نام کتاب پیدائش حوالہ ۱۱-۱۷ تارح نے اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنے پوتے لوط کو جو

حاران کا بیٹا تھا اور اپنی بہو سارا کو جو اس کے بیٹے ابراہیم کی بیوی تھی ساتھ لیا اور حاران تک آئے اور وہیں رہنے لگے اور تارح کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی اور اس نے حاران میں وفات پائی۔"

دوسرا حوالہ ملاحظہ کریں جو اسی کتاب کے صفحہ (2)37 پر درج ہے۔

"کتاب مقدس ترجمہ انجیل صفحہ نمبر ۱۳ اب ۱۲ نمبر ۱-۲-۳-۴-۵، نام کتاب پیدائش ۱۱-۷۱-۱۲-۷۱۔ ابرام ۷۵ برس کا تھا جب وہ حاران سے روانہ ہوا اور انہوں نے اپنی بیوی سارا اور اپنے بھتیجے لوط کو اور سب مال کو جو انہوں نے جمع کیا تھا اور ان آدمیوں کو جو ان کو حاران میں مل گئے تھے ساتھ لیا اور ملک کنعان کو روانہ ہوا۔ خداوند نے ابرام سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناطے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا جو میں تجھے دکھاؤں گا اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا۔ سو تو باعث برکت ہوا، جو تجھے مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے۔ سو ابرام خداوند کے کہنے کے مطابق چل پڑا اور لوط اسی کے ساتھ گیا۔"(۲)

انجیل مقدس کے مندرجہ بالا حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب آنے سے بہت قبل حضرت لوطؑ، ایام جوانی میں حاران آئے تھے اور ایک لمبے عرصے تک یہیں قیام پذیر رہے تھے اور پھر ان کی نسبت سے قوم لوط کی تشکیل ہوئی تھی اور پھر یہیں سے یہ قوم کنعان کی طرف ہجرت کر گئی تھی۔

ہم درج بالا دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو تسلیم کریں تو پھر بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ صحرا کے کسی حصے میں کسی زمانے میں قوم لوط آباد تھی۔ جو اس کے نام کی تاریخی یادگار ہے۔

نیز یہاں پر ایک سوال حل طلب ہے کہ وہ کونسا حاران تھا یا ہے جہاں محولہ بالا مشترک ہستیوں نے آبادکاری کی اور بس گئے کیوں کہ ہمارے قدیم سیستان کے اس جنوبی حصے میں حاران نام کی دو جگہیں ہیں۔ ایک تو ضلع حاران (اسے خاران تلفظ فارسی زبان نے دیا ہے۔ بلوچ اسے زمانہ قدیم سے آج تک حاران ہی کہتے ہیں) ہے۔ جو قبیلہ نوشیروانی کا مرکز اور سابق حکمرانوں کا پایہ تخت رہا ہے۔ اس کا مرکزی مقام بلخ کہلاتا رہا ہے۔ اس حاران کے لیے عربی اور دیگر تواریخ میں لفظ " قارہ، کارا، کاریں، قاران اور قارن استعمال ہوا ہے۔(۳) حاران کبھی بھی تحریر میں نہیں آیا ہے اسے صرف بلوچ لوگ بوجہ نہ بول سکنے "ح" اور "ق"، حاران تلفظ کرتے رہے ہیں اور فارسی زبان نے عربی قاران کو خاران کا تلفظ دیا ہے۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ حاران نہیں ہے جو حضرت لوطؑ کے قصے سے منسلک ہے۔

دوسرا حاران، ضلع خاران کی شمالی سرحد اور سیستان کی جنوبی سرحد سے قریب ایک قدیم مقام ہے جس میں ایک قدیم شکستہ ڈھیری موجود ہے جو "حاران" کہلاتی ہے اور زمانہ قدیم سے ڈھیری کا قرب وجوار یہی نام لیے ہوئے ہے۔ یہی وہ حاران ہو سکتا ہے جو متذکرہ بالا قصے سے مربوط ہے۔

اب ہم آتے ہیں اس حاران کی وجہ تسمیہ کی طرف۔ درج بالا صحیفوں کے حوالے اور مذکورہ تجزیہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حاران اسی سرزمین پر رہائش پذیر تھے اور اس روئے زمین پر سینکڑوں شہر اور مواضع شخصیتوں کے نام پر مشہور اور قائم و دائم ہیں۔ تو کیا مذکورہ مقام حاران کے نام کی نسبت سے شہرت نہیں پا سکتا؟ اگرچہ ہم اسے ثابت نہیں کر سکتے لیکن اسی (۸۰) فیصد اس کا احتمال ہے۔

نیز واضح ہو کہ حضرت ابراہیمؑ اسی دوران اپنی تبلیغ جاری رکھے ہوئے ہے جس کی اطلاع بادشاہ نمرود کو پہنچ جاتی ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا باپ جو نمرود کا خاص درباری ہے، بیٹے کے خلاف نمرود کو شکایت کر کے کہتا ہے کہ اگر ابراہیم کو ایسے آزاد چھوڑا گیا تو ہمارے دیوتاؤں کو تباہ کر کے دین کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر ان سے مذاکرہ کرنے کے بعد انہیں گرفتار کرا کر فیصلہ کے لیے اپنے قومی جرگے کے حوالے کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت لوطؑ اور حاران بھی گرفتار کیے جاتے ہیں۔ قومی جرگہ تینوں کو آگ میں جلانے کی سزا تجویز کرتا ہے اور انہیں آگ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ حاران آگ میں جل کر کوئلہ بن جاتا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کو اللہ تعالیٰ زندہ سلامت بچالیتا ہے۔(۴) قرآن پاک کی سورۃ الانبیا کی آیات 71 ہے

> اردو ترجمہ "ہم اسے (حضرت ابراہیمؑ) اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں (یعنی شام و فلسطین کی سرزمین)۔"(۵)

محولہ بالا قرآنی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمرود کی طرف سے دی گئی سزا کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور لوط کو بلوچ سرزمین سے شام و فلسطین جانے کا حکم ہوا۔ اس وقت تک وہ بلوچ سرزمین پر موجود رہے تھے اور اس موجودگی کے ناقبل تردید ثبوت بر سرزمین وجود رکھتے ہیں۔(۶) سب سے بڑا ثبوت خود نمرود کلات یعنی نمرود کا قلعہ ہے جو ضلع کیچ کے دشت میں قدیم کالدیائی بندرگاہ ہر منر سے تقریباً پنتالیس میل کے فاصلے پر سُنٹ سر کے مقام ہور (خلیج) میں دیو ہیکل ملبوں کی صورت میں موجود ہے۔

قلعہ کا مقام ہور یعنی خلیج اس لیے کہلاتا ہے کہ صدیوں قبل یہ مقام بڑا خلیج ہوتا تھا جہاں پر سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا اور یہ تجارتی بندرگاہ ہوتا تھا جہاں پر بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔ دوسرا قریبی تاریخی بندرگاہ بندر ہرمنز تھا جس کا اب صرف مقام اور نام باقی رہ گیا ہے۔

نمرود کلات (قلعہ نمرود) سُنٹسر تحصیل سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر مغرب کی سمت میں واقع ہے اور دیو ہیکل ملبوں کی صورت میں زمین بوس ہے جسے آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے مکران کے خطہ اور بلوچستان کا اہم ترین شہر پناہ لکھا ہے۔ اس آثار قدیمہ کے دو اور مروج نام مشہور ہیں ایک "سوتکالءِ کلات" جس کے معنی سوختہ جگہ کا قلعہ۔ دوسرا نام "ستلگیں ڈور" ہے جس کے معنی ہیں سوختہ یا خاکستر شدہ نالہ۔ در اصل مذکورہ دونوں نام پورے آثار قدیمہ کے نہیں بلکہ اس کے دو حصوں کے الگ الگ نام ہیں۔ اس آثار قدیمہ کے تین حصے ہیں پہلا اور سامنے کا حصہ "نمرود کلات" (قلعہ نمرود) کہلاتا ہے جس کی طویل فصیل کا ملبہ ایک دو منزلہ عمارت کی بلندی کے برابر ہے۔ جس پر چڑھ کر پھر اس عبرت کدہ کے صحن میں اترنا پڑتا ہے۔ صحن کا رقبہ کم و بیش دو ہزار مربع گز بنتا ہے۔ مزید کئی سو مربع گز زمین چاروں طرف فصیل کے ملبے کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ قلعہ کی مشرقی فصیل بھی تقریباً دو منزلہ مکان کی اونچائی کے برابر ہے جب کہ شمالی فصیل کی اونچائی تین منزلہ مکان کی اونچائی کے قریب قریب ہے۔ شمال مغرب کی سمت فصیل کی چوڑی بنیادیں نظر آتی ہیں جو کہ تراشیدہ اور نیم تراشیدہ بڑے بڑے پتھروں سے اٹھائی گئی ہیں۔ ان کی چوڑائی کسی بھی طرح سات آٹھ فٹ سے کم نہیں ہوگی۔ کہیں کہیں سوختہ اینٹیں بھی بکھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

قلعہ کی مغربی فصیل، مشرقی فصیل کی نسبت کم اونچی ہے جو پتھروں اور مٹی کا ایک لمبا اور چوڑا پہاڑی بند دکھائی دیتا ہے۔ جو ایک منزلہ مکان کی اونچائی کے قریب ہے۔ لیکن نچلے پھیلے ہوئے ملبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سمت بھی یہ دو منزلہ رہا ہے۔ قلعہ کی فصیل کے ملبہ پر پانچ برجیوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ چار برجیاں چاروں کونوں پر ایک بُرجی مشرقی فصیل کے بیچ میں رہی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی فصیل پر بنائی گئی بُرجی فصیل کی پرلی طرف کی رہائشی آبادی پر نظر رکھنے کے لیے بنائی گئی ہوگی جو اس آثار قدیمہ کا دوسرا بڑا حصہ ہے۔ آثارِ قدیمہ کے انگریز ماہرین اور خزانہ کے متلاشیوں نے سب سے زیادہ کھدائی اور مدفون اشیا کی توڑ پھوڑ یہیں پر کی ہے۔

قلعہ کا مین گیٹ جنوب کی طرف سائیجی سلسلہ کوہ کے فلک بوس حصار کے سامنے واقع رہا ہے جس کی چوڑائی دس اور بارہ فٹ کے درمیان ہے۔ اب اس کے سامنے گیٹ کے باہر کی طرف کی دونوں کونوں کی بلند و بالا برجیوں کا ملبہ پڑا ہوا ہے۔ جو موجودہ وقت میں کسی تین منزلہ بلڈنگ کی اونچائی سے کسی طور کم نہیں ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے وقت میں یہ برجیاں کم از کم چار منزلہ رہی ہوں گی اور ان کے سامنے شاید محافظین کے رہائشی مکانات ہوں گے جو اب ملبہ کی شکل میں بڑے پہاڑ لگتے ہیں۔ جنہیں آثار قدیمہ والوں اور خزانے کی متلاشیوں نے جگہ جگہ کھود کر کھڈے بنائے ہیں۔ قلعہ کا صحن کافی کشادہ اور وسیع رہا ہے جہاں ہنگامی حالات میں ایک بڑا لشکر جمع کیا جاسکتا تھا۔ صحن کے چاروں اطراف مستطیل فصیل کے دامن میں تعمیرات کے آثار نظر آتے ہیں۔ صحن میں جگہ جگہ کھدائیاں کی گئی ہیں جہاں پر منقش اور سادے کچے برتنوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے، منکے،

پتھر کے اوزاروں کے ٹکڑے، جانوروں اور پرندوں کے شکار میں استعمال ہونے والے گول پتھر سینکڑوں کی تعداد میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قلعے کے صحن کی نسبت پرلی طرف کے رہائشی حصے میں یہ چیزیں زیادہ پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں ویسے بھی رہائشی مقام کو سب سے زیادہ کھودا اور چھان مارا گیا ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ چند سال قبل تک یہاں غیر ملکی گورے آتے رہے ہیں اور کئی کئی دنوں تک انہوں نے یہاں کیمپ کیا ہے گاؤں سے مزدور لا کر کھدائیاں کرواتے رہے ہیں اور کئی اشیاء راتوں کو پیک کر کے خفیہ طور پر لے جاتے رہے ہیں۔

اس حصے میں ایک مدفون بھٹی اور ایک مندر کے آثار بھی ملے ہیں جہاں سے سنگ مرمر کے کئی بت بھی نکالے گئے ہیں جو آثار قدیمہ کے سمگلروں کو فرخت کیے گئے ہیں اس قدیم ٹیلہ کا تیسرا اور آخری حصہ وہی مقام ہے جو "ستلگیں ڈور" کہا جاتا ہے یعنی جلا ہوا خاکستر شدہ نالہ۔ اس مقام کو ایک دوسرے نام "سوتکال" بمعنی جلی ہوئی جگہ بھی کہا جاتا ہے۔ تقریباً تین سو مربع گز یا قدرے زیادہ رقبے پر مشتمل ہے۔ یہ ہموار جگہ معلوم تاریخ میں دو مرتبہ سیلابی مٹی میں دب کر پھر سیلابی ریلوں کے ذریعے نمودار ہوا ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کہا ہے صدیوں سے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ اب یہ جگہ ببول اور جھنڈ کھنڈ کے درختوں میں گری ہوئی ہے اور اس کا سارا رقبہ سیاہ اور جلا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مسلسل آگ جلائی جاتی رہی ہے۔ سطح زمین سے کئی فٹ نیچے تک ایک ہی جلی ہوئی مٹی نکلتی ہے حتی کہ نیچے سے جو پتھر نکلے ہیں وہ بھی جلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس مقام سے کوئی تعمیراتی آثار نہیں ملے ہیں اس لیے یہاں پر کھدائی کا کام زیادہ نہیں ہوا ہے۔

مقامی روایتوں کے مطابق یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں پر کالدیا کے شہنشاہ نمرود بیلوص (بلوچ) کے حکم سے قبائلی جرگہ نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنے کی قبائلی سزا پر عملدر آمد کرنے کے لیے آگ جلانے کا اہتمام کیا تھا اور انہیں اسی آگ میں پھینک دیا گیا تھا۔

یہ مقام ایک فصیل کے اندر بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے اس کے شمالی کنارے تک نمرود قلعہ کے مشرقی کونے سے ایک لمبی فصیل کا ملبہ آن ملتا ہے اور جلے ہوئے سائیٹ یعنی سوتکال کے بالکل سامنے ایک مینار یا برج کے آثار ہیں اور اس کا بلند و بالا ملبہ پڑا ہے۔ سنگلگیں ڈور کا یہ مقام نمرود بلوچ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنے کے مبینہ واقعہ کی صحیح تصویر پر دکھائی دیتی ہے۔ اس واقعے کے بارے میں قرآن مجید کا بیان اور اسلامی روایتیں نقشہ کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں:

"انہوں نے آپس میں کہا" اس کے لیے ایک الاؤ تیار کراؤ اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔"

(سورۃ الصّٰفّٰت آیہ ۹۷)

جناب قاری اشرف احمد صاحب نے اپنی تصنیف "تذکرۃ الانبیاء" جلد اوّل صفحہ ۱۴۹ پر معارف القرآن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ،

"ایک مہینہ تک سارے شہر کے لوگ آپؑ کے جلانے کے لیے لکڑی وغیرہ، سوختہ کا سامان جمع کرتے رہے۔ پھر اس میں آگ لگا کر سات دن تک اسے دھونکتے رہے اور بھڑکاتے رہے۔ یہاں تک اس کے شعلے فضائے آسمانی میں اتنے اونچے ہو گئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر گزرے تو جل جائے۔ اس وقت ارادہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالا جائے تو فکر ہوئی کہ کیسے ڈالیں۔ اس کے پاس تک جانا کسی کے بس میں نہیں تھا (کیوں کہ جو پرندہ اس کے پاس سے گزرتا، اس کی تپش سے جل کر

کباب بن جاتا)۔ شیطان نے ان کو منجیق (گوپیا) میں رکھ کر پھینکنے کی
ترکیب بتائی۔"

آگے لکھتے ہیں:

"نمرود کی بیٹی رعفہ تھی جو اوپر کھڑی ہوئی تھی اور ابراہیمؑ کے آگ میں
ڈالے جانے کی تمام کارروائی کو تعجب سے دیکھ رہی تھی۔"(صفحہ 150)

سنگگیں ڈور کا تاریخی مقام مندرجہ واقعات کی زندہ تصویر ہے۔ ہرمز کا یہ قریبی خطہ قدیم سلطنت کالدیا کا علاقہ رہا ہے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر نمرود بیلوص کا آبائی وطن تھا۔ جو طاقت اور قبائلی قوت کے غرور میں خود کو اپنے خود ساختہ دین کا خدا کہتا تھا۔ جس نے حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ دین کو اپنے حدود سلطنت اور خصوصی طور پر اپنے "بلوچ ملک"(۶) میں مداخلت سے تعبیر کیا اور اسے گرفتار کر کے فیصلے کے لیے اپنے قبائلی جرگے کے حوالے کیا جہاں پر سرداروں نے انہیں آگ میں ڈالنے کی سزا سنائی۔ یاد رہے کہ بلوچوں میں صدیوں سے آج تک ملزمان کی سچائی پرکھنے کی غرض سے انہیں یا تو آگ اور انگاروں پر سے گزارا جاتا ہے یا پھر گہرے پانیوں میں ایک خاص وقت تک ڈبویا جاتا ہے۔

اب ہم اس تاریخی مقام کے بارے میں آثار قدیمہ کے ماہرین کی رپورٹوں کی طرف آتے ہیں جن کا خلاصہ ہم نے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کی شائع کردہ کتاب "بلوچستان ماقبل تاریخ" سے اخذ کیا ہے جو معروف محقق ملک محمد سعید بلوچ کی تصنیف ہے وہ لکھتے ہیں:

"1955 میں پی-باڈی- مسلم ہارورڈ یونیورسٹی کی طرف سے آثارِ قدیمہ کے ماہرین کی ایک ٹیم نے ڈاکٹر ہنری فیلڈ کی سرکردگی میں بلوچستان ہجری دور کی باقیات کی تفتیش کے سلسلہ میں کئی علاقوں کے دورے کیے جن میں کیچ اور وسطی مکران کے کئی علاقے شامل تھے۔

اس ٹیم نے اپنے دوروں کے دوران پینیتیس کے قریب ٹیلوں اور ڈھیریوں پر باقیاتی تفتیش کا کام کیا جن میں مکران کا یہ اہم ترین شہر پناہ "سنتگگیں ڈور" کا سائٹ بھی شامل تھا۔ 1959-60 کے دوران نیچرل ہسٹری میوزم نیو یارک کی ایک اور امریکی ٹیم نے بھی لسبیلہ اور مکران کے ساحلی علاقوں میں باقیاتی تفتیش کا کام کیا اور حجری دور کے استعمال کردہ حجری اوزار اور ظروف گلی دریافت کیے۔ اس ٹیم نے بھی "سنتگگیں ڈور" کے دو چار مقامات پر کھدائی کا کام کیا اور کافی باقیات اکھٹی کیں۔ اس ٹیم نے "سنتگگیں ڈور" کے مقامات سے حاصل کردہ ظروف گلی، چقماقی پتھر اور پتھر کے چھوٹے اور درمیانی درجے کے گولوں کا جائزہ لیا اور اس کلچر کو عراقی کلچر کا نمائندہ قرار دیا۔

اس جماعت کے فاضل اراکین نے اپنا سفر کوہ ملان سے شروع کیا اور اسے جیوانی بندر تک جاری رکھا۔ انہوں نے اس علاقہ میں بڑی محنت اور جان فشانی سے باقیاتی تفتیش کی۔ اپنی ابتدائی سرگرمیوں میں انہوں نے سب سے پہلے "سنتگگیں ڈور" کے قدیم ٹیلے کا جائزہ لیا جو دریائے دشت کے کنارے واقع ہے۔ یہاں سے اہم شواہد دریافت کر لیے۔ انہوں نے "سنتگگیں ڈور" کے قلعہ کے عین وسط میں ایک خندق کھدوائی جس کے دوران تعمیرات کی تین صورتیں دریافت ہوئیں اور یہ تینوں صورتیں اصل فصیل کے ساتھ تعمیری رشتہ رکھتی تھی۔"

اسی کتاب میں آگے چل کر "ساحلی بستیاں" کے موضوع پر "سنتگگیں ڈور" کے بارے میں آثار قدیمہ کی رپورٹوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"یہ قدیم بستی دریائے دشت کے کنارے واقع ہے۔ اس کے معنی جلے ہوئے ٹیلے کے ہیں (فاضل مصنف نے ڈور کے معنی ٹیلے کے لکھے ہیں جو کہ غلط ہے۔ ڈور کے معنی اس مضمون کے شروع میں لکھ دیئے گئے ہیں)

یہاں ماہرین آثارِ قدیمہ کی نگرانی میں کئی ایک خندقیں کھودی گئیں جہاں آٹھ نو فٹ کی گہرائی تک ٹھیکریاں ہی ٹھیکریاں پائی گئیں۔ اور سب سے اہم دریافت یہ ہوئی کہ یہاں ایک ٹھوس فصیل کے آثار دریافت ہوئے۔ اس فصیل کا احاطہ مستطیل ہے۔ اندر کی طرف سے اس کی لمبائی شمالاً جنوباً ۱۷۰ گز ہے اور شرقاً غرباً اس کی چوڑائی ۱۲۵ گز ہے۔ یہ شہر پناہ پتھر کی چوکور سلوں سے تعمیر کیا گیا تھا جن کو مٹی کے گارے سے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے جنوب مغربی گوشے میں ایک دروازہ کے آثار پائے گئے جو تقریباً 8 فٹ چوڑا ہے۔ اس دروازے کے دونوں طرف مستطیل برج بھی تعمیر کیے گئے تھے۔ کھدائیوں کے دوران یہاں ایک خاکدان بھی ملا جس کے اندر راکھ بھری ہوئی تھی۔ خیال ہے کہ انسانی لاشوں کو جلانے کے بعد ان کی ہڈیاں راکھ سمیت اسی خاکدان میں دفن کی جاتی تھیں۔ اس جگہ سے خاکستر بھرے ہوئے برتن بھی ملے ہیں۔

اس قلعہ کے عین وسط میں ایک خندق کھدوائی گئی جہاں عمارت کی تین صورتیں دریافت ہوئیں جو ہڑپہ لوگوں کے کلچر سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابتدائی تعمیرات کی خصوصیت پتھر کے بنے ہوئے عمارتی ڈھانچوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ تعمیرات کی دوسری صورت میں وہ فرش ہے جس کی بنیاد میں پتھر استعمال کیا گیا تھا اور تیسری صورت وہ باقاعدہ عمارتی آثار اور ڈھانچے ہیں جن کی دیواروں کو نیم تراشیدہ پتھر کی سلوں سے تعمیر کیا تھا۔ اس خندق کی کھدائی کے دوران وہ چٹان بھی 12 فٹ کی گہرائی میں دریافت ہوئی جس کے اوپر قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اور اس سے فصیل کا اندرونی رخ بھی ظاہر ہوا۔ جس کے سامنے ساڑھے سات فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا چبوترہ تعمیر کیا گیا تھا۔ ان کی تعمیرات کا زمانہ وہی ہے جس کے دوران خود فصیل کی تعمیر عمل میں آئی تھی۔ یہاں ایک مسلسل آبادی

کے آثار دریافت ہوئے جو کلیتاً ہڑپہ کلچر پر مشتمل تھی۔ اس بستی کے باشندوں کا سب سے اہم پیشہ تجارت تھا۔ یہ لوگ ماہگیری کے فن سے پوری طرح ماہر تھے اور کشتی بانی اور کشتی سازی میں بھی مہارت رکھتے تھے اور سمندر تک ان کو رسائی حاصل تھی۔ خیال ہے کہ وادی سندھ، عراق اور خلیج فارس کے درمیان جو مال بردار کشتیاں چلتی تھیں وہ خوارک اور پانی حاصل کرنے کے لیے یہاں لنگر انداز ہوتی تھیں۔ یہاں سے خشک مچھلی دساور کو بھیجی جاتی تھی۔ اس قسم کے ظروف گلی کے نمونے دریافت کیے گئے ہیں۔ جو کلیتاً ہڑپہ کلچر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں سے تانبا اور پتھر کے اوزار اور اسلحہ بھی دریافت کیے گئے ہیں۔ یہاں سے سیپ گھونگھے اور مچھلی کی ہڈیوں کے زیورات اور منکے بھی ملے ہیں۔ آثار قدیمہ کے ممتاز ماہرین جن میں آر۔ آئی۔ رائیکس اور مسٹر ہارگریوس بھی شامل ہیں، نے بلوچستان میں پتھروں سے تعمیر کردہ شہر پناہ اور فصیلوں میں سب سے اہم ترین شہر پناہ اور فصیل "سنتگیں ڈور" کے اس قلعہ کو قرار دیا ہے۔"

حیرت کی بات ہے کہ ان ماہرین نے صرف باقیاتی تفتیش تک اپنا کام محدود رکھا اور اس اہم ترین بادشاہی مقام کی روایتی تاریخ کا کھوج نہیں لگایا۔ انہوں نے وسیع و عریض قلعہ کے علاوہ سوختہ اور سیاہ شدہ ڈور کے بارے میں روایتوں کا کھوج نہیں لگایا اور نہ اس مقام کی کھدائی کی۔ یہ یقینی امر تھا کہ اگر یہ ماہرین روایتی تاریخ کا کھوج لگاتے تو اس مقام کے اہم شہر پناہ اور قلعہ کا نام انہیں چونکا دیتا اور پھر وہ مختلف زاویوں اور تاریخی حوالوں کی روشنی میں نہ صرف اپنے تفتیشی کام میں مزید دلچسپی لیتے اور اسے وسعت دیتے بلکہ مزید جہتوں پر تحقیق کرتے جس کے نتیجے میں تاریخ کے کئی پہلو منکشف ہوسکتے تھے۔

نمرود قلعہ کے اس نادر تاریخی یادگار کو آثارِ قدیمہ کے غیر ملکی ماہرین نے پورے بلوچستان کا سب سے اہم ترین شہر پناہ قرار دیا ہے لیکن وائے افسوس کہ آثارِ قدیمہ کے پاکستانی ادارے نے اسے شاید بلوچ تاریخ سے نسبت رکھنے کی بنا پر نظر انداز کیا ہے۔ حالاں کہ اس ادارے نے کئی معمولی اور غیر اہم ٹیلوں پر نظر کرم کی ہوئی ہے۔ جن کو بلوچوں کی تاریخ و تہذیب سے نسبت نہیں ہے۔

ظلم پر مزید ظلم یہ روا رکھا جارہا ہے کہ گوادر کو جانے والی مجوّزہ سی پیک ریلوے ٹریک کے نشانات اسی تاریخی مقام کی شمالی دیوار اور اس کی برجیوں کے ملبوں کے اوپر لگائے گئے ہیں جس سے بلوچستان کا یہ اہم آثارِ قدیمہ بلڈوزروں تلے صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ جو پونے پانچ ہزار سال سے موجود ہے۔ بلوچ لیڈروں خصوصاً بلوچ دانشوروں اور بلوچ تہذیب و ثقافت سے محبت رکھنے والوں کے لیے متعلقہ سرکاری سروے کا یہ منفی اقدام جس کی بروقت نشاندہی کی جارہی ہے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم سیاسی سماجی اور ادبی تنظیموں کو اس طرف متوجہ کرتے ہوئے وفاقی حکومت کے متعلقہ ادارے سے گزارش کرتے ہیں کہ ریلوے کے متعلقہ ٹریک کے نشانات کو نمرود قلعہ کے ملبہ پر سے ہٹا کر شمالی میدان سے یعنی ہور کے درمیان سے گزارا جائے اور اس تاریخی مقام کو چاردیواری یا آہنی باڑھ لگا کر محفوظ کیا جائے تا کہ یہ تاریخی آثارِ قدیمہ کم از کم اپنی موجودہ حالت میں تو باقی رہے۔

حواشی

۱۔ تاریخ بلوچستان، مطبوعہ گوشۂ ادب کوئٹہ، 2009ء، ص 318، ہیتورام کا پنجگور کی وجہ تسمیہ کا بیان ایک مفروضہ ہے۔ پنجگور نام میں موجود حروف گور (Gor) نہیں بلکہ گُور (Goor) ہے۔ جو آسانی سے گور میں نہیں بدلتا۔ نیز یہ علاقہ اپنے اطراف میں واقع مواضعات کے بشمول فارسی بولنے والا علاقہ نہیں رہا ہے۔ جب کہ لفظ "پنج گور" فارسی ترکیب ہے۔ فارسی زبان خطے میں محض ایک سطحی دفتری اور ملّاؤں میں نکاح ناموں اور تعویزوں کی زبان رہی ہے۔ عوام الناس کا اس سے واسطہ نہیں رہا ہے اور ایک سطحی زبان کسی قوم یا علاقے کی آبادیوں کو نام نہیں دے سکتی۔

پنجگور اور اس کے قرب وجوار میں کئی کشمیری اور ھندی قبائلی طائفوں کی آبادکاری کے آثار ہیں اور ان کے ناموں کے مواضع بھی ہیں۔ خود پنجگور کے اندر ایک دو گاؤں کشمیری و ھندی طائفوں کے نام پر ہیں۔ جو پروم اور سریکوران ہیں۔ اس لیے خیال یہی ہے کہ پنجگور جس کی اصل صورت "پنجگر" رہی ہے، ایک کشمیری قبیلے کا نام ہے جو کسی زمانے میں یہاں آباد ہوا کیوں کہ کسی دور میں متعدد ھندی اور کشمیری قبائلی طائفے عراق کی طرف جاتے ہوئے بلوچستان میں اپنی بستیاں بسا چکے تھے۔ ان میں پنجگور یا پنجگر نام سے ملتے جلتے کئی کشمیری طائفے ہوتے تھے جن میں سُور گر، کاشگر، ارباب گر، کمان گر، تیز گر، جاراگر وغیرہ شامل رہے ہیں۔ ان میں تیز گر، سُور گر اور جاراگر طائفوں کی آبادکاری کے ثبوت ان کے ناموں کے مواضعات کی صورت میں ہورماڑا، پسنی، زامران کیچ اور خضدار کے کوہستان میں موجود ہیں۔ امکان یہی ہے کہ پنجگور، پنجگر کی تبدیل شدہ صورت ہے اور یہ ایک کشمیری طائفے کے نام پر ہے۔ اسی طائفے کی آبادکاری پنجاب میں راولپنڈی میں بھی رہی ہے جہاں پر پنجگراں کے نام سے گاؤں آباد ہے۔

۲۔ مذکورہ حوالے تلمود اور بائبل میں بھی درج ہیں۔ جنہیں مفسرین قران زیر بحث لا چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کریں مولانا مودودی صاحب کی تفہیم القرآن جلد سوئم صفحات 170 سے 173 تک۔

۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اصطخیری کی تصنیف "کتاب المسالک والممالک"، محمڈن ہسٹری" حصہ اول والیوم سوئم از پرائس جس میں "روضۃ الصفا" سے حوالے دیئے ہوئے ہیں، اور آئینِ اکبری از ابولفضل۔

۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں" تفہیم القرآن" جلد سوئم، ص170، حاشیہ نمبر66۔

۵۔ تفہیم القرآن، جلد سوئم، ص169، حاشیہ 64۔

۶۔ بلوچ سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ کی موجودگی کا ایک اور ثبوت ضلع کیچ میں تربت کے گاؤں آبسر کے مشرق میں "پیغمبرء آپ" (پیغمبر کا پانی) نامی قدیم چشمہ ہے جو ہزاروں سالوں سے بہتا چلا آرہا ہے اور اب بہتی ہوئی ندی کے بیچ میں آگیا ہے۔ اس چشمے کا پانی صدیوں سے علاقہ کے باسیوں کی ہر قسم کی بیماریوں کے لیے وسیلہ شفا رہا ہے۔ لوگ اس کا پانی نہ صرف تبرک کے طور پر گھروں میں ہر وقت دستیاب رکھتے رہے ہیں بلکہ اپنے دور دراز کے عزیزوں کو بغرض علاج تحفتاً بھیجتے رہے ہیں۔ روایت ہے کہ جب ندی قدرے فاصلے پر بہتی تھی تو اس چشمے کے پانی کو نالی کے ذریعے اپنی زمینوں تک لے جاتے تھے اور محدود پیمانے پر انہیں سیراب کرتے تھے۔ کئی سالوں تک جب ندی خشک رہتی تھی تو گاؤں والے اسی چشمے سے پانی بھرتے تھے۔ یہ چشمہ ہزاروں سالوں سے ایک دن کے لیے خشک نہیں ہوتا تھا۔ البتہ خشک سالیوں کے دوران اس کے پانی سے زراعت نہیں ہوسکتی تھی۔ موسم برسات میں جب ندی بھر جاتی ہے تو یہ چشمہ ندی میں سمو جاتا ہے اور الگ نظر نہیں آتا۔

روایت ہے کہ ہزاروں سال قبل اس جگہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں "گنج بست" نامی ہوتا تھا۔ آس پاس میں چند ایک خشکابہ زمینیں ہوتی تھیں جو اس گاؤں کے باسیوں کے لیے وسیلہ

رزق تھیں۔ لیکن علاقہ شدید گرمی اور اکثر خشک سالی اور قحط کی زد میں ہوتا تھا اس صورت حال سے تنگ آکر کئی گھر گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور باقی بھی اپنا مستقبل تاریک دیکھ کر جانے کی تیاریوں میں تھے کہ ایک پیغمبر کے آنے اور قریبی میدانوں میں خیمہ زن ہونے کا چرچا ہوا۔ معلوم ہوا کہ خیمہ زن ہونے والے پیغمبر کا نام حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہے وہ نیکی سکھاتا ہے نماز پڑھاتا ہے اور نماز پڑھنے کی نصیحت کرتا ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اسے سلام کرنے جائیں اور اس سے دعا کروائیں کہ اس گاؤں میں بارشیں ہوں اور بارہ سالوں سے مسلط خشک سالی اور قحط ختم ہو۔ چنانچہ گاؤں والے ان کی خدمت میں گئے اور اپنا مدعا پیش کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے خیمے کے سامنے ایک مقام کو کھودنے کا کہا لوگوں نے ایک کھڈہ کھودا تو حضرتؑ نے اس میں اپنے مشکیزہ سے پانی ڈالا اور دعا کی۔ اگلے دن لوگوں نے آکر دیکھا تو کھڈہ بھر گیا ہے اور اس میں سے چشمہ تھوڑا تھوڑا ابل رہا ہے۔ لوگوں نے کھڈا سے ایک نالی کھودا اور چند قدم کے فاصلے پر ایک تالاب بنا دیا جس میں پانی بھرتا گیا۔ چند دن میں تالاب بھر گیا اور نالی کا پانی آگے بہتا رہا اور پھر ہزاروں سالوں سے بہتا چلا آرہا ہے جو اب بھرے ندی میں سمو گیا ہے۔ تب سے اس چشمے کا نام "پیغمبرءِ آپ" (پیغمبر کا پانی) ہے۔

مادِگ ءِ کلات

مادِگ ءِ کلات (مادّہ کا قلعہ) نامی جگہ کولواہ (ضلع آواران) میں ایک قدیم موضع ہے۔ کسی زمانے میں اس مقام پر کوئی قلعہ ہوتا تھا جو اب کھنڈر بن چکا ہے۔ لیکن نام ابھی تک اس مقام کا قلعہ سے منسوب ہے۔ بنیادی طور پر یہ لفظ مادّہ ہے جو بلوچی زبان میں ادئیگی میں "مادگ" بن جاتا ہے۔ اکثر ایسے الفاظ جن کے آخر میں "ہ" آتا ہے، بلوچ لوگ اسے "گ" سے ادا کرتے ہیں۔ مادہ ہی کے نام سے کولواہ ہی میں سگّک کے قریب ایک ندی ہے جو "مادگ ڈور" کہلاتی ہے۔ اسی طرح خاران میں بھی ایک مقام "مادّہ ریک" کے نام سے موجود ہے۔ ضلع کیچ میں بھی مادان کے نام سے ایک قدیم مقام واقع ہے۔ یہاں پر "مادان" بطور جمع کے استعمال ہوا ہے۔ بلوچستان کے کئی علاقوں میں بعض نام فارسی زبان کے اثر کی وجہ سے صیغہ جمع میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر کُھڈ سے کُھڈان، پیشک سے پیشکان، خُدا باد سے خدابادان، تیجاوہ سے تیجاوان (موجودہ لہجہ تجابان)، ہیت سے ہیتان، زامور سے زاموران، لائی سے لائیان وغیرہ وغیرہ۔

مادّہ ایک قدیمی ہندی قبیلہ رہاہے اور یہ قبیلہ سیوی کا برادر قبیلہ رہاہے۔ جس نے بلوچستان کے شہر "سیوی" کو اپنا نام دیا ہے۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ "پری بدھسٹ انڈیا" میں مذکور ہے کہ سیوی ایک قدیم شاہی خاندان رہاہے جس کے آٹھ بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے سیوی ریاست پر حکمرانی کی ہے۔ ان آٹھ بادشاہوں میں ایک بادشاہ "مادّا یا مادّہ" تھا۔ جو اپنی قوم کا جدّ امجد تھا۔ مادّا اور سیوی قبیلے قبل مسیحی زمانے کے قبیلے رہے ہیں۔ سیوی قبیلہ کے گھرانوں کا وجود نہیں ملتا

لیکن مادہ قبیلہ کے گھرانے اب بھی موجود ہیں۔ کراچی کے ہندوستانی مہاجروں میں بھی چند گھروں کی موجودگی کا بتایا جاتا ہے۔ مذکورہ آٹھ شاہی خاندانوں میں سے مادہ پہلا خاندان ہے جس کے گھرانوں نے مکران تک آباد کاری کی اور کولواہ کے خطّے میں قلعہ بند موضع آباد کیا اور آج تک اپنے نام کو زندہ رکھا ہے۔

مار

بلوچستان میں "مار" نامی کئی مواضع موجود ہیں۔ جن میں ضلع بولان کا مارواڑ(۱)، کوہلو اور وٹا کری (بولان ضلع) کے درمیان "مار"، ضلع مستونگ کے علاقہ کرد گاپ میں پہاڑی چوٹی "مار"، ضلع قلات میں منگچر کا کوہِ ماراں، ضلع آواران میں کوہستان درون میں "مار" ضلع قلات کے سوراب کا "مار آپ" اور ضلع خضدار کے کوہستانِ مُولہ میں "مار کوہ" نامی جگھیں قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیر میں بھی ایک پہاڑ "کوہ ماراں" اور ہندوستان میں ایک جگہ "مارواڑ" نامی موجود ہیں۔ "مار" نام لیے ہوئے مذکورہ سارے مقامات ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ایک قدیم قبیلہ رہا ہے جس کے طوائف یا گروہوں نے مختلف خطوں میں اپنی بستیاں بسائی تھیں جو آج تک اس قوم کے نام کی یادگاریں ہیں۔

کتاب "تاریخ گوجراں" میں اسے تاس گوجروں میں شمار کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں پھیل کر جگہ جگہ اپنی حکومتیں قائم کیں جن میں مہیسوار، دھا، اوجین، چندر بھاگا، چوّر، اسیر گڑھ، پرماوتی، امرکوٹ، بکھر وغیرہ شامل ہیں۔ مصنف کتاب تاس گوجروں کے مورث اعلیٰ کا نام تاکتیئس

گُرجی لکھتا ہے جو تاس گوجر مشہور ہو گیا تھا۔ وہ اسے سکندر اعظم کے بیٹے سکندروس گُرجی کا نواں بیٹا لکھتا ہے جس نے تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔

مذکورہ قبیلہ کا نام ہمیں دیگر ہندی و کشمیری اور ہندوکش کے قبیلوں میں نہیں ملا۔ مختلف مقامات پر قبیلہ کے نام کے مواضع یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی وقت یہ ایک بڑا اور پھیلا ہوا قبیلہ ہوتا تھا۔ لیکن موجودہ وقت میں اکثر علاقوں میں یہ قبیلہ معدوم نظر آتا ہے۔

ماڑی

بلوچستان میں کئی مواضع "ماڑی" کے نام سے موجود ہیں جن میں ماڑی مستونگ، ماڑی کوہ لورالائی، ضلع خضدار کے کوہستان میں کنجڑ کے قریب ماڑی، ضلع لس بیلہ میں ماڑی، ڈیرہ بگٹی میں ماڑی کوہ شامل ہیں۔ دیگر صوبوں میں بھی یہ نام ملتا ہے جیسے میانوالی میں ماڑی، کراچی میں ماڑیپور، وزیرستان میں ماڑی۔

"ماڑی" لوگ یا قبیلہ نسلاً کون تھے اور بنیادی طور پر کس ملک کے باشندے تھے کب اور کہاں سے آئے تھے اور پھر کہاں چلے گئے؟ ان کا کوئی قبیلائی مرکز بھی تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کہاں تھا؟ تاریخی کتب میں ان کے بارے میں کوئی تفصیلی تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف کتاب "شاہانِ گوجر" میں مختلف گوجر گوتوں کی فہرست میں اس قبیلہ کا نام درج ملتا ہے جسے ایک گوجر گوت کہا گیا ہے۔ مختلف جگہوں میں اس قبیلہ کی آبادکاری سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے وقت میں یہ ایک افرادی قوت رکھنے والا پھیلا ہوا قبیلہ ہوتا تھا۔ شاید قدیم ترین گوجروں میں اس کا شمار ہو گا۔

دجلہ وفرات کے علاقے میں ان کی ایک زمانے میں قائم بادشاہت کا ذکر کہانیوں کی ایک چھوٹی سی کتاب "چھبیلے بادشاہ" میں ملتا ہے جس میں ماڑی بادشاہوں نے تین سو سال تک بادشاہت کی تھی۔ حیرت ہے کہ تین سو سال حکومت کرنے والی قوم کا ذکر بڑی بے دردی سے غائب ہے۔

تُرکمانستان میں ایک صوبہ "ماری" کے نام سے موجود ہے جہاں پر ترکمنوں کے علاوہ کافی تعداد میں بلوچ بھی بود وباش رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ "ماری" کا "ماڑی" سے کوئی تعلق بنتا ہے کہ نہیں لیکن "ماڑی" سے وہاں بھی کوئی قبیلہ یا ذات وجود نہیں رکھتی۔

مِرمِر

"مِرمِر" ضلع کیچ میں ایک گاؤں ہے۔ مقامی لوگ اسے چھ سو سال سے زیادہ پرانا گاؤں کہتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

ترکی کے ترک قبائل میں قبیلہ "مِرمِر" کا نام ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ترکی کی ایک بڑی دریائی شاخ کا نام بھی مرمرا ہے۔ واضح ہو کہ مکران میں ترکوں کے بے حساب طائفے زمانہ بعید میں جگہ جگہ آباد تھے اور بلوچوں کے پہلو بہ پہلو رہتے تھے۔ نام "مکران" بھی ایک ترک قبیلہ "مُکّر" کے نام پر ہے۔ جس کا استعمال صیغۂ جمع میں ہے۔ اس قبیلہ کا شمار قدیم ترین ترکوں میں ہوتا ہے۔ مُکّر قبیلہ کے گھرانے موجودہ وقت میں پنجاب کے گوجروں میں ملتے ہیں۔ اس قبیلہ کے نام سے افغانستان میں "مکر" نامی گاؤں بھی موجود ہے۔ اس تناظر میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترک مِرمِر

ذات نے کسی زمانے میں کیچ کے مذکورہ مقام پر اپنا گاؤں بسایا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قبیلہ بڑے مکّر کا ہی ایک گوت رہا ہو۔

مرّہ

"مرّہ" کولواہ ضلع آواران میں ایک قدیم موضع ہے۔ اس کے علاوہ لورالائی میں ایک گھاٹی "مرّہ تنگی" ہے۔

"مرّہ" ایک عرب قبیلہ تھا جو عرب جہادیوں یا تجارتی گروہوں کے ساتھ بلوچستان سے گزرتے ہوئے ہندوستان کو جاتا تھا اس کے کئی طائفے بیچ راستے میں بستی بسا کر آباد ہوئے اور کئی اپنا مہم سر کرنے کے بعد واپس عربستان لوٹ گئے ہوں گے۔ مذکورہ بالا مواضع مرّہ عربوں نے آباد کئے تھے۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ مقامی قبائل میں مدغم ہوئے یا پھر کسی اور سمت کو نکل گئے۔

"لٹریری ہسٹری آف دی عربز" میں رینالڈ نکلسن اس قبیلہ کو عدنانی قبیلہ "قیس" کے ذیلی طائفہ عطفان کی ایک شاخ لکھتا ہے۔ مگر اس کی کوئی تاریخ بیان نہیں کرتا۔

مشکئے

مشکئے، ضلع آواران کا ایک بڑا گنجان آباد اور سرسبز گاؤں ہے جو کھجور کے نخلستان سے بھرا ہوا ہے یہ ایک قدیم شہر ہے جس کا ذکر اس کے ہم عصر شہروں کیچ، پنجگور، بیلہ، خضدار وغیرہ کے ساتھ تاریخی کتب میں ملتا ہے۔ عربی تصنیفات

میں اس کا نام "مشکی" لکھا ہوا ہے جو صحیح نام ہے۔ اس نام کا ایک مقام ضلع چاغی میں "مشکی چاہ" کے نام سے ہے جس کے معنی "مشکی کنواں" کے ہیں۔

نیم صدی قبل "مشکئے" کا علاقہ مکران کا حصہ ہوتا تھا اور صدیوں سے سلطنت مکران کا خطّہ شمار ہوتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں مشکئے ایک الگ حکومتی ڈھانچے میں تھا اور یہاں پر عباسی خلیفہ کا مقرر کیا ہوا حاکم بیٹھتا تھا جس کا نام مطہر بن رجاء تھا جس کی حکومت کا دائرہ کار تقریباً تین سو میل کے حدود تک پھیلا ہوا تھا۔

عرب دور حکومت میں اس ملک کی آبادی کن اقوام یا قبائل پر مشتمل تھی اس کے بارے میں عربی کتب میں کچھ نہیں ملتا۔ ملک کا نام ایک کشمیری قبیلہ کے نام پر تھا جسے عربی تصنیفات میں "مشکی" لکھا گیا ہے۔ کشمیری تواریخ میں اس قبیلہ کا ذکر موجود ہے اور جو کسی وقت یہ بڑی تعداد میں آباد تھا۔ یہ ذات "مشکی" اس لیے کہلاتا تھا کہ یہ بڑے مشکوں کے ذریعے پانی پہنچایا کرتے تھے۔ اس ذات کے لوگ دور دراز کے خانہ بدوش، تجارتی کاروانوں، جنگی لشکروں کو معاوضہ پر پانی پہنچایا کرتے تھے۔ موجودہ وقت میں بھی کراچی اور پنجاب کے بعض تنگ و تاریک محلّوں میں یہ مزدوری چل رہی ہے۔

بلوچستان میں اس ذات کی آبادکاری قدیم ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں اس علاقے کا نام اس قبیلہ کی قدامت کا ثبوت ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ اس ذات کا شمار جاٹوں میں ہوتا تھا۔ یوروپی محقق ڈینزل ابسٹن اس ذات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "وہ بیلوں کی ایک جوڑی اٹھاتی ہے۔ پانی کے ساتھ اس کا خصوصی تعلق ہے یہاں تک کہ سنگھاڑے کی کاشت اور ماہی گیروں کے لیے جال بنانے کا کام بھی زیادہ تر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ کنویں بھی کھودتا ہے۔"

"جہاں عورتیں پردہ نشین ہوں وہاں گھروں میں اور شادی جیسے دیگر مواقع پر بھی پانی پلاتا ہے ایک لحاظ سے اس کی سماجی حیثیت بلند ہے کیوں کہ سب اس کے ہاتھ سے پی لیتے ہیں۔ بہر حال وہ ایک ملازم ہی ہے۔ تاہم نسبتاً اونچے طبقے کا"

ڈینزل ابسٹن نے اس ذات کو قبیلہ جھینور کا ایک طائفہ لکھا ہے جو انگریزی دور میں راولپنڈی، ملتان اور پشاور میں بود و باش رکھتا تھا۔ وہ جھینور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ ماچھی کا مسلمان طبقہ "جھینور" کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ماشکی یا مشکی، ماچھی یا مچھیرے رہے ہیں۔ واضح ہو کہ پیشہ ور طبقے کسی ایک نسل سے نہیں ہوتے۔ ماچھیوں میں بھی جاٹ خون اکثریت سے موجود ہے۔

مذکورہ قبیلہ کے افراد اپنے نام کے مواضع میں نہیں ملتے ان کے چند گھرانے ایرانی بلوچستان میں موجود ہیں لیکن ان کی کوئی اجتماعی آبادی نہیں ہے۔

مُکّران

مکّران، موجودہ وقت میں ایران و پاکستان کے زیر انتظام بلوچستانوں کے ایک بڑے خطّے پر مشتمل ہے۔ جو کسی وقت ایک خود مختار مملکت ہوتا تھا۔ صدیوں قبل مکران نام کے دو مواضع ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دوری کے فاصلے پر وجود رکھتے تھے۔ جب ان کی شہرت بڑھی اور بڑے بڑے گاؤں بن کر سرکاری عملداری میں پھلے پھولے تو دونوں کے لیے "مکرانات" کا نام استعمال ہونے لگا۔

ایک "مکران" نامی موضع پاکستانی بلوچستان کے ضلع کیچ کے علاقہ دشت میں ہوتا تھا۔ جس کا تذکرہ زیادہ تر کیچ کے نام کے ساتھ آتا تھا یعنی کیچ مکران۔ قدیم بلوچی شاعری میں اور بعض سیاحوں کے تذکروں میں بھی یہی نام اکٹھے استعمال ہوا

ہے۔ لیکن مورخین اور تذکرہ نگاروں نے موضع مکران کا الگ کوئی ذکر نہیں کیا۔ کیچی دشت میں واقع موضع "مکران" علاقے کے باسیوں کے مطابق گاؤں کُنزی سے سات کلومیٹر کے فاصلے پر رہا ہے جو موجودہ وقت (2006-2005) میں ایک پھیلے ہوئے کٹھے پھٹے میدان کی صورت میں ہے جس کا مرکزی مقام ایک قدیم ویران اور ایک حصے سے جلا ہوا ٹیلہ ہے جو "دیول" کہلاتا ہے۔ مذکورہ میدان جس کی سطح کے نیچے قدیم انسانی آبادی کے دور دور تک پھیلے ہوئے آثار ہیں، جو آج بھی مکران کا نام لیے ہوئے ہے۔ اس کے موجودہ حدود اس طرح ہیں:

"جنوباً دشت ندی، شرقاً موضع کنٹ دار قدرے فاصلے پر، غرباً "چُرّء ہوکیں" اور شمالاً سبیر نامی ٹیلہ جو مکران نامی میدان کے اندر رہے۔"

قیاس یہی ہے کہ اپنے زندہ دور میں شاید "کیچ" کا علاقہ اسی کے انتظامی یا علاقائی حدود میں واقع تھا اور اسی کا حصہ ہونے کی وجہ سے "کیچ مکران" کہلاتا تھا۔ اور شاید ابتدا میں وہ دارالخلافہ بھی اس مکران کا ہو جیسے کہ بعض تاریخی کتابوں میں مذکور ہے۔

دوسرا "مکران" اس مکران کے مقام سے سینکڑوں میل دور ایرانی بلوچستان میں واقع تھا۔ ایک فارسی تصنیف "کتابچہ ایران" میں مغربی مکران کے بارے میں یوں درج ہے:

"مکران ایک وسیع و عریض اور بڑا ملک ہے جس کا دارالحکومت بمپور ہے اس ملک کے لوگوں کی زبان بلوچی ہے اور رستم جو شاہنامہ میں مذکور و معروف ہے اسی ملک کا باشندہ تھا۔"

مغربی مکران والے روایت کرتے ہیں کہ بمپور سے پہلے مکران کا دارالخلافہ "تیس ہوتا تھا جو عربی نگارشات میں "تیز" تحریر ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مکران کا صحیح مقام تیز کی ڈھیریاں ہیں۔ جن کے اوپر تیس (معرّب تیز) کا گاؤں بسا

ہوا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ صدیوں سے جو بھی بلوچ تیس جاتا رہا ہے یا وہاں سے آتا رہا ہے تو وہ یہی کہتا رہا ہے کہ مکران گیا تھا یا مکران سے آیا ہوں۔ وہ تیس کے لیے تیس کا نام استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے مکران ہی کہتے ہیں۔ اس طرح قدیم دوسرا موضع مکران موجودہ تیز یا تیس ہی ثابت ہوتا ہے۔

مکران، جمع کے طور پر استعمال ہوا ہے جو "مُکّر" کی جمع ہے۔ جس سے "مُکّر لوگ" یا مکر قوم کا مفہوم نکلتا ہے۔ مکر ایک قدیم ترک قبیلہ ہوتا تھا جو نہ صرف مغربی مکران کے تیس بندر کے مقام پر آباد تھا بلکہ مشرقی مکران کے دشت میں بھی بود و باش رکھتا تھا۔ جوں جوں مذکورہ مواضع میں آبادی بڑھتی گئی توں توں ان کے حدود پھیلتے گئے۔ مُکّر قبیلہ، افغانستان میں بھی آباد تھا جہاں اس کے نام پر ایک موضع "مُکّر" ہے۔

مذکورہ مُکّر قبیلہ موجودہ وقت میں بلوچستان میں کہیں نظر نہیں آتا جو یقیناً مقامی قبائل میں مدغم ہو کر بے نشان ہو گیا مگر صدیوں پرانا یہ قبیلہ انڈیا، پنجاب، کشمیر میں موجود ہے۔ پنجاب میں اس کے طائفے گوجر قبیلے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ قبیلہ کس زمانے میں بلوچستان میں نقل مکانی کر کے آیا تھا؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ قیاس یہی ہے کہ جس زمانے میں ہندوستان، کشمیر اور پنجاب سے بے حساب ہندی اور جاٹ قبائل بلوچستان میں پھیل گئے تھے اور عراق تک میں اپنی نو آبادیاں قائم کر چکے تھے، مُکّر قبیلہ بھی شاید اسی نقل مکانی کا حصہ رہا ہو۔

وسطی ایشیا اور خراسان کے خطّوں سے ترک قبائل کے خروج کے بارے میں گینکووسکی نے اپنی تصنیف "پاکستان کی قومیتیں" (اردو ترجمہ) میں چینی سیاح سیو آن تسانگ جس نے 645-629ء کے دوران ہندوستان کا سفر کیا تھا، کے حوالہ سے برصغیر کی شمال مغربی سرحدات پر ترکوں کی آمد کا ذکر کیا ہے جو پانچویں صدی

عیسوی کے بعد آتے گئے اور کئی ملکوں پر اپنا اقتدار قائم کرتے رہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعد میں جنوبی ترکستان اور شمالی افغانستان سے ترک مسلسل وادی سندھ میں بھی داخل ہوئے تھے۔ ان کا تعلق خَلج اور اوغز قبائل سے تھا۔ واضح ہو کہ بعض یوروپی محققین نے مکران کے اکثریتی قبیلہ "رئیس" کو بھی اوغز ترکوں سے بتایا ہے۔ اگرچہ رئیس معتبرین کو اپنے "اوغز ماخذ" کے بارے میں آگاہی نہیں ہے لیکن وہ اپنے ترک النسل ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اسی زمانے کے آس پاس مُکّر ترکوں نے بھی علاقے میں اپنے گاؤں بسائے ہوں گے اور مکران نام کی صورت میں اپنی ایک مستقل یادگار قائم کی ہو گی۔ ان ترکوں نے علاقے کی قدیم کوچی (کیچی) زبان کو اپنایا اور اسے اپنی ترکی زبان کے سینکڑوں الفاظ اور نام دیئے جو پھر مکرانی کے نام سے مشہور ہوا۔ مُکّر قبیلہ نے قدیم بلوچی دستکاری خصوصاً قالین بافی میں بہت نام پیدا کیا۔ ان کے بنائے ہوئے خوب صورت منقش قالین ان کی نسبت سے "مُکّری" کہلاتے تھے جن کی بادشاہوں اور حکمرانوں کے ہاں بہت مانگ ہوتی تھی۔

ملک نارو

"ملک نارو"، چاغی علاقے کا ایک قدیم موضع ہے۔ جہاں پر ملک نارو نامی زیارت واقع ہے۔ قریبی پہاڑی بند بھی کوہِ ملک نارو کہلاتا ہے۔ چاغی اور خاران میں قدیم مقامات اور پہاڑوں اور ندی نالوں کے قدیم ناموں کے ساتھ بطور سابقہ ملک استعمال کیا گیا ہے۔ جس کی تشریح علاقے کے باسی بھی نہیں کر سکتے۔ ایسے کئی ناموں کی مثال ملک نارو، ملک بستانی، ملک تیز نان، ملک سیاہ، ملک راسانی، کوہِ ملک گھٹ اور دیگر متعدد نام ہیں۔

نارو کے نام سے دیگر چند مواضع بھی ہیں جن میں خاران علاقہ میں "نارو" ایرانی بلوچستان میں ناروں، پنجاب میں نارووال، انڈیا میں نارو کوٹ شامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نارو قبیلہ تھا جو مختلف علاقوں میں اپنی بستیاں بساتا رہا ہے۔ اسے ایک قدیم ہندوستانی قبیلہ کہا گیا ہے۔ جو زمانہ قدیم سے جالندھر، ہشیار پور اور قرب و جوار میں بود و باش رکھتے ہیں اور جالندھر کو ان کے مرکزی شہر کا مقام حاصل رہا ہے۔ یہ ہندو مت کے پیروکار رہے ہیں۔ "دی کاسٹس آف پنجاب" میں ڈینزل ابسٹن نے انہیں ہندو راجپوت لکھا ہے جو دور دور تک بستیاں بسا کر پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جالندھر کے آس پاس رہنے والے نارو اپنے آپ کو چاند بنسی بنیاد سے بتاتے ہیں جب کہ بعض نارو بزرگوں کا کہنا ہے کہ ان کے آباو اجداد کا تعلق جے پور کے راجہ خاندان سے رہا ہے اور وہ راجہ غزنوی دور میں مسلمان ہو گیا تھا۔(۲)

یہ پاکستانی پنجاب میں کسی زمانے میں کافی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کا مرکزی شہر "نارووال" ہوتا تھا جو کہ ابھی تک ان کے نام پر ہے۔ چاغی کے موضع نارو کی نسبت سے ایک بلوچ قبیلہ "ناروئی" کی تشکیل ہوئی ہے جو چاغی سے تاحدود کرمان جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے اور بہت بڑی تعداد میں ہے۔

ملیؔر

ضلع لس بیلہ کے علاقہ اگور میں سمندر کے کنارے قدیم جگہ "کنڈ ملیر" کے نام سے ہے۔ نیز کراچی میں "ملیر" مشہور گاؤں ہے۔ یہ نام بنیادی طور پر "مالّیر" ہے جو ایک ہندی قدیم قبیلہ ہے۔ یہ قبیلہ انڈیا میں بہار اور بنگالہ کے درمیانی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جو راج محل کا بلند ترین حصّہ ہے۔ انہیں پہاڑی بھی کہا جاتا

ہے۔ ان کا قبائلی شمار "کول" قبائل میں کیا جاتا ہے۔ نسلی لحاظ سے ان کو دراوڑوں اور زرد فام نسلوں کا مخلوط قبیلہ مانا جاتا ہے۔ سید علی بگرامی "تمدن ہند" نامی تصنیف میں لکھتے ہیں:

> "قدیم باشندوں میں سے صرف سنتال اور مالّیر ہی رہ گئے ہیں جو اقوام کی حیثیت سے گنگا کی وادی میں رہتے ہیں لیکن علاوہ ان کی ہر جگہ ایک گروہ ان اشخاص کا موجود ہے جو قلی کے نام سے مشہور ہیں اور انواع و اقسام کی مزدوری کا کام کرتے ہیں۔ یہ بھی باشندگان قدیم کے پسماندوں میں سے ہیں اور ساری وادی میں پھیلے ہوئے ہیں۔"(۳)

مزید لکھتے ہیں:

> "مالّیر، سیاہ فام دراوڑ اور زرد فام اقوام کے میل سے بنی ہے۔ ان میں آریہ اثر مطلق نہیں پایا جاتا اور ذات سے بھی یہ واقف نہیں ہیں۔ یہ جنوب ہند کے دراوڑوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ ان کے رسوم و عادات اچھی ہیں۔ جھوٹ سے انہیں سخت نفرت ہے ان کا قول ہے کہ مرنا بہتر ہے جھوٹ بولنے سے۔ مالّیر بانس کی بڑی بڑی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور ان کے اندر وہ نہایت خوبصورت اور تراشا ہوا سامان خوش سلیقگی سے سجاتے ہیں۔ یہ ستاروں، عناصر اور جنات کی پرستش کرتے ہیں جو ان کے اعتقاد میں ہوا کے رہنے والے ہیں۔ یہ اپنے نوجوانوں کے لیے ایک بڑا سا مکان بناتے ہیں جہاں وہ سب مل کر ریاضت کرتے اور فنون حربی وغیرہ کی تعلیم پاتے ہیں۔"(۴)

سندھ اور بلوچستان میں اس قبیلائی گروہوں کی آمد اور مواضع بسانے کا زمانہ تقریباً وہی ہوگا جو دیگر بیسویں ہندی قبائل کی آمد کا رہا ہے۔ اس بارے میں کوئی مستند تحریر راہنمائی نہیں کرتا۔ موجودہ وقت میں سندھ اور بلوچستان میں اس قبیلے کے گھرانے نظر نہیں آتے۔

ممّانی

"ممّانی" ضلع کیچ کی تحصیل تمپ میں ایک قدیم جگہ کا نام ہے۔ جہاں پر کسی زمانے میں اس نام کا ایک گھرانہ رہتا تھا۔ اس نام سے ہمیں تاریخی تصنیفات میں کوئی قابل ذکر قبیلہ یا قبیلائی طائفہ دیکھنے کو نہ ملا۔ البتہ اس نام سے متعلق ایک کہانی سننے کو ملی جو اس طرح ہے۔

کہتے ہیں کہ علاقہ نوشکی میں میر جاوا کے قریبی پہاڑیوں سے اکثر انسان نما جانور ممّ آبادیوں میں گھستے تھے اور کسی تنہا انسان کو رات کے اندھیرے میں دیکھ کر اسے اٹھا لے جاتے تھے۔ اگر ایسا کوئی ممّ لوگوں کو نظر آجاتا تو وہاں اسلحہ لے کر اس کے پیچھے نکلتے تھے اور اسے مار ڈالتے تھے۔ اگر وہ اپنے شکار کو لے جانے میں کامیاب ہو تا تو پھر اس کو تلاش کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ رات کو ایک عورت ممّ ایک شخص کو اٹھا کر لے گئی جس کی کسی کو خبر نہ ہوئی اور لوگ اسے گمشدہ خیال کرنے لگے تھے۔ کوئی ڈیڑھ سال کے بعد اچانک وہ شخص جو اب ایک وحشی انسان نظر آتا تھا اچانک محلے میں پہنچ گیا چند لوگوں نے اسے دیکھا جو تمام تر ننگے جسم پر بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اور شکل جانوروں کی طرح وحشی نظر آتا تھا، انہوں نے شور مچایا کہ ممّ محلے میں آگیا ہے تو لوگوں نے ڈنڈے اور بندوقیں نکالیں اور اسے مارنے کے لیے گھروں سے نکلے۔ یہ آدمی ڈر کر شور مچانے لگا کہ میں فلاں شخص ہوں مجھے نہ مارو۔ مجھے ممّ اٹھا کر لے گیا تھا۔ میرے پاس کپڑے وغیرہ نہیں بچے ہیں۔ ممّ کے ساتھ غاروں میں رہتے ہوئے یہ میری

حالت ہو گئی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ممّ ایک عورت ممّ تھی جس نے مجھے بطور شوہر رکھا تھا۔

مذکورہ واقعہ کے بعد اس شخص کو اس کے نام کے ساتھ ممّ کہہ کر پکارتے تھے اور اس کے بچوں کو ممّانی اور اس کے گھر کو ممانی گھر کہتے تھے۔ ان خطابات سے یہ گھر تنگ آکر بیزار ہو گیا تھا اور چند دفعہ محلے والوں سے اس بات پر لڑ بھی چکا تھا۔ آخر کار اس نے میر جاوا سے نکلنے کا فیصلہ کیا اور ہجرت کر کے پہلے زامران میں اور پھر تمپ میں مذکورہ جگہ پر آباد ہوا۔ لیکن نام "ممّانی" سے اپنی جان نہیں چھڑا سکا اور یہ اس کے گھرانے کی شناخت بنی۔

مندرجہ بالا کہانی کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک غلط، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن یہ حقیقت ہے اس طور کے خطابات سے منسوب کئی طائفے وجود رکھتے ہیں۔ موجودہ وقت میں گھرانہ ممّانی کے پسماندگان اس نام سے کہیں نہیں ملے۔

منگُلی

منگُلی نامی گاؤں موجودہ ضلع آواران کے تحصیل مشکے میں واقع ہے یہ میر وانی سردار گھرانے کا قدیمی گاؤں ہے۔ علاقے کے بعض بوڑھے لوگ اس نام کو مگلی (مغلی) بھی بولتے ہیں۔ "مُغلی" کے نام سے بھی ایک موضع ضلع خضدار میں آرسی ڈی روڈ کے کنارے پر بھی واقع ہے۔ جو زرکزئی سردار گھرانے سے متعلق ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک اور نام "منگولی" ہے جو ضلع کچھی میں واقع ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ اس منگولی کا کوئی تعلق منگلی سے ہے یا نہیں اس بابت ہم نے جستجو نہیں کی لیکن دونوں ناموں میں انتہائی قربت دیکھ کر اسے ایک ہی

نام سمجھا جا سکتا ہے کیوں کہ بلوچستان میں قدیم ناموں کی ادائیگی میں فرق عام ہے جو قدرتی ہے۔ ایک تیسرا نام کیچی دشت میں "مغلوڈن" یعنی مغلی میدان ہے۔

"منگلی" ایک قدیم مغل قبیلائی طائفہ رہا ہے۔ جس کا جد امجد "منگلی بوغا" نامی مغل سردار رہا ہے جو ایک طاقتور پہاڑ نشین شخص تھا۔ جس کے گھوڑوں اور دیگر مویشیوں کے ریوڑوں کے ریوڑ ہوتے تھے اور وہ سارا سال مال چرائی کے لیے خانہ بدوشانہ زندگی گزارتا تھا۔ اس کے بیسیوں چرواہے اور خیمہ بردار (نقیب) بمعہ اپنے اہل و عیال کے ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان کا کوئی مستقل گھر، گاؤں یا ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا۔ جدھر چلا جاتا اپنے خیمے بساتا تھا اور چراگاہوں پر زبردستی قبضہ جماتا تھا۔ یہ تیمور لنگ کے زمانے کا لڑاکو شخص تیمور کے دشمنوں میں سے تھا۔

ایک دفعہ یہ اپنے دو تین مسلح گارڈوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار اپنے ایک چراگاہ میں سیر کر رہا تھا کہ اسے اطلاع مل گئی کہ قدرے فاصلے پر تیمور کا کیمپ ہے اور تیمور خود بھی وہاں موجود ہے۔ وہ گھوڑوں کے باگ کھینچ کر سیدھا اس کیمپ کے سرداروں کے بیچ میں جا کر اتر گیا اور بیچ مجلس بیٹھ کر سب سے اچھے طریقہ سے حال احوال کیا۔

تیمور کی تیز مزاجی کو یہ کچھ اچھا نہ لگا لیکن وہ برداشت کر گیا اس نے اپنے تیور بھی ٹھیک رکھے اسے خوش آمدید کہا اور ایک بڑی دعوت کی۔ دستر خوان پر اس نے تیمور کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

ایک دوسرداروں کو ایک دشمن کی بے باکھی پر بڑی حیرت ہوئی تو منگلی بھانپ گیا۔ جاتے ہوئے سب کو رخصت کرنے کے دوران کہا۔ میں نے تیمور کا نمک کھا لیا ہے۔ اب میں ان کی اور اس کے سرداروں کو بری نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔

مغل سردار "منگلی بوغا" کی نسل اس کی نسبت سے "منگلی" کہلائی۔ اندازہ یہ ہے کہ مذکورہ طائفہ یا اس کا کوئی گروہ چودہویں صدی کی ابتدا میں بلوچستان کے اس خطّے میں آباد ہوا تھا۔ ناممکن نہیں ہے کہ خضدار کے "مغلی" کے مقامی لوگ منگلیوں کو مغل ہونے کی وجہ سے "مغلی" کہتے ہوں اور پھر وہ علاقے میں اسی نام سے معروف ہوئے ہوں۔

مور

"مور" بلوچستان کے ضلع لس بیلہ کے اُتھل نیابت کے پہاڑی سلسلے میں ایک پہاڑ کا نام ہے جو یقیناً ماضی میں اس پہاڑ کے دامن میں کسی بستی کا نام ہو گا جو اب وجود نہیں رکھتا۔ کیرتھر سلسلے میں ضلع خضدار کے حدود میں بھی ایک پہاڑ مور کوہ کہلاتا ہے۔ علاوہ ازاں ایرانی بلوچستان میں دو مقام "مور چاہ" (مور کنواں) اور مور پیش (مور مزری جنگل) کے قدیم مواضع ہیں۔ سندھ میں تو ایک شہر اسی نام سے موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ مور گوجر قبیلہ کا ایک طائفہ ہوتا تھا جو کسی نامعلوم زمانے میں اس مقام پر آباد ہوا ہو گا اور اس نے اس مقام کو اپنا نام دیا ہو گا۔ گوجر تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ اس قبیلہ کے لوگ اپنے آپ کو خاندان ہُن سے ظاہر کرتے ہیں۔(۵) وہ مزید لکھتے ہیں کہ 720ء میں عربوں نے ان پر حملہ کیا تو تمام سردار راجپوت ان کو امداد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ مور گوجر اکثر دریاؤں کے کناروں پر رہتے ہیں جو کچھوا اور مچھلی کا شکار کرتے ہیں بہت زیادہ محنتی اور جفاکش ہیں۔ جس طرح سہنسی

قوم کسی زمانے میں لشکر شاہی سے نکل کر جنگلوں میں پھرتی رہی ہے، اسی طرح یہ قوم بھی اپنی اصلی قوم سے جدا ہو کر رذیل پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئی۔(۶)

مور قبیلہ قبل مسیح زمانوں سے علاقہ جھنگ میں موجود رہا ہے۔ جسے بعض مصنّفین نے چندر گپت موریہ کے ننہالی قبائل سے بتایا ہے جو آج بھی اسی علاقے میں بود و باش رکھتے ہیں۔ وہاں کے دو مشہور قبیلے مور اور سمور ہیں۔ ان میں سمور قبیلہ زراعت پیشہ ہے جب کہ مور دریا کے کنارے اپنی قدیم روایات سمیت آباد ہیں، جنگل سے ربط رکھتے ہیں۔ ٹوکریاں بناتے ہیں، ہر قسم کا دریائی جانور کھا جاتے ہیں اور جفاکش ہیں۔(۷)

"فرہنگ" کے مصنف اوبرائن لکھتے ہیں کہ مور گھرانے ستلج، چناب اور سندھ دریا کے کنارے رہائش رکھتے ہیں اور مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ وہ مسلمان طور طریقوں کے پیروکار ہیں لیکن کچھوے اور مگرمچھ کھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے ان جانوروں کو حلال کہا ہے۔ دیگر مسلمان گھرانے ان سے رشتے ناطے نہیں کرتے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ پنجاب کے جنوبی علاقوں میں یہ مذکورہ جانوروں کو نہیں کھاتے اور اچھے مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔

مول کوہ

مذکورہ بالا نام مکران کے ضلع گوادر میں ایک پہاڑی سلسلے کے ایک مقام کا نام ہے جو ظاہر ہے کہ اپنے ایام میں دامن کوہ کوئی آباد موضع ہو گا۔ جس کا اصل سائٹ وقت کے غبار میں دب گیا ہے۔ جب موضع اپنے باسیوں سے خالی ہوا تو نام

ساتھ والی پہاڑی پر استعمال ہونے لگا اور یہی کچھ ہر جگہ تاریخی عمل میں ہوتا رہا ہے۔

علاقے کے لوگ اس نام کے معنی "مول پہاڑی" لیتے ہیں اور وضاحت اس کی "مول پہاڑی" کے کرتے ہیں، بلوچی میں اس کے معنی وہی ہیں جو سمجھا جارہا ہے لیکن در حقیقت یہ وہ کوہ یعنی بمعنی پہاڑی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہندوکش خطّے کے ایک قبیلہ "کوہ" کا ایک بڑا طائفہ ہے جو ہندوکش کے مختلف خطّے کے علاوہ چترال و بلتستان میں بھی آباد ہے۔

کوہ قبیلہ کا مرکزی مقام یا قبیلائی مرکز "کوہ" نامی وادی ہے جو دریائے گلگت کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا چاشنی نامی گاؤں سے قدرے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ ایک تنگ وادی ہے اور یہاں کی آبادی چھدری ہے۔ چاشنی میں بھی کوہ قبیلہ آباد ہے جن کا کہنا ہے کہ وہ کاشغر کی وادی کی آبی زمین سے گزر کر یہاں آباد ہوئے تھے۔(۸) کوہ قبیلہ کی اپنی الگ زبان ہے جو کوہ ور کہلاتی ہے لیکن چاشنی گاؤں کی اکثر آبادی شناِ زبان بولتی ہے۔(۹)

چترال میں بھی کوہ قبیلہ کی اچھی خاصی تعداد بستی ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ کوہ ذات سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ جو پورے کاشغر بالا، لدخو، آرکری اور دروش تک کی ساری وادیوں میں رہتے ہیں۔(۱)

کوہ قبیلہ جن علاقوں میں رہتے ہیں وہاں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی زمانے میں وہ زیادہ وسیع علاقے پر قابض ہوں لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کوئی علاقہ فتح کیا ہو یا کسی قبیلہ کو ہجرت پر مجبور کیا ہو۔

قبیلہ کا تاریخی و مرکزی وادی "کوہ" دریائے غذر سے سیر اب ہوتی ہے۔ اس کا طول قریب اڑتالیس میل ہے۔ اس کے مشہور مقام و ہمیل، جندروٹ، گوپس، روشن، سوما، تھمشک وغیرہ ہیں۔(۱۰)

"کوہ" قبیلہ کی کئی ذیلی شاخیں ہیں لیکن اہم ترین طائفے توری کوہ اور مول کوہ ہیں۔ مول کوہ منتشر صورت اور تعداد میں سب سے زیادہ رہے ہیں لیکن وہ چترال، بدخشان، گلگت بلتستان اور دیگر کشمیری علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

گوادر کا "مول کوہ" یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ کسی وقت یہ قبیلہ متذکرہ پہاڑی دامن میں بستی بسا چکا تھا۔ یہ طائفہ پوری طرح بلوچستان سے معدوم نہیں ہوا ہے بلکہ ساحل کے ساتھ ساتھ چل کر لس بیلہ ساحل تک پہنچا اور محمودانی نوشیروانی قبیلہ سے منسلک رہا ہے۔(۱۱) موجودہ وقت میں اس کے گھرانے حب اور گردونواح میں بس رہے ہیں یہ طائفے "مول کوہ" کی بجائے قبیلائی نام "کوہ" کے نام سے مشہور ہیں اور بلوچوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے "کوہ بلوچ" کہلاتے ہیں۔ ان کا شمار بلوچ معززین میں ہوتا ہے۔ قیاس یہی ہے کہ بلوچستان کے اس خطّے میں یہ طائفہ پندرہویں صدی کے دوران اپنی بستی بسا چکا تھا۔ متذکرہ مقام کے علاوہ بلوچستان کے علاوہ ڈیرہ بگٹی میں بھی کوہ قبیلہ بس چکا تھا۔ جہاں پر انہوں نے مقامی روایتی تقلید میں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جو "کوہ کلات" مشہور ہوا۔

بلوچستان میں اس کے نام کا کوئی دوسرا موضع دکھائی نہیں دیتا۔ شاید اس سے آگے یہ قبیلہ پیش قدمی نہیں کر سکا اور پیچھے سمندر کی جانب کا علاقہ ان کو پسند آگیا جہاں یہ آکر بس گئے۔ لیکن انفرادی طور پر ان کے گھرانے کولواہ میں بھی ہیں۔ کولواہ میں ان کا پیشہ اونٹ پالنا اور اسی پر گزر بسر کرنا ہے۔

مُولہ

"مُولہ" ضلع خضدار میں مشہور تاریخی درّہ ہے جو بلوچستان کو سندھ سے ملاتا ہے۔ یہ ایک کوہستان ہے جو کئی چھوٹی چھوٹی تنگ وادیوں اور زرعی قطعات پر مشتمل ہے۔ سارا کوہستان مولہ کہلاتا ہے۔ قدیم خاص مقام یا موضع جو مولہ کہلاتا تھا، کی موجود وقت میں نشاندہی نہیں ہو سکتی۔ علاقائی روایات میں کہا جاتا ہے کہ ابتدائی عرب دور حکمرانی میں یہ کوہستان "کوہیار" کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں کے گھوڑے بہت مشہور ہوتے تھے اور عرب تاجر یہاں سے اچھی نسل کے گھوڑے بر آمد کرتے تھے۔

مولہ ایک قدیم ہندی قبیلہ ہوتا تھا جن سے کشمیر کا "بارہ مولہ" منسوب ہے۔ کشمیر ہی میں ایک گاؤں "تھل مولہ" میں ان کی تھوڑی سی آبادی ہوتی تھی لیکن اب وہاں پر ان کا ایک گھر بھی نہیں ملتا۔

مؤرّخین نے اس ذات کو گوجر لکھا ہے لیکن اس کے بارے میں تفصیلی معلومات کا فقدان ہے۔ "شاہانِ گوجر" کے مصنّف نے یہ نام گوجر قبائل کی فہرست میں درج کیا ہے (۱۲) ماضی بعید میں اس ذات کی آبادیاں کرنال، حصار، لدھیانہ، ہوشیار پور اور گجرات میں ہوتی تھیں۔ 1881ء کی مردم شماری رپورٹ میں انگریزی عملداری کے علاقوں میں اس کی آبادی 4968 اشخاص اور ریاستوں میں صرف 956 اشخاص رپورٹ کی گئی ہے۔ یعنی سارے ہندوستان میں اس قبیلہ کی مجموعی تعداد 5924 اشخاص پر مشتمل تھی۔ جو اس قبیلہ کے معدوم ہونے کی نشانی ہے۔

یہ درّہ اس خطے کی قدیم ترین شاہراہ رہی ہے جسے مشرق و مغرب کو آنے جانے والے استعمال کرتے تھے۔ سکندر مقدونی نے ہندوستان کی مہم کے اختتام پر اپنا فوجی دستہ ایران جانے کے لیے براستہ ہلمند روانہ کیا۔ سٹرابو کا کہنا ہے کہ دستہ

کے سپہ سالار کیراٹیرس آریانہ نے ضلع کھوہاریئے سے گزرا تھا۔ جھلاوان گزیٹئر کے مطابق سرٹی-ایچ- ہولڈچ کے خیال میں آریانہ کا ضلع کھواریئے سے خضدار کا خطّہ مراد ہے جو اس وقت اس کا نام تھا۔ ہولڈچ مزید لکھتا ہے کہ سندھ کے جاٹ اب بھی خضدار کو کوھیار کہتے ہیں۔(۱۳) تیرہویں صدی عیسویں کے تذکروں میں مذکورہ خطّے کے قبائل میں جواٹ (زطّ)، کرد، ترک قبائل کے تذکرے ملتے ہیں اور مساکن میں خضدار، بودین، یزیدی (زیدی) زردبج، اور خرزان کے نام ملتے ہیں۔ مولہ کا نام کسی تحریر میں نہیں ملتا۔

مہر

بلوچستان میں مہر کے نام سے دو قدیم مقامات صدیوں سے موجود ہیں۔ ایک ضلع بولان میں "مہر گڑھ" کا تاریخی مقام ہے جس نے آثار قدیمہ کے حوالہ سے قدیم ترین اور امیر ترین درجہ حاصل کر لیا ہے۔ دوسرا مقام مغربی بلوچستان کا "مہرستان" نامی گاؤں سے جو ایرانی بلوچستان میں واقع ہے۔ دونوں جگہوں کے اسماء کے معنی "مہر قبیلہ کا گاؤں یا جگہ" کے ہیں۔ پہلے نام کا گڑھ ہندی زبان کا ہے جب کہ دوسرے کا نام فارسی میں ہے۔ دونوں کی نسبت ایک ہی قبیلہ مہر سے ہے۔ علاوہ ازیں سندھ کے ایک بڑے حصّے کو تاریخی کتابوں میں "مہران" کہا گیا ہے۔ جس کی نسبت بھی یقیناً اسی مہر قبیلہ یا قوم سے ہے۔

"مہر" ایک قدیم راجپوت ذات کا نام ہے جو موجودہ وقت میں پنجاب اور کشمیر میں موجود ہے۔ یہ بھی دیگر کئی قدیم ذاتوں کی طرح ایک پرانی ذات ہے۔(۱۴) جس کے بارے میں ڈی- ایس- ابسٹن لکھتے ہیں کہ یہ پنجاب کے ستلج کے قریب

"فاضلکا" گاؤں کی ایک چھوٹی ذات ہے جو جوئیہ راجپوت کا برادر قبیلہ ہے۔ وہ جوئیہ کو راجپوت کے چھتیس شاہی طائفوں میں سے ایک طائفہ بتاتا ہے۔(۱۵)

مشرقی بلوچستان میں اس راجپوت طائفہ کی سکونت کی یادگار صرف "مہر گڑھ" ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ اس قبیلے یا طائفے کی آبادکاری کا کوئی ثبوت ظاہر نہیں ہے۔(۱٦)

بلوچستان میں اس قبیلے یا قبیلائی طائفے کی آمد و آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔ اس کے گھرانے موجودہ وقت میں بلوچستان میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔

مہیر

مہیر، بلوچستان کے ضلع کیچ کی تحصیل مند کا ایک سرحدی موضع ہے۔ جہاں پر پاکستان و ایران کی سرحد بندی ہوئی ہے اور دونوں ممالک کی سرحدی محافظوں کی چوکیاں آمنے سامنے قائم ہیں۔ پندرہویں صدی عیسویں میں یہ علاقہ جت قبائل کا مسکن تھا۔ یہاں پر جتّوں کے نام سے ایک جوئے آبِ سیاہ ہوتا تھا جو "جتّ جو" کہلاتا تھا۔ یہ نام آج بھی قائم ہے۔ رند قبائل کے ساتھ بطرف قلات و کچھی ہجرت کرنے والے اس مقام کے جت باسی نئے مساکن میں مَہیری کہلائے۔

مہیر ایک قدیم قبیلہ ہے جو اب بھی کشمیر سندھ اور پنجاب کے بعض علاقوں میں موجود ہے۔ گوجر مصنّفین نے اسے ایک گوجر قبیلہ لکھا ہے جس کا جدّ امجد "مہیر گوجر" تھا اور یہ معروف گوجر قبیلہ "بالا" سے تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مہیر گوجر خاندان نے ولبھی پر 525ء سے 770ء تک حکمرانی کی ہے۔(۱۷)

"تمدن ہند" اس کے مصنف سید علی بلگرامی لکھتے ہیں کہ مہیر قوم جاٹوں سے زیادہ ملتے ہیں اور اراولی کے شمال میں ان کی بود و باش ہے ان کی تعداد تقریباً چھ لاکھ ہے۔(۱۸)

وہ مزید لکھتے ہیں ان میں تُورانی میل زیادہ ہے جو انہیں بھیلوں سے قریب کر دیتی ہے اور انہیں راجپوتانہ کے وحشی اقوام میں شامل کر دیتی ہے۔ جن میں بھیلوں کے علاوہ مینا بھی ہیں۔

بھیلوں میں دراویڈی جز غالب ہے اور تورانی جز مغلوب۔ مہیروں میں دونوں جز نصف نصف ہیں۔ ان قوموں میں جو نشیبی علاقوں میں رہتے ہیں اور ان کے گاؤں محصور ہوتے ہیں جنہیں پال کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں "پالاری" کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ پالاری اقوام جن میں بھیل ، مہیر اور مینا ہیں ذات کے پابند نہیں ہیں لیکن ہندو انہیں نجس نہیں سمجھتے۔(۱۹)

مہیر اور مینا بھی راجپوتانہ کی نیم وحشی اقوام میں شامل ہیں یہ گویا دو کڑیاں ہیں جو وحشی بھیلوں کو متمدّن جاٹ سے ملاتی ہیں۔ یہ وسط راجپوتانہ میں اراولی کے پہاڑوں کے اندر محصور گاؤں میں رہتے ہیں اور زیادہ تر ڈاکو پیشہ ہیں۔ راجپوت، جاٹ اور ہر قسم کے خارج کیے ہوئے اشخاص ان میں آکر مل جاتے ہیں۔ اس میل سے ان کی قوم کا درجہ بڑھ جاتا ہے اور اسی میل کی وجہ سے مینا بالکل جاٹوں کے مماثل ہو جاتے ہیں۔

اس نیم وحشی اقوام میں تمدّن تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اگرچہ اب بھی ان میں درختوں، پتھروں کی چٹان اور لوہے کی پرستش باقی ہے۔

مہیر اور مینا ایک ہی قسم کی ہندی زبان بولتے ہیں بر خلاف اس کے بھیلوں کی زبان گونڈوں کی زبان سے ملتی جلتی ہے۔

بلوچستان میں مہیروں کی آمد اور آباد کاری کا زمانہ معلوم نہیں ہے۔ تاہم ان کی اور ان کے ہمعصر اقوام کی قدامت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلوچستان میں اس قبیلہ کی آباد کاری چھٹی صدی عیسوی یا اس سے قبل کی ہے۔

مئولئی / مئولائی

مئولئی، جسے کچھ لوگ مئولائی بھی تلفظ کرتے ہیں، جھلاوان میں سوراب اور انجیرہ کے قرب وجوار میں پہاڑیوں کے بیچ ایک گاؤں ہے۔ موجودہ وقت میں وہاں قبیلہ لاہڑی اور چند دیگر قبیلوں کے گھرانے رہتے ہیں۔ اسی نام کا دوسرا گاؤں بلوچستان کے کچھی میں بھی ہے۔ مقامی لوگ اپنے گاؤں کے نام کی وجہ تسمیہ نہیں بتا سکتے۔ البتہ اس نام پر ان میں اختلافات موجود ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اصل نام مئولائی ہے لیکن بول چال میں مئولئی بنایا گیا ہے۔ جب کہ کچھ اسے شروع سے مولئی سمجھتے ہیں۔

ہم نے اس نام کا کھوج اکثر تاریخی کتابوں میں لگانے کی کوشش کی لیکن صرف ہندوکش کے قبائل میں "مئولائی" کے نام سے ایک قبیلہ دیکھنے میں آیا ہے جو دراصل ایک اسماعیلی شیعہ فرقے کا نام ہے۔ جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ اپنے مخصوص شیعہ عقائد میں انتہائی کٹر ہونے کی بنا پر قبیلائی طور پر بھی "مولائی" کہے جاتے ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنی ذات کی شناخت بھی "مولائی" رکھی

ہوئی ہے۔ مولائی فرقہ کے اثرات چترال، سکردو، ناگر اور بلتستان تک پھیلا ہوا ہے اور زیادہ تر لوگ اسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور مولائی ہی کہلاتے ہیں۔ یہ قبیلہ انڈیا میں بھی کثیر تعداد میں ہے۔ ان کا ایک نامی گرامی جنگجو شخص سندئے رائے راجہ تھا جو 2007ء میں ماؤنواز باغیوں کے ملٹری ونگ کا کمانڈر تھا۔

کتاب "ہندوکش کے قبائل" کے مؤلف جون بدلف لکھتے ہیں کہ ہنزہ، پونیال، زیبک، شگتان، منجن، کولاب اور درواز کی ساری آبادی شری کول، واخان اور یاسن کی نصف سے زائد آبادی اور چترال میں لاخو وادی کے زیادہ باشندے مولائی (شیعہ) فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوہ کند، کراتیجن، بدخشان اور بلخ میں مولائی نظر آتے ہیں وہاں انہیں سیّد جعفر خان کا مرید کہا جاتا ہے۔ یہ افغانستان میں بھی ہیں جہاں انہیں "مقتدی" کہا جاتا ہے۔ اس فرقے کے سربراہ آغا خان ہیں۔ جن علاقوں میں یہ رہتے ہیں وہاں ان کا ایک پیر ہے۔ پیر کا رتبہ موروثی ہے۔ باپ کے بعد بیٹا، پھر بیٹے کا بیٹا، اس طرح یہ سلسلہ چلتا ہے۔ مرید کسی بھی علاقے میں چلا جائے وہ اپنے ہی مرشد کا مرید رہتا ہے۔ ہر مرید اپنی بہترین چیز اپنے مرشد کے حوالے کر دیتا ہے۔ نذرانوں کا ایک حصّہ فروخت کر کے رقم ہر سال آغا خان کو بمبئی بھیج دی جاتی ہے۔ مولائی امام جعفر صادق کے شجرۂ نسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوکش کے مولائی حسن بن صباح ہی کے پیروکار سمجھے جاتے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور انہیں حضرت محمدؐ سے بڑا رتبہ دیتے ہیں۔ وہ فارسی میں لکھی ہوئی "کلام پیر" نامی کتاب پر بڑا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی ایک مشہور کہاوت ہے کہ عقیدہ اور عورت کو دوسروں سے چھپا کر رکھنا چاہیے۔

اسی کتاب کے مصنّف لکھتے ہیں کہ مولائی فرقے کے لوگ کھلے عام شراب پیتے ہیں۔ وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب 1876ء میں وہ ان کے

سربراہ کو ملنے گیا اور اسے سکاچ وسکی کی ایک بوتل پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ سارے ہنزہ میں اس تحفے کی دھوم مچ گئی۔(۲۱)

بلوچستان میں مولائی فرقے یا قبیلے کی آباد کاری کب اور کس سن وسال میں ہوئی تھی اس کے بارے میں کسی کو معلومات نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ قبیلہ یا اس کے گھرانے پھر کیسے اپنی آباد کردہ موضع سے بے نشان ہو گئے یہ بھی کوئی نہیں جانتا۔

میر جتؔ گوادر

ملاحضہ کیجیے موضوع "جتؔ"

مین

بلوچستان میں دو مقامات "مین" کے نام سے موجود ہیں۔ ایک مین، ضلع واشک کے رخشان میں پنجگور کوئٹہ روڈ پر ایک میدان کا نام ہے۔ مین کا لفظ بلوچی زبان میں بھی ہے جس کے معنی دلدل کے ہیں۔ اس میدان کو جو کسی قدر پتھریلی بھی ہے دلدل کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں پر ماضی میں مین موضع آباد تھا وہ ایک سخت زمین تھی اور بارشوں میں وہ مقام دلدل نہیں ہوتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک قدیم موضعی نام ہے جو اب غیر آباد ہے لیکن اس میں ماضی کی انسانی آبادکاری کا ملبہ موجود ہے۔

دوسرا مین، آواران ضلع کے مشکئے میں منگُلی گاؤں سے قریب واقع ہے۔ اس مقام پر ماضی کی بڑی آبادکاری کے آثار ہیں۔ دونوں جگہوں میں علاقائی لوگوں کو اس نام کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔

"مین" نام کی نسبت رکھنے والے دو گاؤں یا علاقے ایرانی صوبہ بلوچستان میں واقع ہیں۔ جن میں ایک "مینان" ہے جو "مین" کی جمع صورت ہے۔ دوسرا نام "میناب" ہے جس سے "مین چشمہ" یا "مین لوگوں کا پانی"، یعنی وہ پانی والا مقام جہاں "مین" مالک کی حیثیت سے رہتے ہیں۔

تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ مین ایک جٹ قبیلہ ہے جسے اس کی اصلیت کی بنا پر ماچھیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ماچھی "ماہیگیر" کو کہتے ہیں۔ پنجاب کی مردم شماری رپورٹ 1881ء میں اس قوم کی زیادہ تر آبادی گوجرانوالہ میں دکھائی گئی ہے۔ دوسری بڑی تعداد لاہور میں شمار کی گئی ہے۔ جو دس ہزار سات سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ مذکورہ رپورٹ میں مینوں نے اپنا قبیلہ "مین جاٹ" لکھوایا ہے۔ مذکورہ مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماضی میں کئی ہندی اور کشمیری طوائف کے ساتھ ساتھ پنجاب کے مین جٹوں نے بھی بلوچستان میں مذکورہ بالا مواضع بسائے تھے۔

حواشی

ا۔ "مارواڑ" کے معنی "ماروالا" یعنی مار قبیلہ کا مقام یا مار قبیلہ کا آباد کیا ہوا گاؤں۔

۲۔ "دی کاسٹس آف پنجاب"، از ڈیزنل ابسٹن، ص365۔

۳۔ صفحات نمبر147-146۔

۴۔ صفحات نمبر145-146۔

۵۔ "شاہانِ گوجر"، از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خانصاحب، ص 178، مطبوعہ انجمن گوجران پاکستان، لاہور۔

"ہُن" کون تھے اور کس ملک کے تھے؟ "تاریخ ہند" (ایڈیشن پنجم) میں اس کے مصنف وی-اے- سمتھ لکھتے ہیں کہ ایشیا کے جنگلوں سے تندخو لوگوں کے گروہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں ایران و ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ یہ تمام اپنے آپ کو ہُن کہتے تھے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو ساکا کی طرح عام طور پر استعمال ہوتی ہے اور بلاشبہ اس میں کئی گروہ اور قومیں شامل تھیں۔ یوروپی مصنّفین ہندوستانی ہنوں کو سفید ہُن کہتے ہیں جب کہ یوروپ پر حملہ کرنے والے دوسرے ہنوں سے تمیز کرتے ہیں۔ ساکا کی طرح ہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ سفید ہُن خوبصورت، لمبے آریاؤں اور ترکوں سے متعلق تھے یا چھوٹے زرد رنگ منگولوں سے۔ لیکن اب یہ معلوم ہوچکا ہے کہ بہت سے موجودہ راجپوت نسلیں اور دوسری ذاتیں جیسے گوجر، جاٹ کاٹھی وغیرہ یا تو ہنوں کی نسل سے ہیں یا گوجر کی نسل سے یا اس طرح کے اور گروہوں کی نسل سے جو ان کے بعد ہندوستان میں داخل ہوئے۔ راجپوتوں، جاٹوں، گوجروں کی شکل وشباہت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ان کی اجنبی آباواجداد خوبصورت لمبے قد کے انسان تھے نہ کہ زرد رنگ، چھوٹی آنکھوں والے منگول نسل کے۔

سفید ہنوں نے پنجاب پر فتح پاتے ہی ایک شخص مہر گل کو ساگالہ (سیالکوٹ کا قریبی شہر) میں حکمران بنایا اور اسی شہر کو اپنا صدر مقام بنایا اور جلد ہی بھیرہ اور ملتان کے درمیانی علاقے پر بھی قابض ہوئے۔ جب چینی سیاح ہیون تسانگ (Hiuen Tsiang) اس علاقے کے تریموں گھاٹ آیا تو اس نے پورے خطے پر ہنوں کو حکمران پایا۔ اس نے لکھا کہ یہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب ہے اور شورکوٹ پر ساگالہ راجہ ہنوں کی حمایت سے حکمران بنے۔ ہنوں کے ظلم و زیادتیوں کے خلاف پنجابی راجاؤں نے ترکوں سے مدد لی جنہوں نے آکر انہیں باہر نکال دیا۔ ہنوں کی بچی کھچی نسل کے افراد آج بھی جھنگ، میانوالی اور سرگودھا کے علاقے میں موجود ہیں اور دیگر قبائل میں بھی خلط ملط ہو چکے ہیں۔

مہر گل کا باپ تورامن جو قبائل کا سردار تھا انتہائی ظالم حکمران تھا۔ اس کی حکمرانی میں بھیرہ، خوشاب، تریموں اور شورکوٹ شامل تھے۔ وہ کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں قتل ہوا جس کے بعد ہنوں نے مہر گل کو اقتدار سونپا۔ اس حکمران نے باپ کا انتقام لینے کے لیے مقامی آبادی پر ہولناک مظالم ڈھائے۔ اسے چندر گپت خاندان کی ایک شہزادی نے اچانک حملہ آور ہو کر مار دیا اور بھیرہ تا شورکوٹ کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اسی رانی کے خاندان کا رائے چچ ساتویں صدی عیسوی میں بادشاہ ہوا ("سرزمین جھنگ، آثار و ثقافت"، از پروفیسر سمیع اللہ قریشی، مطبوعہ فکشن ہاؤس، لاہور)۔

۶۔ شاہانِ گوجر، ص178۔

۷۔ سرزمین جھنگ آثار و ثقافت، ص79۔

۸۔ ہندوکش کے قبائل، اردو ترجمہ، ص79، 89۔

۹۔ ایضاً، ص84۔

۱۰۔ "تاریخ چترال"، از منشی محمد عزیزالدین، ص12، 13۔

۱۱۔ محمودانی نوشیروانی، گڈانی، موالی، کنڈو غیرہ میں بستے ہیں اور بیزنجوؤں کے ساتھ اور ان کے بیچ بود و باش رکھنے کی وجہ سے بعض محمودانی بزنجو کہلاتے ہیں۔

۱۲۔ ص134۔

۱۳۔ کوہیار کا نام "خضدار" کے لیے نہیں بلکہ خضدار سے متصل مولہ کے کوہستان کے لیے مستعمل رہا ہے۔ جس کا بڑا گاؤں "خزان" ہوتا تھا۔

۱۴۔ "مہر" نام سے ملتا جلتا ایک نام "مَہَر" ہے جو ایک سندھی قبیلہ ہے اور سندھ میں آباد ہے۔ البسٹن نے اس کا شمار "کمہاروں" میں کیا ہے۔ ٭

۱۵۔ "دی کاسٹس آف پنجاب"، ص324-326۔

۱۶۔ "مہر گڑھ" کے قدیم آثار کا مذکورہ قبیلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ ہزاروں سال قدیم تہذیبی آثار ہیں۔

۱۷۔ کتاب "شاہانِ گوجر" از ابوالبرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب، ص162۔

۱۸۔ تمدّن ہند، ص133۔

۱۹۔ ایضاً صفحات 155-158۔ "پالاری ایک قبیلہ کی حیثیت سے سندھ اور بلوچستان کے ضلع لس بیلہ میں بودوباش رکھتے ہیں۔

۲۰۔ "ہندوکش کے قبائل" اردو ترجمہ از جاوید شاہین، مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ص112، 150-153۔

۲۱۔ "ہندوکش کے قبائل، از جاوید شاہین، ص150-153۔

٭ دی کاسٹس آف پنجاب، ص326۔

ناگ

ناگ کے نام سے بلوچستان میں ایک سے زیادہ مواضع ہیں۔ ایک گاؤں موجودہ ضلع واشک میں ہے۔ جو پنجگور سے کوئٹہ پنجگور روڈ پر اسّی میل کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرا موضع ضلع کیچ کے علاقے زامُران میں ہے۔(۱) "ناغ" کے نام سے تیسری جگہ ضلع خضدار کے علاقہ کپرّ میں ایک پہاڑی چوٹی ہے۔ یقیناً کسی وقت یہ نام اسی پہاڑی کے دامن میں واقع موضع کا نام ہوگا جو کہ اب بے نشان ہے۔ ایک اور بلوچ گاؤں ایرانی بلوچستان میں "گورناگ" کے نام سے ہے۔ اسی طرح کیچ ضلع کے تحصیل تمپ کے موضع "دازن" میں "ناگ" جگہ موجود ہے۔

"ناگ" ایک قدیم ہندی النسل قبیلہ ہے جو آسام اور اس کے قرب و جوار میں اکثریت سے وجود رکھتے ہیں۔ جہاں وہ "ناگا" کہے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں "ناگ پور" ناگ قبیلہ کا ایک قدیم مرکزی علاقہ ہے۔ جہاں سینکڑوں سال قبل ایک "ناگاراجہ" ہوتا تھا۔ جو سال بھر ناگ قبائل کو دیگر ہمسایہ قبائل سے لڑاتا رہتا تھا۔ تاکہ ناگ قبائل کی حیثیت مارشل نسل کی رہے۔ ویسے بھی "ناگ" بڑے سرکش، لٹیرے اور لڑاکو رہے ہیں۔

"انسائیکلوپیڈیا آف ایشین ہسٹری" میں کہا گیا ہے کہ ناگ قبیلہ پہلی بار ہندوستان میں تیسری صدی عیسوی میں ظاہر ہوا۔ اس زمانے میں شمال کی طرف کشان حکومتیں قائم تھیں مگر کئی اقوام ان کے خلاف برسرِ پیکار تھیں، ناگوں نے بھی باغی اقوام کے ساتھ دیا اور کشان حکومتوں کا خاتمہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہندوؤں کے پُرانوں میں آتا ہے کہ اس قبیلہ کی طاقت کے تین چار مراکز رہے

ہیں۔ جن میں ودیشا، کنتی پوری، متھورا اور پدماوتی مشہور رہے ہیں۔ ان علاقوں میں یہ بادشاہ رہے ہیں۔ متھورا میں ان کے نو بادشاہوں نے حکمرانی کی ہے اور متھورا میں سات بادشاہ گزرے ہیں۔ مذہبی لحاظ سے یہ برہمن رہے ہیں۔ ناگوں کا آخری مرکز ناگپور کہا جاتا ہے جو ان کا قدیم ترین گڑھ بھی رہا ہے۔ جہاں ان کی حکمرانی کے زوال کے زمانے میں 1.3 ملین ناگ آباد تھے۔ جو دیوگڑھ کی مرکزیت کے آس پاس بود و باش رکھتے تھے۔ چند ایک مصنّفین نے انہیں دراوڑوں میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے آریاؤں کی ورود کی کافی حد تک مزاحمت کی تھی۔ اس قبیلہ کی اہم گوتوں میں سِما، مورنگ اور انگامی کو شامل کیا جاتا ہے۔

بلوچستان میں "ناگ" قبیلہ کس زمانے میں بود و باش رکھتا تھا، یہ کہاں سے آکر یہاں آباد ہوا، کہاں سے آتے ہوئے یا کہاں جاتے ہوئے ان کے کچھ گھرانے یہاں بس گئے، ان سوالوں کا جواب ابھی تک گوشۂ گمنامی میں ہے۔ قبیلہ کے نام سے قائم کئی مقامات سے بھی اس سوال کا تسلّی بخش جواب نہیں ملتا کہ آیا یہ سارے مقامات ایک ہی دور میں آباد تھے اور قبیلہ ایک ہی زمانے میں ان ساری جگہوں میں آباد تھا یا ایک جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ آبادکاری کی اور موضع کو اپنا نام دیا۔ بہر حال "ناگ" قبیلہ ایک نہایت قدیم قبیلہ رہا ہے اور اگر یہ بقول بعض مصنّفین کہ دراوڑ قبیلہ ہے تو بلوچستان میں اس کی آبادکاری کسی بھی صورت دو سے ڈھائی ہزار سال قبل سے کم نہیں ہے۔

اس قدیم قبیلہ کی ایک قدیم تاریخی شخصیت اور مؤرخ نیل ناگ نامی شخص گزرا ہے جس نے خطّۂ کشمیر اور قرب و جوار کی قدیم ترین تاریخ "نیلہ مت پوراں" لکھی ہے۔ جس میں ان ادوار کا تاریخی احوال درج ہے۔ جب تاریخ نویسی وجود نہیں رکھتی تھی اور ان ایّام میں خطہ کشمیر فقط ایک جھیل ہوتا تھا جو ستّی سر

کہلاتا تھا۔ اس کتاب کے مطابق کیشپ رشی نے اسی پہاڑی جھیل کا تمام پانی نکالا اور اس مقام کو خشکی میں بدل ڈالا اور باہر سے برہمنوں کو لا کر بسایا۔ مذکورہ مقام کے قرب وجوار میں صرف دو ذاتیں بستی تھیں جو پشاچ اور یاکش نامی تھیں۔ نیل ناگ کی یہ کتاب قدیم سنسکرت میں دریافت ہوئی ہے۔ "نیلہ مت پوراں" میں "کِش" ذات کا بھی ذکر ہے۔

نغاڑ

"نغاڑ" ضلع قلات کے سوراب میں آرسی ڈی روڈ پر آباد، کوئٹہ کی طرف جاتے ہوئے پہلا موضع ہے۔ آج سے بارہ پندرہ سال قبل یہاں پر ایک شکستہ قلعہ کی دیواریں دیکھی جاسکتی تھیں۔ جسے میروانی کلات کہتے تھے۔ یعنی میروانی قلعہ۔ میروانیوں کی روایت ہے کہ یہ ایک قدیم ترک قلعہ ہوتا تھا جو ویران اور غیر آباد ہوتا تھا جسے خانہ بدوش جدگالوں نے اپنے تصرّف میں لیا اور اس کی مرمت کر کے اس میں رہائش اختیار کی جسے میروانیوں نے چھین لیا اور اپنے سردار خیل کی رہائش گاہ بنایا۔ سترہویں صدی کے نصف تک یہ میروانی سردار کی رہائش گاہ تھی جو براہو جدگال جنگ کے دوران تباہ ہوا لیکن اس کے ملبہ جاتی آثار کو آج سے پندرہ بیس سال قبل ہموار کر کے زرعی اراضیات کا حصّہ بنادیا گیا۔

"نگاڑ" نام کا ایک موضع ضلع ہزارہ میں بھی ہے جہاں پر باہر سے آنے والے ترین اور اتمان زئی قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اس نگاڑ کے متعلق چند تحریروں میں میں نے پڑھا ہے کہ پہلے یہاں گجّر رہا کرتے تھے۔ شاید مذکورہ نام کسی گجر طائفے کا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو بلوچستان میں مذکورہ "نغاڑ" بھی گجّر طائفے کی یادگار ہوگی۔ ماضی میں یہ خطہ "توران" کا حصّہ ہوتا تھا جس کا مرکز خضدار رہا ہے۔ توران

"ترکوں" کا وطن ہوتا تھا اور تُور، ان کا اکثریتی قبیلہ ہوتا تھا جن کے نام پر یہ قدیم خطّہ تھا۔ تُور قبیلہ اب بھی کہیں کہیں بغیر کسی مرکزیت کے موجود ہے۔ گجرّ قوم بھی ایک ترک قبیلہ ہے۔ جو بلوچستان میں زمانہ قدیم سے موجود رہا ہے۔ جھلاوان (قدیم توران) میں بیسیوں مواضع گجرّوں سے منسوب ہیں اور موجودہ بلوچ قبائل میں گجر کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

نہنگ

نہنگ، ضلع کیچ میں ایرانی بلوچستان سے آنے والی ایک بڑی ندی کا نام ہے۔ چونکہ یہ ندی ضلع پنجگور کی پرلی طرف ایرانی بلوچستان کی سرحد پر واقع گاؤں "نہنگ" سے نکلتی ہے اس لیے نہنگ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک اور قدیم موضع "نہنگ" علاقہ رخشان کے گاؤں بسیمہ میں واقع ہے۔ بلوچستان کے علاوہ سندھ کے علاقہ سیہون کے کوہستان میں بھی موضع نہنگ ہے۔

فارسی میں نہنگ، مگرمچھ کو کہتے ہیں اس لیے بعض جگہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مذکورہ ندی میں مگرمچھ پائے جاتے ہیں اس لیے یہ نہنگ کے نام سے مشہور ہے۔ جب کہ حقیقت میں اس ندی میں کبھی بھی مگرمچھ نہیں پلے ہیں اور نہ کہ نام اس طرح پڑتے ہیں۔

نہنگ ایک ہندوستانی جاٹ قبیلہ ہے جس کے بانی کا نام گورُو گوبند سنگھ تھا جسے عرف عام میں نہنگ کہتے تھے۔ اس ذات کا اصلی جائے رہائش امرتسر ہوتا تھا۔ امرتسر کے نہنگ اپنے آپ کو رنجیت سنگھ کے ایک قریبی عزیز سردار پھولا سنگھ کے سپاہی یا گارڈ کہتے ہیں۔

اس قبیلہ کے ایک بزرگ کا مزار سندھ کے شہر دادو میں مرجع خلائق ہے۔ جو "نہنگ شریف" کے نام سے مشہور ہے۔ قبیلہ کی ابتدا کب ہوئی اور اس کا تاریخی کردار کیا رہا ہے، تحریر میں اس بارے کچھ دستیاب نہیں ہے۔

نیچارہ

"نیچارہ" قلات کا ایک قدیم گاؤں ہے۔ پورے خطّے میں یہ واحد گاؤں رہا ہے کہ جہاں کی عمارتیں ایک سے زیادہ منزلوں کی تعمیر کی گئی ہیں وہ بھی گارے اور کچّی اینٹوں سے۔ جس زمانے میں رند قبائل نے قلات کے اطراف میں ڈیرے ڈالے تھے تو معروف ترین قلعہ، قلات نیچارہ تھا جہاں پر ایک جاٹ سردار کانبو خان کی بالا دستی تھی۔ بعض روایات کانبو خان کو ہندو مذہب کا بتاتے ہیں۔ لیکن نام کے ساتھ ترکی زبان "خان" کی اضافت اسے ہندو ماننے میں مانع ہیں۔

سولہویں صدی کی ابتدا میں جب پنجگور کے حکمران میر کمبر رئیس نے قلاتِ نیچارہ پر قبضہ کیا تو پھر یہ قلات بلوچ کہلایا۔ جس کا تذکرہ آئینِ اکبری اور دوسری تصنیفات میں کیا گیا ہے۔

نیچارہ کی عوامی روایات میں مشہور ہے کہ یہ ایک ترک قبیلہ "نیچارہ" نامی کا مسکن تھا۔ تاریخی کتابوں میں کسی نیچارہ قبیلہ کا ذکر نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ قدیم تورانی قبیلوں میں سے تھا۔ ابوالفضل نے اپنی تصنیف آئین اکبری میں اس نام کو "بنجارہ" لکھا ہے جو یا تو کتابت کی غلطی سے ایسا ہوا ہے یا پھر مصنّفِ کتاب نے "نیچارہ" کی بجائے "بنجارہ" سنا ہے اور اسے بنجارہ لکھ دیا۔ واضح ہو کہ ہندوستان میں بنجارہ کے نام سے ایک آوارہ خانہ بدوش قبیلہ وجود رکھتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ مصنف نے اسی تناظر میں اس نام کو بھی بنجارہ سمجھ لیا ہو۔

حواشی

ا۔ زامُران کے ناگ کا قلعہ ایک قدیم قلعہ روایت کیا جاتا ہے اور جس کے ایک حکمران کا نام "پازیست" بیان کیا جاتا ہے۔ یہ نام ہندی الاصل سے زیادہ ایرانی الاصل معلوم ہوتا ہے۔

وَنگُو

ونگو، ضلع خضدار کا علاقہ کرخ کا ایک قدیم موضع رہا ہے اور اسی نام سے موجود ہے۔ یہ نام ایک قدیم ہندی قبیلہ کا ہے جس کے بیسیوں گھرانے انڈیا اور کشمیر میں موجود ہیں۔ تواریخ کشمیر میں اسے ہندوستان کی قدیم ترین ذات ملماسی پنڈتوں سے کہا گیا ہے۔

مذکورہ ذات کی انتہائی قدامت کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ بلوچستان میں اس طرح کی آبادکاری بھی کافی پرانی ہوگی۔ اس ذات کی تفصیلی تاریخ کے بارے میں کتابوں میں تذکرے نایاب ہیں۔

ویندر

ویندر نام کے چند مواضع بلوچستان میں مختلف علاقوں میں ملتے ہیں جن میں ضلع لس بیلہ کا گاؤں ویندر، لس بیلہ ہی کے کڑّاج میں موضع ویندر، ضلع خضدار کے کوہستان میں "ویندر بُھٹ" شامل ہیں۔ خضدار ہی کی تحصیل مولا کا گاؤں "راہیکئو" کا پرانا نام بھی ویندر رہا ہے۔

"ویندر" ایک کشمیری قبیلہ رہا ہے جس کے افراد کہیں کہیں دیگر قبائل میں مدغم ملتے ہیں۔ تاریخ اقوام کشمیر میں محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ ویندر قبیلہ کا پہلا شخص کشمیر کا خواجہ اسحاق ویندر رہا ہے جو 1176ھ میں انتقال کر گیا تھا۔ وہ اپنے وقت کی ایک برگزیدہ ہستی گذرے ہیں۔

مصنّف تاریخ کبیر کشمیر اس قبیلے کو کشمیر کا قدیم ترین قبیلہ لکھتے ہیں۔ جس کی تاریخ گوشہ گمنامی میں ہے۔ محمد دین فوق اس قبیلے کے ایک قدیم قبرستان کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس قبیلے کے تمام مرحومین اسی قبرستان میں مدفون ہیں جو "مزار ویندر" کے نام سے مشہور ہے۔

اکثر قدیم آبادکار قبیلوں کی طرح اس قبیلے کی بھی بلوچستان میں آبادکاری کا زمانہ نامعلوم ہے۔ قیاساً اسے قبیلہ "ونگو" کا ہم عصر کہا جاسکتا ہے۔

ہاڑا

"ہاڑا" بلوچستان کے علاقہ نصیر آباد میں ایک قدیم موضع ہے جو بلوچوں میں موجود قبیلہ "ہاڑا" کا مسکن ہے۔ دوسرا موضعی نام ضلع لس بیلہ میں ہاڑہ بند ہے جو کوہ "پبّ" سلسلہ کی ایک شاخ کا بھی نام ہے۔ تیسرا موضع ضلع قلات میں "ہاڑو" ہے جو جٹکی یا جدگالی لہجے میں ہے۔

ہاڑا قبیلہ علاقہ کچھی میں پرانے وقتوں سے بڑے قبیلہ "ڈومبکی" کے طائفہ کی حیثیت سے موجود ہے۔ کچھی، نصیر آباد اور سبّی میں ان کے کئی گھرانے آباد ہیں۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ وہ نسلاً ہوت بلوچوں سے ہیں اور ان کے اجداد سے ایک مسلّح دستہ سسّی پنّوں رومان کے ہیرو اور حاکم کیچ میر عالی ہوت کے بیٹے میر پنوں کے ذاتی محافظ ہوتے تھے۔ جو مستقل اس کے ساتھ ہوتے تھے۔

قبیلہ کا نام غیر بلوچ لفظ ہے اور جٹکی سے قریب لگتا ہے۔ قبیلے والوں کو اس لفظ کے معنی بھی نہیں آتے اس لیے ہم نے اس نام کو غیر بلوچ قبائل میں تلاش

کرنے کی کوشش کی تو یہ گوجر تواریخ میں ملا۔ جسے چوہان گوجروں کی ایک شاخ بتایا گیا ہے۔ حافظ عبدالحق سیالکوٹی نے اپنی تاریخ "تاریخ گوجران" میں لکھا ہے کہ:

"شمالی چوہانوں کے مورث اعلیٰ مانک رائے نے اجمیر کو دوبارہ فتح کیا تھا۔ اس کی کثیر التعداد اولاد اکثر گوتوں یا خاندانوں کے بانی ہوئے جن کے افراد دریائے سندھ تک آباد پائے جاتے ہیں۔ ہاڑا، کھیچی، موہل، نریان، بہدوریا، موریچا، دھنیریا، باگریچا سب گوجروں کے چوہان خاندان کی شاخیں ہیں۔ ہاڑا شاخ کے چوہان گوجروں نے ایسی یا ہانسی واقع ہریانہ میں حکومت قائم کی تھی۔"

ہاڑا قبیلہ کے مورث اعلیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مانک رائے کی نسل سے آنوراج عرف آناسریر آرائے تخت نشین ہو کر حکومت کرنے لگا۔ آنوراج نے اپنے زمانۂ حکومت میں اجمیر میں اپنی یادگار قائم کرنے کے لیے ایک تالاب آناساگر تعمیر کرایا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے جن کے نام جے پال، ہرس پال عرف است پال تھے۔ بڑا بیٹا جے پال ولی عہد تھا اور دوسرا چھوٹا بیٹا است پال فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کو آنوراج ہانسی حصار کی جاگیر دی ہوئی تھی۔ یہی است پال چوہان گوجروں کی شاخ ہاڑا کا مورث اعلیٰ ہوا۔ اس کی اولاد آج بھی ریاست ہائے بوندی و کوٹہ میں صاحب ریاست و حکمران ہیں۔(۱)

بلوچستان میں اس قبیلہ کے طائفے کب آکر آباد ہوئے یہ نامعلوم ہے۔ اگر ان کی روایتوں پر یقین کیا جائے تو سسی پنوں کے رومان کا عہد ممکن ہے ان کی آمد کا زمانہ ہو۔ لیکن میر پنّوں کا باپ میر عالی کیچ میں حکمران تھا اور اسی ملک کا باسی تھا۔ اس طرح ہاڑا قبیلے کے لوگ کیچ میں آباد ہونے چاہییے تھے مگر وہاں ان کا ایک گھر بھی نہیں ہے اور نہ کہ ماضی میں ان کی وہاں موجودگی کے آثار ہیں۔ ان کے

جتنے بھی گھرانے ہیں وہ سندھ میں اور بلوچستان کے علاقہ نصیر آباد، کچھی اور سبّی میں آباد ہیں اب یہ بلوچوں میں مدغم ہو کر بلوچ بن چکے ہیں۔ ان کی آبادی ہزاروں میں ہے۔ انگریز دور میں 1905ء میں صرف کچھی میں ان کے ایک سو ساٹھ گھرانے ریکارڈ ہوئے ہیں جب کہ اپنے موضع ہاڑا میں یہ تین سو تہتر تھے۔(۲)

ہورماڑہ

مذکورہ بالا نام ضلع گوادر کی ایک مشہور و معروف تحصیل کا نام ہے جسے مکران اور ساحلی علاقے کے لوگ "ا" سے ادا کر کے اورماڑہ بولتے ہیں۔ یہ نام دو لفظوں "ہور" اور "ماڑہ" سے تشکیل پا گیا ہے۔ ہور بنیادی طور پر عربی لفظ "حور" ہے جس کے معنی خلیج کے ہیں اور "ماڑہ" ایک قدیم رئیس طائفہ رہا ہے۔ اصل نام اس طائفے کا مارہ رہا ہے۔ جسے ساحلی لوگ "ماڑہ" ادا کرتے رہے ہیں۔ صدیوں تک یہ مقام قبیلہ "ماڑہ" کی ساحلی بستی تھی۔ اسی قبیلہ کے نام پہ مذکورہ "ہور" یا خلیج "ہورماڑہ" کہلاتا ہے۔

مذکورہ قبیلہ کے گھرانے نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہاں سے ہجرت کر کے بلوچستان کے علاقے کچھی میں بمقام ٹاکری کے آس پاس بس گئے جہاں پر وہ آج اسی "ماڑہ" کے نام سے موجود ہیں۔ وہاں پر وہ آج بھی مید (ماچھی) کہلاتے ہیں اور وہاں قبیلہ جاموٹ کا ایک حصّہ ہیں۔ واضح رہے کہ جاموٹ قبیلہ بھی اپنی اصل میں رئیس بلوچ قبیلہ ہے۔(۳)

حواشی

ا۔ تاریخ گوجران، از حافظ عبدالحق سیالکوٹی، مطبوعہ گوجر اکیڈمی لاہور، ص 315۔

۲۔ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر کچھی، ص 25-29، مطبوعہ گوشۂ ادب، کوئٹہ۔

۳۔ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹئر، جلد ہفتم، ص 95۔